Sanaullah Bat

Ahd namah-yi Kashmir

عہد نامۂ کشمیر

جدید اضافہ شدہ ایڈیشن

خواجہ ثناءاللہ بٹ

علی محمدؐ اینڈ سنز بک سیلرز
بڈشاہ چوک، سرینگر کشمیر

نام کتاب ــــــ عہد نامۂ کشمیر
مصنّف ــــــ خواجہ ثناء اللہ بٹ
پرنٹرز ــــــ جے، کے آفیسٹ پرنٹرز دہلی-۶
کِتابت ــــــ • وجیہ اللہ خان رامپوری
• محمد صدیق راہ بابا صاحب سرینگر
• محمد عباس شوپیانی

بار دوم (اضافہ شدہ ایڈیشن) ... مارچ ۱۹۹۶ء

قیمت ــــــ ۸۵/ روپے

ٹائٹل ــــــ جی۔ احمد

پبلشرز
علی محمد اینڈ سنز بک سیلرز
بڈشاہ چوک۔ سرینگر۔ کشمیر

ترتیب و ترکیب

تازہ ایڈیشن کی اہمیت

عہد نامۂ کشمیر کا یہ نیا ایڈیشن کشمیر کی مکمل تاریخ کے طور پر شایع کیا جارہا ہے۔ نئے ایڈیشن میں اگست ۱۹۹۵ء میں شایع کئے گئے عہد نامۂ کشمیر میں تقریباً ایک سو صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جن میں کشمیر کی سیاسی، عسکری اور تاریخی جدوجہد کے سلسلے میں ایسے اہم انکشافات کئے گئے ہیں اور ایسے واقعات درج کئے گئے ہیں، جو اس سے پہلے منظرِ عام پر نہیں آتے ہیں اور جن کی غیر معمولی اہمیت کے پیشِ نظر ان تمام واقعات اور ان کا سیاسی پس منظر نہایت تفصیل کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ تازہ اور نئے ایڈیشن میں اُس عسکری جدوجہد کے دوران پسِ پردہ واقعات پہلی بار اس تاریخی کتاب میں پیش کئے جارہے ہیں جس عسکری جدوجہد کا آغاز ۱۹۸۸ء میں ہوا اور جو اس خطے میں برابر جاری ہے۔ عہد نامۂ کشمیر کے تازہ ایڈیشن میں اُن واقعات کو بھی تفصیل کے ساتھ درج کیا گیا ہے، جن کا ذکر اس سے پہلے کی اشاعت میں نہیں کیا جاسکا تھا۔ عہد نامۂ کشمیر کے تازہ ایڈیشن میں کشمیر کے بارے میں وہ تمام حوالہ جات درج کئے گئے ہیں، جو شہرت یافتہ مورخوں نے وقتاً فوقتاً کیئے ہیں اور جن میں ہندو اور مسلمان مورخوں کے علاوہ البیرونی جیسے مفکروں کے علاوہ یورپ کے وہ سرکردہ مصنف بھی شامل ہیں، جن کی کشمیر کے بارے میں تحریریں اور کتابیں تقریباً نایاب ہوچکی

ہیں۔ عہدنامۂ کشمیر کے نئے ایڈیشن میں اُس سیاسی جدوجہد کے بہت سے خُفیہ پہلو بھی نمایاں
کئے گئے ہیں جو ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ کے راج سنگھاسن پر بیٹھنے کے بعد وقوع پذیر ہوئے
اور جن میں سے بہت سے واقعات کی ابھی تک نشاندہی تک نہیں کی جا سکی ہے۔ نئے
ایڈیشن میں روس، امریکا، برطانیہ، اسلامی ممالک اور ہندوستان اور پاکستان کی اُن کوششوں کو بھی
اجاگر کیا گیا ہے جو ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۵ء تک اِن ممالک نے کشمیر کے بارے میں کی ہیں۔ عہدنامۂ
کشمیر کے نئے ایڈیشن میں ہندوستان کی تقسیم اور قیامِ پاکستان کے کشمیر پر ہونے والے اثرات
کا بھی جائزہ لیا گیا ہے اور کشمیر پر ہندوستان اور پاکستان میں دو بار جنگ کے محرکات اور
اِن سے ہونے والی تبدیلیوں کو بھی انتہائی معتبر انداز میں ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ عہدنامۂ کشمیر
کے نئے ایڈیشن میں بہت سی اہم تاریخی تصاویر اور نہایت اہم واقعات کے حامل ایک سو
صفحات کے اضافے کے باوجود اس کا زرِمبادلہ انتہائی معمولی مقرر کیا گیا ہے۔ جو صرف اِس
کی لاگت کے برابر ہے اور جس میں روایتی منافع شامل نہیں رکھا گیا۔ عہدنامۂ کشمیر کے نئے
ایڈیشن سے اُن حضرات کی بھی تشفی ہو جائے گی، جنہوں نے اگست ۱۹۹۵ء میں شایع کئے
گئے عہدنامۂ کشمیر کے بارے میں اِس رائے کا اظہار کیا تھا کہ اُس میں واقعات اور حالات کو
انتہائی مختصر انداز میں شایع کیا گیا ہے اور بہت سے ایسے واقعات درج نہیں کئے گئے
ہیں جو تاریخِ کشمیر کا ایک حصہ ہیں۔ جن کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیئے تھا۔ تاہم اِن خامیوں
کے باوجود اگست ۱۹۹۵ء میں شایع ہونے والے عہدنامۂ کشمیر کو جس طرح ہاتھوں ہاتھ
لیا گیا اور جس تیزی کے ساتھ صرف ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر عہدنامۂ کشمیر کا پہلا ایڈیشن خرید
کر نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا گیا۔ اُسے انتہائی حوصلہ بخش قرار دیا جا سکتا ہے۔ بعض حلقوں
نے یہ اعتراض بھی کیا تھا کہ عہدنامۂ کشمیر میں کچھ سیاسی واقعات کا غالباً جان بُوجھ کر
تذکرہ نہیں کیا گیا۔ حالانکہ عہدنامۂ کشمیر کے مصنف کے دِل و دِماغ میں ہرگز کوئی ایسی

بات تھی اور نہ ہے اور تاریخ رقم کرنے والا کوئی بھی شخص کسی طرح کا کوئی تعصب نہیں
برت سکتا اور اُس پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ واقعات کو دیانتداری کے ساتھ اُسی انداز
میں درج کرے، جس انداز میں اُس کے مُشاہدے میں آئے ہوں یا اُس کے مشاہدے میں
لائے گئے ہوں البتہ اِس معاملے میں تاریخ رقم کرنے کے لئے یہ لازمی بات ہے کہ تحقیق
و تجسس سے کام لیا جائے اور ایسے واقعات ہرگز درج نہ کرے۔ جن سے کسی کی خوشنودی
حاصل کرنا ہو یا کسی حلقے کی دِل آزاری مقصود ہو۔ چنانچہ عہدنامۂ کشمیر کے نئے ایڈیشن میں
واقعات اور حالات کو تفصیل کے ساتھ پیش کر کے اُس غلط فہمی کا اِزالہ کرنے کی کوشش
کی گئی ہے۔ جو ایک مخصُوص سیاسی مکتبِ فکر رکھنے والوں کو ہوئی۔ تاہم عہدنامۂ
کشمیر کے نئے ایڈیشن میں بھی غیر مُصدقہ اور سُنی سُنائی کہانیاں اور افسانے درج نہیں کیئے
جا رہے ہیں۔ کیونکہ افسانے تاریخ کا حصہ نہیں بن سکتے، تاریخ میں صرف ایسے واقعات
درج کئے جا سکتے ہیں، جن کا ٹھوس ثبوت موجود ہو اور جو حقائق پر مبنی ہوں۔ عہدنامۂ
کشمیر اِس خطے کی قدیم اور جدید ایسی تاریخ ہے جس میں حتی الامکان مبالغہ آرائی سے
اجتناب کیا گیا ہے اور وہی کچھ درج کیا گیا ہے جو پوری تحقیقات کے بعد صحیح ثابت ہوا

پبلشر

حرفے چند

تاریخ نویسی ایک فن ہے، بے حد مشکل فن۔ اِس فن کی اپنی الگ ہی جدلیات اور مبادیات ہے۔ یہ اپنے برتنے والوں کے صبر و تحمل، حوصلے اور علم و آگہی کو آزمانے والا فن ہے۔ اس سے عشق کرنا جوئے شیر لانے کا بھی تقاضا کرتا ہے اور اِس عمل میں اس کے فرہادوں کی شخصیت مجروح ہونے سے بچ جائے، یہ تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔

تاریخ نویسی کبھی معمولی اور معمول کے واقعات کو قلمبند کرنے کا ماجرا رہی ہوگی، تب اِس میں عافیت ہی عافیت تھی۔ فی زمانہ یہ "سیرِ چمن" کی نہیں پُرخار صحراؤں اور بے شجر اور دھول اڑاتی ہوئی راہوں میں سفر کرنے کے حوصلے کی بات ہو کر رہ گئی ہے تاریخ نویسی اب حالات و واقعات کے روزنامچے کی ترتیب و تدوین کا کام نہیں۔ اس میں اب اہم اور غیر اہم کو الگ کر کے، اہم کی تحلیل نفسی کرنے کے ساتھ اُس پر اُس کے کوائف اور تناظر کے حوالے سے تجزیہ اور تبصرہ کرنے کا مشکل ترین بلکہ صبر آزما عمل شامل ہے ایسا اس لئے ہے کہ دُنیا کے کسی فلسفے پر تمام انسانوں کا متفق الرائے ہونا بالکل ممکن نہیں۔ اِس لئے جہاں تاریخ نویس نے ایسا تبصرہ یا تجزیہ پیش کیا جو کسی خاص گروہ یا جماعت کے ذوق، معیار اور پسند، (چاہے وہ کتنے ہی پست کیوں نہ ہوں) کے مطابق نہ ہو، تو تاریخ نویس کی ذات مخالفت اور طنز و تشنیع کا ہدف بنتی ہے۔ اِسی مقام پر اُس کے صبر و تحمل اور حوصلے کے ساتھ علم و آگہی کا امتحان ہوتا ہے۔

تاریخ اگر قصّہ گوئی نہیں (جو یقیناً یہ نہیں ہے) تو یہ ایسا آئینہ ہے یا اِسے ایسا آئینہ ہونا چاہیئے جس میں ماضی کے نقوش و رنگ اور مستقبل کے خد و خال جھلکتے

دکھائی دیں یہی صِفت تاریخ اور قصّہ گوئی کو ایک دوسرے سے ممیز کرتی ہے اِس لئے ہماری نظر میں کسی بھی تاریخ نویس کے لئے یہ ازبس ضروری ہے کہ وہ:۔

—— حالات و واقعات کو جمع کرنے اور اُن میں تاریخی اہم اور غیر اہم کو الگ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

—— پورے تمدنی منظر نامے پر گہری نظر رکھتا ہو اور اُس کے خاکوں، رنگوں اور رنگوں کے مزاج سے واقف ہو،

—— وسیع القلب اور وسیع المشرف ہو،

—— تجزیاتی ذہن رکھتا ہو اور تجزیہ کرنے میں پُرخلوص اور بے لحاظ ہو،

—— تیغ کو تیغ کہنے کا حوصلہ اور جگر رکھتا ہو،

—— بصارت اور بصیرت کے امتزاج سے اپنی سوچ کا خمیر تیار کرنے پر قادر ہو،

—— الفاظ و معانی میں تفاوت کا روادار نہ ہو،

—— بات کہنے کا اپنا جداگانہ اسلوب رکھتا ہو جو نہ بسیار بلند ہو نہ بغایت پست،

—— اپنی رائے کا اظہار کرتے وقت تاریخ پر ہزار خواہشوں کے باوصف اپنا فیصلہ ٹھونسنے کے جذبے سے باز رہنے کی سکت رکھتا ہو، اور

—— واقعات اور حالات کا ہم سفر ہونے کے باوصف اُن سے بے تعلق نہ ہوتے ہوئے لاتعلق رہنے کا مزاج رکھتا ہو کہ یہ اُس کے غیر جانبدار ہونے کی شرط پورا کرنے کے لئے ضروری ہے

تاریخ نویسی کے فن کی تعریف اور اُس کو برتنے کے اصول میں نے اِس لئے بیان کئے۔ تاکہ آپ جب "عہد نامۂ کشمیر" کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو یہ فیصلہ کرنے میں دِقت پیش نہ آئے کہ تصنیف کے مصنّف، ریاست کے جیّد اور صاحبِ بصیرت اور بے باک صحافی، مقبولِ عام اخبار "آفتاب" کے مدیر

خواجہ ثناء اللہ بٹ صاحب نے کس طرح ان اصولوں کی پاسداری کا حق ادا کیا ہے
اور کس طرح انہوں نے متنازعہ فیہ مسائل پر اپنی پُر خلوص رائے کا جس سے
اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے اظہار کر کے اپنے لئے طنز و تشنیع اور مخالفت و مخاصمت
کا سامان پیدا کیا ہے۔ خواجہ صاحب چاہتے تو وہ ان اور دوسرے امور پر اپنی رائے
محفوظ رکھتے ہوئے یا ان کے تذکرے سے صرفِ نظر کر کے بعافیت گزر سکتے تھے۔
مگر اُس صورت میں وہ یقیناً اس فن کے ساتھ پُر خلوص ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے
اور تاریخ نویس کی حیثیت میں اُن کی حیثیت مشتبہ ہو جاتی۔ مزید اُن کی کتاب قصہ
گوئی سے ذرا سی اُوپر اور تاریخی رُتبے سے کہیں نیچے کی تخلیق ہو کر رہ جاتی۔ خواجہ
صاحب نے اپنے حوصلے کو آزمایا ہے اور جہاں بات دو ٹوک کہنے یا کرنے کی تھی۔
اُنہوں نے نتایج اور تلخ ردِ عمل کے اندیشوں سے بے نیاز ہو کر وہ بات کہی ہے
اور دھڑلے سے کہی ہے۔ یہ جنوین تاریخ نویس کی پہلی شناخت ہے۔

تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل "عہد نامۂ کشمیر" میں کشمیر کے تاریخی سیاسی،
عسکری اور تمدنی حالات کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے لئے عنوانات
قایم کئے گئے ہیں۔ ابتدا "مشاہیر کشمیر" کے تذکرے سے ہوئی ہے۔ اس تذکرے
میں معدودے چند مشاہیر کا نام آیا ہے۔ تمام مشاہیر کا تذکرہ ایک ضخیم کتاب میں بھی
شاید ہی سما سکے۔ لگتا ہے کہ کچھ مشاہیر کا تذکرہ کر کے ایک طرف سے مصنف نے کشمیر
کے علمی، ادبی اور روحانی ماحول کی بلندیوں کی طرف اشارہ کر کے ایک طرح سے
'کشمیری' ہونے کی بات کچھ جذبۂ فخر کے ساتھ کی ہے اور دوسری طرف باقی مشاہیر کے
کارناموں کی تحقیق و تدوین کے لئے نوجوان محققین کو ترغیب بھی مہیا کی ہے، جہاں
تک کشمیر کی قدیم تاریخ کا تعلق ہے، جو تین عنوانات یعنی پہلی ہجرت، بودھ عہد کے
خاتمے پر اور رُسات پلوں کا شہر" کے تحت میں صفحوں میں بیان ہوئی ہے اُس میں مصنف
نے جی۔ ایم۔ ڈی صوفی اور The Story of Mountains کے مصنف نیگ ہسبنڈ
کے مفروضوں پر کچھ زیادہ ہی انحصار کیا ہے۔ کشمیر گزیٹیر اور لارنس سے بھی استفادہ کیا جا سکتا
تھا اور اس طرح قدیم تاریخ سے متعلق متنازعہ امور پر بحث کا دائرہ کچھ وسیع ہو جاتا۔ خود
صوفی نے اپنی تحقیق اور رائے کی میزان میں ایسا ہو سکتا ہے" یا شاید ایسا ہو" کے پاسنگ ڈالے

ہیں، اسی طرح نیگ ہسبنڈ نے عمومی اعتقادات پر اپنے نتایج مرتب کئے ہیں۔ بہر حال
مصنف نے اپنی اس حتمی رائے کا اظہار کیا ہے کہ کشمیر کے قدیم ترین باشندے آلِ ابراہیم
میں سے تھے مگر بنی اسرائیل نہیں تھے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کی بنی قطورہ کے قبیلے سے
تعلق رکھنے والی بیوی کی اولاد سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ مصنف کے مطابق، بودھوں
کے وادی پر تسلط جمانے کے بعد بھی، دینِ ابراہیمی سے دامن کش نہ ہوئے۔ ہو سکتا ہے
یہ صحیح ہو کیونکہ کشمیریوں کے کچھ تمدنی خصائص وسط ایشیا میں رہنے والوں کے ساتھ ملتے
ہیں مگر یہ کہ اُن سے پہلے کشمیر میں کوئی بود و باش ہی نہیں رکھتا تھا، کچھ زیادہ قرینِ قیاس
نہیں لگتا۔ تاریخوں میں "بوم" اور "کھیوکھ" قوموں کا ذکر ملتا ہے۔ ممکن ہے کہ مؤخر الذکر اپنی
آلِ ابراہیم کا نام پڑا ہو جو بنی قطورہ سے تھے۔ بہر حال اس بحث کو چھیڑ کر مصنف نے
محققین کو دعوتِ فکر دی ہے۔ اِن ابواب کی اہمیت اسی تذکرے سے ہے۔

'عہد نامۂ کشمیر' کا باقی حصّہ ایسے سیاسی حالات و واقعات
سے لبریز ہے۔ واقعات کے مصنف چشم دید گواہ ہی نہیں بلکہ ایک حصّہ رہے ہیں، مصنف
کی پیش بینی کی داد نہ دینا کور ذوقی ہوگی کیونکہ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۹۵ء تک کے حالات کی
ترتیب و تدوین ظاہر ہے کہ اسی زمانے سے مصنف کے ذہن میں رہی ہوگی۔ کشمیر پر کام کرنے
والے محققین احسان مندی کے جذبے کے ساتھ مصنف کو یاد کریں گے، مختلف ماخذ کھنگالنے
کی زحمت اُٹھانے سے بچ جائیں گے۔ انہیں واقعاتی طور پر صحیح اور مستند مواد اس کتاب
میں میسر آئے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ مصنف کی رائے سے متفق ہوں اور نہ مصنف
نے اپنی رائے کے حتمی ہونے پر مصر ہونے کا کوئی اشارہ فراہم کیا ہے۔ مگر انہیں اس
کتاب کے سبب اپنی رائے قایم کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔

سیاست سے متعلق ابواب میں کئی باتیں ایسی ہیں جو تفصیل کے ساتھ مصنف
کی پہلی کتاب کشمیر، ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک میں بیان ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں البتہ "حرفِ نقد"
کے لہجے بدل گئے ہیں۔ مثلاً پہلی کتاب میں مصنف نے کہا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں کشمیر میں مسلم
کانفرنس کا وجود تقریباً ناموجود تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ سارا سیاسی میدان نیشنل
کانفرنس کے ہاتھ میں تھا "عہد نامۂ کشمیر" میں بات اس نکتۂ نظر سے ہٹ کر ہوئی ہے
ہمارے خیال میں کسی خاص زمانے کے حالات میں ارتقا تو ہو نہیں سکتا مگر اُن سے متعلق فکر

میں ارتقاء فطری عمل ہے۔ ارتقا معروضی اور کبھی غیر منطقی اور غیر معروضی بھی ہو سکتا ہے، لہٰذا رائے تبدیل کرنے سے کسی شخص کی ذات کا اعتبار کم نہیں ہوتا اور سیاست ہے ہی ایسا شعبہ جس میں کبھی کوئی بات حتمی نہیں ہوتی اور کوئی رشتہ آخری نہیں ہوتا مہاتما گاندھی نے برملا کہا تھا کہ گائے کے دو ٹکڑے ہوں گے مگر ہندوستان کے دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ لیکن ایسا ہوا اور پاکستان وجود میں آیا اور بفضلہٖ قائم و دائم ہے پنڈت جواہر لال نہرو نے مہاراشٹر اور پنجاب کے بارے میں تقریباً ایسی ہی رائے کا اظہار کیا تھا۔ مگر پھر بھی گجرات اور ہریانہ کی ریاستیں وجود میں آئیں۔ آر۔ ایس ایس کو چھوڑ کر ہندوستان کی تقریباً سبھی سیاسی تنظیمیں کانگریس سے کٹ کر قائم ہوئیں۔ نیشنل کانفرنس، مسلم کانفرنس کے بطن سے پھوٹی۔ سیاست میں رشتوں کے معنی بدل جاتے ہیں، تعلقات کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ اسی لئے انگریزی مقولہ ہے Politics finds strange bad fellows ۔ وادی ہی کو لیجئے، شیخ محمد عبداللہ کو اُس کے رفقائے کار نے کیسے جیل پہنچوا دیا۔ مرزا افضل بیگ کو کیسے الگ کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ اور مرحوم مولوی محمد یوسف صاحب کیسے یک جان و دو قالب کے بجائے دو جان و دو قالب ہو گئے (اس کی تفصیل "کشمیر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک" میں دیکھئے) ۱۹۷۸ء میں کیسے ادغام مخالف اور ادغام موافق دو دھڑے قائم ہوئے اور جنتا پارٹی کا وجود عمل میں آیا۔ دنیا کا کوئی راستہ ایسا نہیں جس میں موڑ نہ آتے ہوں، البتہ موڑ کب، کیسے اور کیوں کر کاٹنا ہے۔ راہنماؤں اور راہ گیروں کی صواب دید کا معاملہ ہوتا ہے۔ کبھی شخصیات کا ٹکراؤ، کبھی حالات کا جبر، کبھی عوام کی لاتعلقی، سیاسی عمل کا رخ موڑ دیتی ہے ان حقائق کا ادراک سیاسی امور میں مثبت رائے قائم کرنے کے عمل کو آسان بنا دیتا ہے، کشمیر میں عسکری تحریک ایک معجزے سے کم نہیں۔ جو کشمیری چاقو ہاتھ میں لینے سے گھبراتے تھے۔ وہ آج کلاشنکوف اور کلانکوف چلاتے ہیں۔ مگر سیاسی عقاید کی بنیاد پر ایک تنظیم سے کئی کئی تنظیمیں پھوٹیں۔ اس میں محض کچھ اشخاص کی پسند یا ناپسند کا عمل دخل نہیں رہا۔ بلکہ کئی عوامل نے مل کر اس عمل کو مہمیز کیا۔

اِن تمام امور کے پسِ منظر میں مصنّف نے بدّقتِ نظر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے ہر چند کہیں کہیں مصنّف کی اپنی ذاتی پسند یا ناپسند بین السطور میں صاف نظر آتی ہے

پھر بھی یہ بات اُن کے حق میں جاتی ہے کہ اصل واقع کو اُنہوں نے نہ تو مسخ کیا ہے نہ اُس سے صرفِ نظر کیا ہے۔

مجھے ذاتی طور پر 'عہد نامۂ کشمیر' کے مطالعہ کے دوران اس کی ایک بالکل ہی انوکھی خصوصیت کا پتہ چلا۔ وہ یہ کہ جہاں بھی مصنّف نے کسی اہم شخصیت یا واقعے پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، وہیں اُنہوں نے اپنے اسلوب کو اس طرح بدل دیا ہے کہ قاری کے ذہن میں اُس شخصیت یا واقعہ سے متعلق ایک فکری عمل انگیخت ہوتا ہے اور پھر سوال در سوال کے سلسلہ کے آغاز سے تحقیق و تجسس کی ترغیب میسر ہوتی ہے۔ میرے خیال میں کتاب کی یہ خصوصیت بہ ہمہ وجوہ قابلِ داد ہے اور بہت کم تواریخی تصانیف میں یہ وصف پایا جاتا ہے۔ مثلاً مصنّف نے موئے مقدس کی گم شدگی کا ذکر کیا ہے۔ اس ذکر میں یہ تو نہیں کہا کہ نعوذ باللہ موئے مقدس اصلی نہیں، صرف یہ اشارہ فراہم کیا کہ گم کیسے ہوا اور بازیافت کیسے کی گئی؟ مطلب کہنا یہ ہے کہ مجرم کون تھا اور اُسے پیش کیوں نہیں کیا گیا۔ اس پر سوچئے! بالواسطہ طور پر مصنّف یہ رائے قائم کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ جو لوگ موئے مقدس کو چرا کر لے گئے تھے، وہی اُسے واپس بھی لائے اب یہ آگے سیاسیات میں درک رکھنے والوں اور محققین کا کام ہے کہ وہ اس واقعہ کا تجزیہ کریں اور صحیح نتیجہ اخذ کریں، اس قسم کی بیسوں مثالیں ہیں، جن سے دل و دماغ میں ہلچل سی مچ جاتی ہے اور تجسس کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ شاید ہماری کئی مصیبتیں، تجسس اور تحقیق کے جذبوں کی کمی یا اُن سے تہی ہونے کے سبب مستقل صورت اختیار کر گئی ہیں۔ مصنّف ان جذبوں کے تاروں پر اپنے مضراب سے ارتعاش پیدا کرتا ہے۔

'عہد نامۂ کشمیر' کی ایک اور خصوصیت اس کی سادہ مگر دلربا نثر ہے مگر خواجہ صاحب نے اس مشکل کو اپنے سحر آفریں اسلوب سے رفع کیا ہے۔ یہ کتاب اچھی نثر کی عمدہ مثال ہے۔

آخر پر میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا ہوں کہ کشمیر کی سیاسیات کے پانیوں میں (پانی میں نہیں) کوئی غیر جانبدار سے غیر جانبدار آدمی بھی کچھ وقت کے لئے رہے تو وہ دامن تر کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ کچھ چھینٹیں اُس کے ملبوس جسم و جاں پر تو تھوڑا بہت رنگ جمائیں گی ہی۔ اس لئے خواجہ صاحب نے اگر کہیں اُن چھینٹوں کی نمائش کی ہے

تو یہ بات قابلِ مواخذہ نہیں، کیونکہ خواجہ صاحب کی جانب سے یہ برمحل جواب مل سکتا ہے کہ ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
بازمے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

بہرحال "عہد نامہ کشمیر" ایک بے حد اہم تاریخی دستاویز ہے جو محققین سیاسیات کے ماہرین، طالب علموں، عام قارئین، غرض ہر طبقے کے لوگوں کے لئے یکساں طور پر نشاطِ مطالعہ کا سامان فراہم کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ کے دوران متذکرہ خصوصیات کے علاوہ جس خاص پہلو پر سنجیدہ قارئین کی توجہ مبذول ہوگی وہ یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے معمول کی اور معمولی سطحوں سے بلند ہو کر بات کی ہے اور کہا ہے اور بات کے معیار اور اجزائے ترکیبی کے اعتبار سے اپنا آہنگ ترتیب دیا ہے، یہ آہنگ کہیں فولاد کی طرح سخت اور کہیں ریشم کی طرح نرم ہے، اس دلکش طرزِ نگارش میں اُن کے اندر کے مشاق صحافی نے اُن کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔

سرینگر
۲۲ر اکتوبر ۱۹۹۵ء

حکیم منظور

مشاہیرِ کشمیر

سرزمینِ کشمیر نے نہ صرف بڑے بڑے علاّمہ اور فاتح پیدا کئے بلکہ کشمیر نے ایسے عظیم دانشور بھی پیدا کئے، جن کو پوری دنیا میں شہرت حاصل ہوئی اور انہوں نے اردو، انگریزی، فارسی اور عربی زبانوں میں بے مثال مہارت حاصل کرلی اور پھر اس مہارت سے کام لیتے ہوئے بنی نوعِ انسان کی بہتری اور فلاح و بہبود کے ناقابلِ فراموش کام کئے۔ ایسے فرزندانِ کشمیر کے حالات اور اُن کی جلیل القدر خدمات تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی جاتی رہی ہے اور آج بھی محسوس کی جارہی ہے، البتہ یہاں نہایت مختصر طور پر جو کچھ درج کیا جارہا ہے، اُس کا فقط اتنا مقصد ہے کہ ان فرزندانِ کشمیر اور اور اُن کے کارناموں کو ایک تاریخی حیثیت دی جاسکے اور تاریخ کے طالبِ علم اپنے اِن فرزندانِ کشمیر کے بارے میں مزید تحقیق کر کے اُن کے مقام اور مرتبے کو اُجاگر کریں ہوسکتا ہے کہ جن مشاہیرِ کشمیر کا اس تاریخ میں مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔ اُن کے علاوہ بھی بہت سے ایسے لوگ ہوں جو اپنی زندگی میں فکر و خیال کی بلندی پر پرواز کرتے رہے اور جن کو تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔

ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ

جو فرزندانِ کشمیر بین الاقوامی شہرت کے مالک بنے

اِن میں عظیم فلسفی شاعر علاّمہ ڈاکٹر سر محمّد اقبال سرِ فہرست ہیں، جن کو نہ صرف اِس برصغیر بلکہ ایشیا، ایران، مشرقِ وسطیٰ اور یورپ میں بھی مقبولیت حاصل ہوئی۔ علاّمہ اقبال کے دادا کشمیر سے تلاشِ روزگار کے سلسلے میں سیالکوٹ جا کر آباد ہو گئے۔ اقبال کے اجداد کشمیر کے مشہور پنڈت خاندان سپرو سے تعلق رکھتے تھے۔ جو مسلمان بنے اور شیخ کہلائے۔ شیخ محمّد اقبال اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ جن کو اپنے کشمیری النسل ہونے پر بڑا فخر تھا اور اسی فخر کے ساتھ اُنہوں نے خود کو ؎

اقبالؒ

تنم گلِ زخیابانِ جنتِ کشمیر

کہہ کر اپنا تعارف کروایا۔ اقبالؔ کے دل اور دماغ پر ہمیشہ کشمیر چھایا رہا۔ اُنہوں نے بھی کشمیر کی جدوجہد آزادی میں بھرپور حصّہ لیا اور کشمیریوں کو اپنے حقوق اور مقام کا احساس دِلایا۔ علاّمہ اقبال اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے سیالکوٹ سے لاہور گئے اور پھر وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اُن کو ساری زندگی کشمیر کا درد تڑپاتا رہا اُن کو اپنے اِس وطن سے بڑا لگاؤ تھا۔ اقبالؔ کا مقبرہ لاہور پاکستان کی سب سے عظیم عبادت گاہ شاہی مسجد کے قریب ہے اور جب بھی بیرونی ممالک کے سربراہان لاہور جاتے ہیں تو وہ سب اقبال کے مقبرے پر حاضری دیتے ہیں اور پھول چڑھاتے ہیں۔ دُنیا کی تمام قومیں اُن کی عزت کرتی ہیں اُن کا احترام کرتی ہیں اور اُن کی شاعری اور فلسفے کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ کشمیر نے اور بھی بہت سے فلسفی، دانشور اور شاعر پیدا کئے جن میں غنیؔ کاشمیری، شیخ نورالدین ولیؒ، حبہ خاتون رُسل میر، وہاب کھار، مہجورؔ، عبدالاحد آزاد، آغا حشرؔ کاشمیری، آغا شورش کاشمیری جیسے وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اپنے اپنے زمانے میں علم و ادب پر اپنی چھاپ ثبت کر گئے۔ غنی کشمیری کی شہرت ایران تک پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس درویش صفت فلسفی شاعر کے کلام کی بلندی سے

غنیؔ

مُتاثر ہو کر ایک ایرانی شاعر نے غنی کشمیری سے مُلاقات کے لئے ایران سے کشمیر تک کا سفر کیا۔ تاکہ وہ غنی کشمیری کو دیکھ سکے اور اُن کے ساتھ تبادلۂ خیال کا شرف حاصل کر سکے۔ ایرانی شاعر جب اپنا طویل سفر طے کر کے سرینگر آیا تو اُس نے غنی کشمیری کے ٹھکانے کے بارے میں معلومات حاصل کیں لوگوں سے حاصل کی گئی اِن معلومات کے مُطابق جب ایرانی شاعر دو تین بار غنی کشمیری سے مِلنے اُن کے گھر گیا، تو ہر بار ایرانی شاعر نے دیکھا کہ غنی کشمیری کے گھر پر باہر سے تالا لگا ہوا ہے۔ ایرانی شاعر غنی کشمیری سے ملاقات کی کوشش کرتا رہا۔ چنانچہ ایک بار جب وہ غنی کشمیری کے گھر گیا تو گھر کا دروازہ کھُلا دیکھا۔ ایرانی شاعر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تاکہ غنی کشمیری کے ساتھ ملاقات کر سکے۔ لیکن اُسے مایوسی ہوئی کہ غنی کشمیری گھر میں نہیں تھا اور گھر میں کوئی اور بھی نہیں تھا۔ بلکہ صرف لِکھنے پڑھنے کا سامان وغیرہ بکھرا پڑا تھا۔ اس کے بعد ایرانی شاعر نے غنی کشمیری کے مِلنے والوں سے رابطہ قائم کیا اور اُن کی وساطت سے وہ غنی کشمیری کے گھر جا کر اُن سے مُلاقات کرنے میں کامیاب ہوا۔ مُلاقات کے دوران ایرانی شاعر نے غنی کشمیری سے کہا کہ وہ کئی بار اُن سے ملاقات کرنے آیا اور اکثر بار مکان کے باہر تالا لگا ہوا دیکھا اور جب کبھی گھر کا دروازہ کھُلا تھا تو گھر میں کوئی موجود نہیں تھا۔ اس کا سبب کیا ہے؟ اس پر غنی کشمیری نے مُسکراتے ہوئے ایرانی شاعر کو بتایا کہ اِس معمُولی سے گھر میں تمام تر اثاثہ اور دولت غنی کا وجُود ہے۔ اِس لئے جب وہ گھر میں ہوتا ہے تو اس اثاثے کی حفاظت کے لئے گھر کے باہر تالا لگایا جاتا ہے اور جب وہ گھر میں نہیں ہوتے تو گھر کا دروازہ کھُلا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں رہنے والے اثاثے کی عدم موجودگی میں اِس گھر کی حفاظت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایرانی شاعر اِس سے بے حد مُتاثر ہوا اور وہ غنی کاشمیری کی اِس قلندرانہ ادا کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکا۔ غنیؔ کاشمیری کی شاعری فارسی میں ہے۔ کیونکہ اُس زمانے میں یہاں فارسی سرکاری زبان تھی اور فارسی ادب کو کشمیر میں بڑا فروغ حاصل تھا۔ کہتے ہیں کہ

غنی کاشمیری کی شاعری فارسی ادب کا ایک ایسا شاہکار ہے۔ جس کی فارسی ادب میں نظیر نہیں ملتی۔ رسل میر کی کشمیری شاعری بھی اپنی مثال آپ ہے اور اس میں بھی رسل میر کی فکری بلندی کا جگہ جگہ اظہار ہوتا ہے۔ وہاب کھارا پنے دور کا ایک عظیم شاعر تھا۔ اس کے فکر و فن میں بھی بڑی بلندی تھی۔ پیرزادہ غلام احمد مہجور جدید دور کا شاعر تھا اس کی علامہ اقبال کے ساتھ مراسلت بھی تھی، مہجور نے کیا خوب کہا ہے ؎

کٲشِرٕ مشرقس بیدار کرٕ دٕزنا وٕ وقس پیٹھ
یہِ آلوِ کاشرن ہندرِن کنن منٛز واتنا دُن چھم

شیخ نور الدین ولیؒ بے مثال مرد قلندر تھے۔ وہ ایک صوفی شاعر بھی تھے اور ان کی شاعری میں انسانی زندگی کے ایسے فلسفے ہیں جو انسانی کے لئے روحانی پاکیزگی کے اسباب لئے ہوئے ہیں۔ شیخ نور الدین ولیؒ کیموہ میں ایک نو مسلم کے گھر میں تولد ہوئے اور انہوں نے اپنی شاعری میں کشمیریوں کی مذہبی، سیاسی، سماجی اور مجلسی زندگی میں اصلاح احوال کے لئے جدوجہد کی۔ اسی لئے کشمیر میں ان کو علمدار کشمیر کہا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ ان کو شیخ العالمؒ بھی کہتے ہیں اور ہر مکتب فکر کے لوگ ان کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ ان کا کلام گھروں میں پڑھا جاتا ہے۔ اس پر غور و فکر کیا جاتا ہے اور لوگ اس کلام سے آج بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، حبیبہ المعروف حبہ خاتون جسے بے پناہ خوبصورتی کی بنا پر اس کے ماں باپ زون بھی کہتے تھے۔ سرینگر سے تقریباً پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر پانپور قصبے کے قریب ژندہ ہار گاؤں میں سولہویں صدی کے وسط میں پیدا ہوئی۔ والدین نے اسے زیور تعلیم سے بھی آراستہ کیا۔ بچپن سے ہی اس کا رجحان

شاعری کی طرف راغب تھا۔ باپ نے اس کی شادی ایک کسان نوجوان کے ساتھ کر دی لیکن شاعرہ ہونے کی لگن میں اس کا ان پڑھ کسان کے ساتھ نبھاہ نہیں ہو سکا اور طلاق ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ بلند آواز میں اپنا کلام الاپ رہی تھی کہ ادھر سے اچانک کشمیر کے بادشاہ یوسف شاہ چک کا گزر ہوا اور وہ حبہ خاتون کے کلام سے اس قدر مسحور ہوا کہ اس نے حبہ خاتون کے باپ سے اس شاعرہ کے ساتھ شادی کی استدعا کی اور پھر اسے بیاہ کر اپنے محل میں لے آیا اور حبہ خاتون بادشاہ کی ملکہ بن گئی۔ حبہ خاتون کے کلام میں فکر کی پرواز اتنی بلند تھی کہ گھر گھر میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ اور اس کی شاعری کا ایک بڑا حصہ لوک گیت بن گئے۔ تاریخی کتب میں لکھا ہے کہ حبہ خاتون بڑی دانا تھی اور بادشاہ اس کی دانائی سے بہت متاثر تھا۔

وہاب کھار — حبہ خاتون

کشمیر نے ایسے عالم، فاضل، واعظ اور مبلغ بھی پیدا کئے۔ جن کو آج بھی کشمیر کے اندر اور بیرونی ممالک میں بڑا احترام حاصل ہے اور مختلف قومیں کشمیری عالموں سے نہ صرف متاثر ہیں، بلکہ علمی دنیا میں ان سب کو بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

علاّمہ انور شاہ کاشمیری

مولانا محمدؐ انور شاہ کاشمیری کشمیر کے علاقہ لولاب میں اکتوبر ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے اُن کے والد کا نام پیر محمدؐ معظم شاہ اور والدہ کو مالہ دید کہا جاتا تھا۔ موصوف اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے کشمیر سے باہر گئے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے بعد واپس کشمیر آئے اور وعظ و تبلیغ شروع کر دی۔ کچھ مدت کشمیر میں رہنے کے بعد حصولِ تعلیم کے لئے دیوبند گئے، جہاں فاضلِ دیوبند ہونے کے بعد اُنہوں نے بڑی شہرت حاصل کی اور پھر اسی دارالعلوم میں درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ اُنہوں نے اپنے سفرِ حجاز کے دوران اپنی علمی صلاحیتوں کا سِکہ جمایا، جہاں اُن کو بڑی احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ مولانا انور شاہ کاشمیری جامع ازہر بھی گئے، جو اسلامی دُنیا میں اپنی نوعیت کی واحد یونیورسٹی ہے۔ پوری اسلامی دُنیا میں اُن کے اثر اور انقلابی عزائم کی پاداش میں مولانا انور شاہ کاشمیری کو قاہرہ سے جزیرۂ مالٹا میں لے جا کر نظر بند کر دیا گیا۔ جہاں دو سال نظر بند رہنے کے بعد جون ۱۹۲۰ء میں وہ واپس ہندوستان آئے اور دوبارہ دیوبند میں مقیم ہو گئے اور زندگی کے آخری وقت تک دیوبند ہی میں قیام کیا۔ مولانا انور شاہ کاشمیری اس برِصغیر کے ممتاز عالموں اور مفکروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ اپنے زمانے کے علما میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ چنانچہ اُن کی اپنی وصیت کے مطابق اُن کا مقبرہ بھی دیوبند میں ہی ہے۔

خواجہ عبدالکریم کشمیری

شہرت یافتہ مورّخ جی، ایم، ڈی صوفی نے کشمیر کے لوگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی صلاحتیں ہمیشہ عروج پر رہی ہیں اور کشمیر نے جو بڑے لوگ پیدا کیے ہیں اُن میں سے خواجہ عبدالکریم کشمیری نے اپنا زیادہ تر وقت کشمیر سے باہر گزارا۔

خواجہ عبدالکریم کشمیر میں شہر کی عیدگاہ کے قریب مولوی عبداللہ کے گھر پیدا ہوئے وہ ایک دانش مند اور ذہین شخصیت کے مالک تھے۔ خواجہ عبدالکریم کشمیری فریضۂ حج پر جانے کے لیے اُن ایّام میں دہلی پہنچے، جب نادر شاہ دُرّانی دہلی پر قبضہ کر چکا تھا۔ چونکہ مکّہ معظمہ جانے کے لیے اُس زمانے میں راہ داری کا پروانہ ایرانی حکومت سے حاصل کیا جاتا تھا۔

اس لیے کشمیری دانشور نادر شاہ دُرّانی کے دربار میں حاضر ہوا اور اپنی خواہش بیان کی تاکہ اُسے راہداری کا پروانہ مل سکے۔ نادر شاہ دُرّانی نے اس مختصر ملاقات کے دوران ہی یہ بھانپ لیا کہ جو شخص ان سے ملاقات کے لیے آیا ہے اور جو مکّہ معظمہ جانے کے لیے راہداری کا پروانہ چاہتا ہے ایک غیر معمولی ذہانت کا شخص ہے۔ چنانچہ نادر شاہ نے خواجہ عبدالکریم کشمیری کو اپنے ہمراہ ایران لے جانے کا فیصلہ کیا اور وہاں اُسے حکومت میں ایک اعلیٰ عہدہ دینے کی پیش کش کی۔ جسے خواجہ عبدالکریم کشمیری نے اس شرط پر قبول کر لیا کہ اُسے فریضۂ حج ادا کرنے کا موقع اور سہولت دی جائے گی۔

کشمیری دانشور نادر شاہ دُرّانی کے ساتھ ایران گیا جہاں اس نے اپنی عقل وفراست

کا سکہ بٹھا دیا، جس پر نادر شاہ دُرّانی نے اسے ایران کے امورِ خارجہ کا وزیر مقرر کیا۔ نادر شاہ دُرّانی نے انہیں اپنے خصوصی ایلچی کے طور پر ترکی کے سلطان کے پاس بھیجا اور خواجہ عبدالکریم کشمیری نے ترکی میں چند روزہ قیام کے دوران ہی ایران اور ترکی کے درمیان تمام تصفیہ طلب مسئلے حل کروا لیے۔

اس کے بعد واپسی پر نادر شاہ دُرّانی نے اُسے بغداد اور دمشق جا کر ایران کے ساتھ اُن کے معاملات طے کرنے کی ذمّہ داری سونپی۔ جسے اُس نے بڑی خوبی سے انجام دیا۔ اِن خدمات کے بعد نادر شاہ دُرّانی نے ایک ایرانی مبلغ محمد ہاشم کے ساتھ اُنکو فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکّہ معظمہ بھیجا۔

فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد خواجہ عبدالکریم کشمیری جدّہ سے سیدھا ہندوستان آیا جہاں کچھ عرصہ یورپ کے سیّاحوں کے ساتھ گذارا۔ جس کے بعد وہ وطن واپس آگیا یہاں آکر اس نے اپنے سفر کے تجربات قلمبند کرنا شروع کر دیئے۔ اس نے اپنی یادداشتیں فارسی میں لکھی ہیں، جسے فارسی ادب کا ایک نادر نسخہ سمجھا جاتا ہے۔

خواجہ عبدالکریم کشمیری نے اُس عہد کے ایران اور اُن عرب ملکوں کے اپنے مشاہدات کچھ اس طرح قلمبند کیے ہیں کہ پڑھنے والا خود کو کبھی نادر شاہ کے دربار میں بیٹھا ہوا محسوس کرتا ہے اور کبھی بغداد اور دمشق کے تاریخی مقامات کا حال احوال پڑھ کر خود بھی ان مقامات کی زیارت کرنے کی تمنا کرنے لگتا ہے۔

خواجہ عبدالکریم کشمیری نے نادر شاہ کے تخت اور اُس کے دربار کا خاکہ صرف چار صفحوں میں اس طرح پیش کیا ہے کہ یہ چار صفحے ایک طویل داستان کا خلاصہ محسوس ہوتے ہیں۔ خواجہ عبدالکریم نے اپنی تصنیف میں بتایا ہے کہ تختِ نادر شاہی کے قریب وہ تختِ طاؤس بھی رکھا ہوا تھا جو نادر شاہ دِلّی سے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس بڑے ہال میں کچھ دوسرے شاہی تخت بھی تھے جو اُن ملکوں کے بادشاہوں کے تھے، جن

جن ملکوں کے خلاف نادر شاہ درّانی نے فوج کشی کی تھی۔

خواجہ عبدالکریم کشمیری کی ان یادداشتوں کی تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر ایک انگریز مصنّف فرانسس گلیڈون نے ان کا ۱۷۹۳ء میں ترجمہ کر کے لندن سے شائع کیا ہے ان یادداشتوں میں وہ دستاویز خاص طور پر قابلِ ذکر قرار دی جاتی ہے، جس میں ۱۷۳۹ء سے ۱۷۴۹ء تک ایران اور ہندوستان میں رونما ہونے والے تاریخی واقعات درج ہیں۔

کشمیر کی سیاسی، عسکری اور مذہبی تنظیمیں

مسلم کانفرنس: جسے ۱۹۳۱ء میں قائم کیا گیا تھا اور جس کو ہر دور میں کسی نہ کسی طرح قائم رکھا گیا۔ میرواعظ مولانا محمد یوسف، شیخ محمد عبداللہ اور چودھری غلام عباس اس کے باری باری صدر رہ چکے ہیں۔ آجکل مسلم کانفرنس کے سربراہ سوپور کے رہنے والے پروفیسر عبدالغنی ہیں۔

نیشنل کانفرنس: جسے ۱۹۳۸ء میں قائم کیا گیا تھا۔ ۱۹۵۳ء کی وزارتی تبدیلی کے بعد بخشی غلام محمد ۱۹۶۴ء میں اپنے انتقال تک اس کے سربراہ رہے، ۱۹۷۵ء میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے اسے پھر زندہ کیا، البتہ ۱۹۹۰ء میں کشمیر میں مسلح جدوجہد کے بعد نیشنل کانفرنس اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکی۔ آج کل شیخ محمد عبداللہ کے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ اس کے صدر ہیں جو زیادہ تر کشمیر سے باہر رہتے ہیں اور کبھی کبھار فوجی اور نیم فوجی دستوں کے پہرے میں ہی سرینگر آتے جاتے ہیں۔

جماعتِ اسلامی: کشمیر کی ایک سیاسی اور مذہبی جماعت ہے، جو ۱۹۴۹ء میں قائم کی گئی جس کے ابتدائی سربراہ پیر سعدالدین تھے، جماعتِ اسلامی کو اس کے سیاسی رہنما سیّد علی گیلانی نے سیاسی طور پر موثر بنا دیا۔ جماعتِ اسلامی نے کشمیر میں تعلیمی میدان میں ٹھوس خدمات انجام دیں اور آج کل اس کے امیر شوپیان کے مولانا حکیم غلام نبی ہیں۔

پولیٹیکل کانفرنس: اسے بٹہ مالو کے خواجہ غلام محی الدّین قرّہ نے جون ۱۹۵۳ء میں قائم کیا تھا۔ جس کا نصب العین کشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق تھا۔ ۱۹۷۷ء میں خواجہ غلام محی الدّین قرّہ کے جنتا پارٹی میں شامل ہوجانے کے بعد کچھ

نوجوانوں نے پولیٹیکل کانفرنس قائم رکھی جبکہ خواجہ غلام محی الدّین قرّہ ۱۹۷۷ء میں عملی سیاست سے دستبردار ہو گئے۔ وہ کشمیر کی سیاسی تحریک کے ایک معمّر لیڈر رہیں اور آجکل اپنے گھر پر خاموشی سے زندگی گزار رہے ہیں۔

کانگریس ۱۹۶۴ء میں خواجہ غلام محمد صادق نے برسر اقتدار آنے کے بعد کشمیر میں آل انڈیا کانگریس قائم کر لی۔ ابتداء میں سید میر قاسم اس کے صدر بنے۔ خواجہ غلام محمد صادق کی وفات کے بعد مفتی محمد سعید، غلام رسول کار اور محمد شفیع قریشی کشمیر کانگریس کے سربراہ بنائے گئے، آجکل غلام رسول کار اس کے صدر ہیں۔

عوامی ایکشن کمیٹی: جسے ۱۹۶۴ء میں میرواعظ مولانا محمد فاروق نے قائم کیا۔ وہ اس کے بانی صدر تھے اور انھوں نے اس پارٹی کو کشمیر میں اور کشمیر سے باہر متعارف کروایا۔ ۱۹۹۰ء میں میرواعظ مولانا فاروق کو قتل کیے جانے کے بعد اُن کے فرزند مولوی عمر فاروق اس کے صدر بنائے گئے۔ جو آجکل کُل جماعتی حرّیت کانفرنس کے بھی سربراہ ہیں۔

پیپلز کانفرنس ہندوارہ کے خواجہ عبدالغنی لون نے ۱۹۷۸ء میں قائم کی، پیپلز کانفرنس قائم کرنے کے بعد خواجہ عبدالغنی لون کو بار بار گرفتار کر کے جیل بھیجا جاتا رہا۔ آجکل اپنی اس پارٹی کو انھوں نے کل جماعتی حریت کانفرنس کی ایک اکائی بنا رکھا ہے۔

پیپلز پولیٹیکل فرنٹ: طویل نظر بندی اور جیل سے رہائی کے بعد فضل الحق قریشی، محمد مصدّق عادل اور اُن کے رفقار نے ۱۹۹۳ء میں پیپلز پولیٹیکل فرنٹ قائم کیا اور کشمیر کے سیاسی حل کے لیے جدوجہد شروع کی۔

انجمن اتحاد المسلمین خانقاہ سوختہ سرینگر کے مولانا عباس انصاری نے قائم کی ہے اور وہ اِسے سیاسی اور مذہبی جماعت قرار دیتے ہیں اور خود اس کے سربراہ ہیں۔

محاذ اسلامی: سرینگر کے ڈاکٹر سیّد عنایت اللہ اندرابی نے "محاذ اسلامی" نام سے ایک نئی جماعت کا قیام عمل میں لایا جس کے وہ خود سربراہ ہیں اور جس کا مقصد کشمیر کی موجودہ جدوجہد کو اسلامی انقلاب بپا کرنے کے لئے جاری رکھنا ہے۔

خلافت اسلامیہ: ایسے اسلام پسند نوجوانوں نے قائم کی جو اسلامی دُنیا میں خلافت اسلامیہ قائم کرنے کے متمنی ہیں۔ اس تنظیم کے بیانات اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں اور اسے بعض علماء کی سرپرستی حاصل ہے۔ ان علماء میں جمعیت المجاہدین کے ناصر الاسلام بھی شامل تھے جو خلافت اسلامیہ کیلئے جدوجہد کو اپنا مقصد بتاتے تھے۔

اسلامک سٹیڈی سرکل: اسلام پسند دانشوروں کا ایک ایسا ادارہ ہے جو آزادی کی جدوجہد کے سلسلے میں کتابیں پمفلٹ اور دوسرا لٹریچر شائع کرتا رہتا ہے۔ اس میں زیادہ تر اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان شامل ہیں۔

مسلم خواتین مرکز: تعلیم یافتہ خواتین کی ایک ایسی تنظیم ہے۔ جو آزادی کی جدوجہد میں اپنا رول ادا کر رہی ہے۔ ایک طویل مدت تک بختاور نامی خاتون اس تنظیم کی سربراہ بتائی جاتی رہی ہیں۔

لبریشن کونسل: ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے لبریشن کونسل کے نام سے ایک تنظیم قائم کر لی جس کا بعد میں مولوی عباس انصاری کو سرپرست اعلیٰ بنایا گیا۔ لبریشن کونسل کا مقصد ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی سیاسی حمایت کے لئے زمین استوار کرنا بتایا گیا۔

خواتین کشمیر: ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی حمایت اور اس مقصد کے لئے خواتین کو منظم کرنے کی خاطر بعض خواتین نے "خواتین کشمیر" نام سے تنظیم قائم کی۔

پیپلز لیگ: ۱۹۷۵ء میں الفتح تنظیم کے اُن نوجوانوں نے قائم کی، جن کی قیادت تارہ بل سرینگر کے نذیر احمد وانی کر رہے تھے، جو بہت سے زیر تعلیم اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے باعثِ کشش بنی اور جس نے کشمیر کی آزادی کے لیے اپنی جدوجہد مسلسل جاری رکھی۔ آجکل اس کے سربراہ شبیر احمد شاہ ہیں۔

کل جماعتی حریّت کانفرنس: جسے ۱۹۹۳ء میں ایک مشترکہ پلیٹ فارم کی حیثیت میں قائم کیا گیا۔ اس میں تقریباً ۳۲ سیاسی، مذہبی اور سماجی تنظیمیں شامل ہیں، آج کل اس کے سربراہ میرواعظ مولوی عمر فاروق ہیں۔ حریّت کانفرنس کو کشمیری عوام کی نمائندہ جماعت تسلیم کیا گیا اور اسی بنا پر حریّت کانفرنس کو مراکش کے شہر کاسابلانکا میں دسمبر ۹۴ء میں پچاس اسلامی ملکوں کی سربراہ کانفرنس میں شمولیت کی دعوت دی گئی، اس دعوت پر حریّت کانفرنس کے صدر مولوی عمر فاروق اور مولوی عباس انصاری کاسابلانکا گئے جہاں اسلامی ملکوں کے سربراہوں کو کشمیر کی صورتِ حال اور اس مسئلے کو حل کروانے کے سلسلے میں بات چیت کی۔

محاذِ آزادی: جسے سوپور کے صوفی محمد اکبر نے ۱۹۷۵ء میں قائم کیا تھا اور جس کو انھوں نے اُس محاذِ رائے شماری کی جانشین پارٹی قرار دیا تھا۔ جس محاذِ رائے شماری کو ۱۹۷۵ء میں محاذ کے لیڈروں نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد ختم کر دیا تھا۔

کشمیر کی عسکری تنظیمیں

جموں کشمیر لبریشن فرنٹ: جسے ترہگام کشمیر کے مقبول بٹ نے قائم کیا وہ کشمیر کی آزادی کے لیے مسلح جدوجہد میں یقین رکھتے تھے ۱۹۸۸ء میں سرائے بالا سرینگر کے اشفاق مجید وانی، مائسمہ سرینگر کے محمد یاسین ملک، بٹہ مالو سرینگر کے شیخ عبدالحمید اور چوٹہ بازار سرینگر کے جاوید احمد میر اور ان کے بہت سے ساتھیوں نے مقبُول بٹ، جسے تہاڑ جیل دہلی میں ہندوستانی حکومت نے پھانسی دی تھی۔

کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کشمیر میں مسلح جدوجہد کی باقاعدہ ابتدا کی۔ ابتدائی ایام میں لبریشن فرنٹ کے جھنڈے تلے جدوجہد کرنے والوں کو حاجی گروپ کہا جاتا تھا، جس میں ح سے حمید، ا سے اشفاق، ج سے جاوید، ی سے یاسین شامل تھے۔ اشفاق مجید وانی کے جاں بحق، محمد یاسین ملک کے گرفتار ہو جانے کے بعد جاوید احمد میر جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے قائم مقام صدر بنائے گئے۔ اور چار سال کی نظر بندی کے بعد اپنی رہائی پر محمد یاسین ملک دوبارہ اس پارٹی کے صدر بنائے گئے۔

آج کل وہی اس کے صدر ہیں۔

حزب المجاہدین: جماعتِ اسلامی کے سنور کلی پورہ کے محمد اشرف ڈار اور ان کے رفقاء نے حزب المجاہدین نام سے عسکری تنظیم قائم کی جس کے ساتھ جماعتِ اسلامی کے حامی اور ہمدرد وابستہ ہو گئے، جس کی بنا پر حزب المجاہدین ایک طاقتور عسکری تنظیم بن گئی اور اس نے مسلح جدوجہد میں سب سے زیادہ قربانیاں پیش کیں۔ ابتدا میں پٹن کے ماسٹر محمد احسن ڈار حزب المجاہدین کے چیف کمانڈر تھے، بعد میں ان کو برطرف کر کے سوئیبگ کشمیر کے محمد یوسف شاہ کو سید صلاح الدین احمد کے نام سے اس تنظیم کا سپریم کمانڈر بنایا گیا جو آج بھی اس کے سپریم کمانڈر ہیں۔

جمعیت المجاہدین: جب حزب المجاہدین کو باقاعدہ طور پر جماعت اسلامی کی عسکری ونگ قرار دیا گیا تو حزب المجاہدین کے امیر بیروہ کے ہلال احمد المعروف ناصر الاسلام اور ان کے رفقاء نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کر کے جمعیت المجاہدین قائم کر لی۔ ناصر الاسلام کے جاں بحق ہونے پر پروفیسر مولوی عبد الحق کو جمعیت کا سربراہ بنایا گیا جو آج بھی اس کے سربراہ ہیں

سٹوڈنٹس لبریشن فرنٹ: جسے ہلال احمد بیگ نے قائم کیا۔ دو سال بعد اس کا اخوان المسلمین نام رکھا گیا جس کے ہلال احمد بیگ سربراہ تھے۔

حزب اللہ: بٹہ مالو کے مشتاق احمد بٹ عرف مشتاق الاسلام نے حزب اللہ نام کی عسکری

تنظیم قائم کی جس کے وہ خود سربراہ تھے اور جس میں بہت سے ہتھیار بند کشمیری نوجوان شامل تھے۔ انھوں نے اس تنظیم کی سیاسی ونگ مسلم لیگ کا قیام بھی عمل میں لایا اور طلباء کی مسلم سٹوڈنٹس بھی قائم کی۔

سکیورٹی فورسز نے ایک اچانک چھاپے کے دوران ۱۹۹۲ء میں مشتاق الاسلام کو گرفتار کر لیا۔ وہ آجکل تہاڑ جیل دہلی میں نظر بند ہیں اور اُن کی عسکری تنظیم برابر سرگرم ہے۔

العمر مجاہدین: جامع مسجد سرینگر کے مشتاق احمد زرگر جو ابتدا میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے ایک کمانڈر تھے، نے فرنٹ سے علیحدگی اختیار کر کے العمر مجاہدین قائم کر لی، وہ اس تنظیم کے چیف کمانڈر ہیں اور آجکل تہاڑ جیل میں نظر بند ہیں۔ العمر مجاہدین کو وادی میں قابلِ ذکر حد تک شہرت حاصل ہے۔

مسلم جانباز فورس: پیپلز لیگ میں شبیر احمد شاہ کے رفقاء اور حامیوں نے مسلم جانباز فورس قائم کی، جبکہ پیپلز لیگ کے دوسرے اراکین نے جہاد فورس کو منحد کر کے الجہاد نامی تنظیم قائم کر لی گئی۔ جس کا سربراہ پانپور کے شیخ عبد العزیز کو بنایا گیا، کچھ عرصہ بعد الجہاد میں پھوٹ پڑ گئی اور اس کے بعض اراکین نے دوبارہ جہاد فورس اور بعض نے مسلم جانباز فورس قائم کر لی۔

اللہ ٹائیگرز: ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے اللہ ٹائیگرز قائم کی، جس نے کشمیر میں شراب کی خرید و فروخت اور تمام سینما بند کروا دیئے۔ ویڈیو لائبریریوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس کام میں نور خان نامی ایک نوجوان نے جو خود کو ایئر مارشل کہتا تھا، بڑا اہم رول ادا کیا۔

البرق: بیروہ کشمیر کے ایڈووکیٹ بلال احمد لودھی نے البرق عسکری تنظیم قائم کی جس نے کشمیر کے مختلف علاقوں میں سکیورٹی فورسز کے ساتھ معرکہ آرائیوں میں شہرت حاصل کی۔

بلال احمد لودھی کو اُوڑی کے قریب ایک معرکہ آرائی کے دوران گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔ ۱۹۹۴ء کے آخر میں اُن کو رہا کر دیا گیا اور وہ آجکل برابر سرگرم ہیں۔

دخترانِ ملّت : سرینگر کی ایک خاتون سیدہ آسیہ اندرابی نے مسلح جدوجہد سے کچھ مدت پہلے ہی دخترانِ ملّت قائم کی جسے ۱۹۹۰ء میں خلافِ قانون قرار دے دیا گیا اور جس کے باوجود دخترانِ ملّت نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس تنظیم نے اسلامی معاشرے کے قیام اور خواتین کو منظم کرنے کی جدوجہد جاری رکھی۔ ۱۹۹۳ء کے ابتدا میں سرینگر ایئرپورٹ پر آسیہ اندرابی اُن کے سات ماہ کے بچے اور خاوند محمد قاسم کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا، تقریباً ڈیڑھ سال بعد آسیہ اندرابی کو ان کے بچے سمیت رہا کر دیا گیا اور وہ آج کل برابر سرگرم ہیں۔

تحریک المجاہدین : ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے تحریک المجاہدین عسکری تنظیم قائم کی جس نے عسکری جدوجہد میں حصہ لیا اور جو خود کو ہندوستان کے ایک نامور عسکری رہنما سید احمد بریلوی کی قائم کی گئی تحریکِ مجاہدین کی جانشین قرار دیتی ہے۔ پروفیسر سلیم اس کے چیف کمانڈر ہیں۔

حرکت الانصار : کشمیر میں عسکری کارروائیاں کرنے والی حرکت المجاہدین نے اپنا نام تبدیل کر کے حرکت الانصار کے نام سے تنظیم قائم کر لی۔ جسے ایک بین الاقوامی عسکری تنظیم کی کشمیر میں ایک شاخ بنایا گیا اور جس میں زیادہ تر اسلام پسند نوجوان شامل ہیں۔

مسلم مجاہدین : ماسٹر محمد احسن ڈار نے جو ابتدا میں حزب المجاہدین کے چیف کمانڈر تھے، جب مسلم مجاہدین نام کی عسکری تنظیم قائم کی تو العمر کمانڈوز جسے العمر مجاہدین کے ایک کمانڈر شبیر احمد زرگر نے قائم کیا تھا مسلم مجاہدین میں شامل ہو گئی اور مشترکہ جدوجہد شروع کر دی، آجکل اس کا چیف کمانڈر بلال احمد صدیقی ہے اور اسے مسلم کانفرنس کی عسکری ونگ خیال کیا جاتا ہے۔

حزب المومنین : ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے ایک گروہ نے حزب المومنین عسکری تنظیم قائم کی، جس نے سکیورٹی فورسز کے خلاف عسکری جدوجہد

شروع کر دی اور جس کا آجکل سربراہ گلشن عباسی ہے۔

حرکت المومنین : اس نام سے بھی ایک عسکری تنظیم قائم کی گئی، جس نے اپنے طور پر جدوجہد شروع کی ہے۔

اوپریشن بالاکوٹ : محاذِ آزادی کے سربراہ الطاف احمد المعروف محمد اعظم انقلابی نے اوپریشن بالاکوٹ نام کی ایک تنظیم قائم کی۔ محمد اعظم انقلابی سرحد پار جا کر ہتھیاروں کی تربیت حاصل کر آئے تھے، لیکن چند ماہ کشمیر میں قیام کے بعد واپس پاکستان چلے گئے اور ۱۹۹۴ء کے آخر میں پھر کشمیر آگئے اور انھوں نے عسکری کے بجائے سیاسی جدوجہد دوبارہ شروع کر دی اور پھر سے محاذِ آزادی کا چارج سنبھال لیا۔

اس کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً درجنوں عسکری تنظیمیں قائم کی جاتی رہی ہیں جن کی پچاس سے زیادہ تعداد تھی جو الگ الگ عسکری کارروائیاں کرتی تھیں۔ تاہم وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اُن کا وجود قائم نہیں رہا، جن میں مصطفےٰ ٹائیگر، مجاہدین فی الاسلام، مجاہدین اسلام، کشمیر فریڈم مومنٹ، پاسبانِ اسلام، المجاہد، ضیاء ٹائیگر، حزبِ اسلامی، المدد یلغار علی اور دوسرے ناموں سے بنائی گئی عسکری تنظیمیں بھی شامل تھیں۔

مذہبی تنظیمیں

جماعتِ اسلامی : جس نے تبلیغ کے شعبے میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا اور سینکڑوں مدرسے قائم کیے، جن کے وجود کو اپنے لیے خطرہ سمجھ کر حکومت نے ان سب پر پابندی عائد کر دی۔ ان کے اثاثے اور اسکول ضبط کر لیے اور اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے مدرسے دوسرے ناموں کے تحت قائم رکھے گئے۔

انجمن تبلیغ الاسلام : دیوبند کے فاضل مولانا قاسم شاہ بخاری نے تبلیغ الاسلام نام سے انجمن قائم کی۔ جس نے تبلیغ کے علاوہ درس گاہیں بھی کھولیں۔ مولانا قاسم شاہ بخاری اس تنظیم کے سربراہ ہیں۔

اسلامک سٹوڈنٹس لیگ

کشمیر کے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے اسلامک سٹوڈنٹس لیگ نام کی ایک تنظیم قائم کی جس میں تعلیم یافتہ نوجوان شامل ہوتے رہے اور کشمیر کی آزادی کے لیے جد و جہد کرتے رہے۔ کشمیر میں جو عسکری قائدین ہیں ان میں سے بہت سے اسلامک اسٹوڈنٹس لیگ میں شامل رہے۔ حکومت نے اسے خلافِ قانون قرار دے دیا تاہم لیگ نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں، اس کے سرپرست اعلیٰ شکیل احمد بخشی کی گرفتاری کے بعد مسلم متحدہ محاذ کے ایک سابق سکریٹری جنرل ڈاکٹر غلام قادر وانی کو سرپرست اعلیٰ بنایا گیا۔

انجمن نصرت الاسلام

کشمیر کا ایک قدیم مذہبی ادارہ ہے جو وعظ و تبلیغ کے علاوہ تعلیمات کے شعبے میں نصف صدی سے زیادہ مدّت سے کام کر رہا ہے۔ سرینگر میں اسلامیہ کالج، اسلامیہ ہائی سکول اور اورینٹل کالج اور دوسرے کئی تعلیمی ادارے اسی انجمن کی کوششوں سے وجود میں آئے، جس کے میر واعظانِ کشمیر سربراہ رہے اور آج میر واعظ مولوی عمر فاروق سربراہ ہیں۔

اُمّتِ اسلامی

کشمیر کے اسلام آباد قصبے میں ایک فاضل استاد اور میر واعظ جنوبی کشمیر ڈاکٹر قاضی نثار نے اُمّتِ اسلامی نام سے جو ادارہ قائم کیا۔ اُس نے اسلام آباد میں سیاسی، سماجی اور مذہبی شعبوں میں قابلِ قدر کام جاری رکھے ہیں۔ اس انجمن کے تحت بھی کئی چھوٹے بڑے سکول اور درسگاہیں چل رہی ہیں۔

انجمن معین الاسلام

سوپور میں انجمن معین الاسلام تبلیغ کے علاوہ تعلیمی شعبے میں بھی خدمات انجام دے رہا ہے، اس انجمن کے تحت دوسرے تعلیمی اداروں کے علاوہ لڑکیوں کا ایک ہائی سکول بھی قائم ہے اور سوپور قصبے میں اس انجمن کا بڑا اثر ہے۔

اِن مذہبی اداروں کے علاوہ بہت سی درجنوں تبلیغی اور تعلیمی انجمنیں بھی قائم کی گئی ہیں۔ جن میں جمعیتِ اہلحدیث کے تعلیمی ادارے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اور جن میں سیکڑوں کشمیری نوجوانوں نے تربیت حاصل کی ہے۔

جمعیتِ اہلِ حدیث

کا صدر دفتر یعنی ہیڈ کوارٹر بربر شاہ کے قریب ایک بڑی اور وسیع عمارت میں قائم ہے۔ سارے کشمیر میں جمعیت کی شاخیں ہیں اور جمعیت کے اہتمام سے بہت سی مسجدیں بھی تعمیر کی گئی ہیں، جو سرینگر کے علاوہ تمام اہم قصبوں میں دکھائی دے رہی ہیں۔

مرکزِ محمدیہؐ

مولوی سلیم جاوید نے مرکزِ محمدیہؐ نام سے اپنی جماعت قائم کی، جس کے وہ خود سربراہ ہیں۔

جمعیت نے اپنی تمام تر سرگرمیاں تبلیغ و تعلیم کے لیے وقف رکھی ہیں اور وہ سیاست میں کوئی حصّہ نہیں لیتی۔ جمعیت کے کئی خیراتی ادارے بھی ہیں اور اس میں کشمیر کے بہت سے سرکردہ عالم مصروف کار ہیں۔

اہلِ سنّت والجماعت

حنفی مسلک کے مسلمانوں کی اہلِ سنّت والجماعت نامی تنظیم جس کا ہیڈ کوارٹر نور باغ میں ہے وعظ و تبلیغ کے علاوہ بہت سی درس گاہیں اور خیراتی ادارے قائم کر رکھے ہیں، جن کا دائرہ سرینگر کے علاوہ کشمیر کے دوسرے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔

جمعیتِ ہمدانیہ

مولانا احمد اللہ ہمدانی مرحوم نے جمعیتِ ہمدانیہ کے نام سے قائم کی ہے۔ جمعیتِ ہمدانیہ وعظ و تبلیغ کے علاوہ سیاست میں بھی حصّہ لیتی ہے۔ جمعیت ہمدانیہ کے صدر مولوی محمد یاسین ہمدانی نیشنل کانفرنس کے ممبر اسمبلی بھی تھے۔ خانقاہ معلّی سرینگر اور کیلاش پورہ سرینگر اس کے اہم مرکز ہیں مولوی یاسین ہمدانی کی وفات کے بعد اُن کے فرزند مولوی ریاض احمد ہمدانی جمعیت ہمدانیہ کے سربراہ ہیں۔

انجمن شرعی شیعان

بڈگام کے آغا صاحبان نے انجمن شیعان قائم کی۔ ۱۹۸۲ء سے انجمن شرعی شیعان کشمیر کے ۲ دو صدر کام رہے ہیں۔ ایک ہیں آغا سیّد مصطفیٰ الموسی العفوی اور دوسرے ہیں آغا سیّد محمد فضل اللہ الموسی العفوی ہیں۔

الجہاد

پیپلز لیگ کے کچھ حامیوں نے مُسلم جانباز فورس نام کی تنظیم قائم کی اور لیگ کے کچھ حامیوں نے جہاد فورس قائم کرلی۔ کچھ عرصہ بعد پانپور کے شیخ عبدالعزیز کی سربراہی میں قائم کی گئی

حامیوں نے جہاد فورس قائم کرلی۔ کچھ عرصہ بعد پانپور کے شیخ عبدالعزیز کی سربراہی میں قائم کی گئی

جہاد فورس عسکری تنظیم اور مُسلم جانباز فورس کو متحد کرکے اس کا نام الجہاد رکھا گیا۔ جب الجہاد کے سربراہ شیخ عبدالعزیز کو گرفتار کرکے جیل بھیجدیا گیا تو اُس کے کچھ عرصہ بعد دوبارہ جہاد فورس اور مُسلم جانباز فورس قائم کرلی گئی۔ الجہاد بھی قائم رہی اور اُس کے کچھ حامیوں نے اپنی الگ تنظیم الفتح فورس قائم کرلی۔ کشمیر میں قائم کی گئی بیشتر عسکری تنظیموں میں بار بار تبدیلی ہوتی رہی۔ اخوان المسلمین کے نذیر اخوانی نے جب اس تنظیم کے سربراہ ہلال بیگ کو اُس کے عہدے سے برطرف کردیا اور خود اس تنظیم کا سربراہ بن گیا تو ہلال بیگ کے حامیوں نے الاخوانُ المُسلمُون نام کی تنظیم قائم کرلی اور جمشید شیرازی المعروف کوکر پرے نام کے ایک شخص کو اس کا سربراہ بنادیا۔ اسی طرح اگست ۱۹۹۵ء میں البرشن فرنٹ کے کچھ حامیوں نے شبیر احمد صدیقی کی سربراہی میں اپنی الگ تنظیم قائم کرلی جسے پاکستان میں مقیم امان اللہ خان کی حمایت حاصل تھی۔ اس اقدام کے جواب میں البرشن فرنٹ کے صدر محمد یٰسین ملک نے امان اللہ کو فرنٹ کے چیئرمین کے عہدے سے برطرف کردیا اور لبرشن فرنٹ کے حامیوں نے محمد یٰسین ملک کو چیئرمین بنادیا۔ ان کو کُل جماعتی حریّت کانفرنس کی حمایت حاصل تھی۔

بزم توحید

کشمیر کے ایک سرکردہ عالم مولانا غلام نبی مُبارکی نے بزم توحید قائم کی اس بزم کا کام وعظ و تبلیغ ہے۔ مولانا غلام نبی مُبارکی کی وفات کے بعد اُن کے فرزند بزم توحید کے سربراہ بنائے گئے۔ اس کا صدر دفتر نوری کدل کے قریب ایک بڑی اور وسیع مسجد میں قائم ہے۔

حُدُودِ اَربعہ، وَسائل اَور ذرائع

کشمیر جسے بعض دانشوروں نے جنّتِ ارضی کہا ہے، قدیم زمانے سے ہی اپنے محلِّ وقوع حُسن اور بے پناہ خوبصورتی کی وجہ سے توسیع پسند بادشاہوں، فاتحین اور حملہ آوروں کی جولانگاہ رہا ہے۔ اس کا محلِ وقوع فوجی اور سیاسی اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی سرحدیں جو بار بار تبدیل ہوتی رہی ہیں۔ روس، چین، افغانستان، ہندوستان اور پاکستان سے ملتی ہیں۔ اور تقریباً ایک لاکھ مربع میل پر پھیلے ہوئے اس خطے کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اجنبی لوگ کشمیر آنے اور یہاں قیام کرکے راحت اور آسودگی حاصل کرنے کے لیے اسے اپنا مسکن بنانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ سلاطین کشمیر کے زمانے میں تبّت بھی مملکتِ کشمیر کا ایک حصہ رہا ہے اور شاہراہِ ریشم کے راستے کشمیر کی تجارت سینٹرل ایشیا، سمرقند، مصر، شام، بغداد، فارس، غزنی، اور ترکستان افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ گلگت، بلتستان، ہُنزہ، نگر کشمیر کے سرحدی علاقے کہلاتے تھے۔ فوجی حکمتِ عملی کے لحاظ سے گلگت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کشمیر کے آبی وسائل، جنگلات، معدنیات، حیات بخش چشمے اور خیابان اس کی ایسی دولت ہیں جو اُسے قدرت نے عطا کی ہیں۔ زمین زرخیز ہے اور اس کے ایک حصّے پر ایسے میوے اُگتے ہیں جن کی برآمد سے کروڑوں روپیہ سالانہ حاصل ہوتا ہے۔ شہر اور قصبہ جات کے مقابلے میں زیادہ تر آبادی دیہات میں ہے۔ جن کی اکثریت زراعت پیشہ ہے۔ کشمیر کی اصل آبادی جس کا آگے چل کر ذکر آئے گا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے بیرونی حملہ آوروں کی چیرہ دستیوں کے باوجود اپنی انفرادیت کو محفوظ رکھنے اور انقلابات کا مقابلہ کرنے میں مردانہ وار برسرِ پیکار رہی ہے۔ باد صرصر آئی تو کشمیریوں نے اس سے کہا یہ تمہارا راستہ نہیں۔ ان کو تسخیر کرنے کے لیے آندھیاں آئیں تو کشمیریوں نے ان کے گریبان نوچ لیے۔

ساڑھے چار سو سال قبل مسیح بودھ یہاں آئے اور یہاں اپنی مملکت اور بادشاہت

قائم کی۔ بودھوں کے عہد کے بعد ہندو راجے آئے جن کا عہد نہایت پُر آشوب تھا۔ اُن کے بعد سلاطین یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے رہے، جس کے بعد مغلیہ عہد کا زمانہ آیا۔ مغلوں کے بعد افغانیوں نے اِس وسیع اور عریض خطے پر چڑھائی کر کے اسے اپنے قبضے میں کر لیا۔

افغانیوں کے بعد سکھوں نے آکر اپنا اقتدار جما لیا، سکھوں کے بعد ڈوگرہ عہد آیا۔ ڈوگرے ایک سو سال تک کشمیر کی تقدیر کے مالک بنے رہے۔

ڈوگرہ عہد کے خاتمے پر جب مملکتِ پاکستان قائم ہوئی تو کشمیر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک ایسا متنازعہ علاقہ بن گیا جس کے لیے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان دو بار خونریز جنگ ہوئی اور پھر کشمیر اقوام متحدہ کے عالمی ادارے میں بحث کا موضوع بن گیا اور اقوام متحدہ نے دو ٹوک یہ فیصلہ کر دیا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے مجاز کشمیری ہیں کوئی دوسرا نہیں، لیکن اس فیصلے کے بعد پوری نصف صدی سے کشمیریوں کو اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا گیا جس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج کشمیر شعلوں کی لپیٹ میں ہے اور اس کے کھیتوں، کھلیانوں اور انسانوں اور حیوانوں کے ساتھ اس کے حیات بخش چشموں، اس کی عالمی شہرت کی جھیلوں، اس کے کوہساروں، بیابانوں اور جنگلوں پر غیر یقینی کے مہیب سائے منڈلا رہے ہیں۔

قدیم اور جدید تاریخ کے ہر عہد کی طرح آج بھی کشمیری مایوس نہیں ہیں۔ اُن کو اپنا مستقبل تابناک، اپنا عزم ہر لحاظ سے غالب اور اپنا مقدر درخشاں ہونے کا یقین ہے اور کشمیری اس عہد میں بھی سرفراز ہونے کے لیے اسی طرح سر بکف ہیں جس طرح وہ ہر عہد میں رہے ہیں۔

کشمیر کی صنعتیں

بعض تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ کشمیر میں شال بافی کی صنعت تقریباً دو ہزار سال پہلے کی قدیم صنعت ہے۔ اس کا احوال ایران کے ایک مشہور مصنف زین العابدین

رہنما نے اپنی فارسی کتابوں میں بیان کیا ہے۔

زین العابدین رہنما نے حضرت خدیجہؓ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ نکاح خوانی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس مجلس میں کشمیری شال بھی تھے، جو غالباً حضرت خدیجہؓ کے تجارتی کارندے ملکِ شام سے خرید کر لے گئے تھے۔

بعض کتابوں میں کسریٰ، فارس کے حرم خانوں میں بھی کشمیری شال کے استعمال کا تذکرہ ملتا ہے۔ بعد کے ایام میں کشمیر میں قالین بافی، ریشم، اطلس، پیپر ماشی، ووڈ کارونگ، نمدہ سازی وغیرہ کی صنعتیں بھی وجود میں لائی گئیں۔

اِن دستکاریوں کی وجہ سے بھی کشمیر نے مشرق اور مغرب میں شہرت حاصل کی۔ کشمیری قالین ایرانی قالینوں سے زیادہ خوبصورت ہوتے تھے۔ جو نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب ملکوں اور یورپ کو بھی برآمد کیے جاتے تھے۔

پیپر ماشی کے آرٹ نے کشمیر میں بڑی ترقی کی، اِسے پوری دنیا میں پسند کیا جاتا رہا ہے۔ کشمیر کے پشمینے، شاہ توسہ اور ادنیٰ چادریں بھی ساری دنیا میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

تعارف

کشمیر کی یہ قدیم اور جدید تاریخ مختلف اور نہایت معتبر، قابلِ اعتبار اور باوثوق ذرائع اور افراد کی طرف سے فراہم کردہ معلومات اور تاریخی کتب میں اندراجات اور ان ڈائریوں پر مشتمل ہے، جو اس سرزمین پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں وقتاً فوقتاً مُرتب کی جاتی رہی ہیں۔ اس میں نہایت تفصیل کے ساتھ شہرت یافتہ مورّخ اور ہندوستان کی تقسیم اور قیامِ پاکستان سے پہلے پنجاب یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ کے سربراہ جی۔ ایم ڈی صوفی کی تحقیق اور مشہور انگریز مصنّف سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کے مشاہدات کے علاوہ عہدنامۂ قدیم کے حوالے سے ایسے تمام واقعات درج کر کے منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے، جو مختلف صحیفوں اور کتابوں میں تو ملتے ہیں، لیکن آج تک تاریخی کُتب میں سلسلہ وار بیان نہیں کیے گئے تھے۔

"۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۷ء تک" نام کی تاریخ کشمیر میں ان تیس برسوں کے جو واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ ۱۹۸۰ء میں شائع ہو چکے ہیں "عہدنامہ کشمیر" میں اُن کا مختصر سا خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ البتّہ ۱۹۷۷ء کے بعد واقعات اور حالات نہایت تفصیل کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہیں۔ اس توقع کے ساتھ کہ کشمیر کی نئی نسل اور مستقبل کے مورّخ اس خطّے کی قدیم اور جدید تاریخ سے پورے طور پر اور صحیح انداز میں معلومات حاصل کر سکیں اور اہلِ کشمیر کے بارے میں ایک مخصوص مکتبِ خیال یا پھر مفاداتِ خصوصی رکھنے والوں کی غلط فہمیوں اور تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی اُن کوششوں کا ازالہ ہو سکے، جو تاریخِ کشمیر لکھنے اور مصنّف یا مورّخ ہونے کے دعویدار مختلف اوقات پر پھیلاتے چلے آئے ہیں اور جن میں سے اکثر و بیشتر نے معروضوں کا سہارا لیا۔

تاریخ اور افسانہ

یہ بات تحقیق طلب نہیں کہ کشمیر کی تاریخ مرتب کرنے والے تقریباً ہر مورّخ نے "تاریخ لکھنے کے لیے تحقیق و تجسّس اور حقائق تلاش کرنے کے بجائے ہر دور میں اُن افسانوں کا سہارا لیا، جو سراسر من گھڑت تھے اور جن کو ایک مخصوص طبقے نے مخصوص مقاصد کے لیے گھڑ لیا اور کچھ اس طرح پھیلایا کہ تاریخ لکھنے والوں نے ان افسانوں کو تاریخ کے طور پر پیش کر کے اپنے مورّخ ہونے کا مظاہرہ کیا۔

کشمیر کی ساری قدیم تاریخ افسانوں سے بھری پڑی ہے۔ راج ترنگنی کے مصنف پنڈت کلہن نے ایک خاص ذہن ہونے کی بنا پر ان افسانوں کو کچھ اس طرح قلمبند کیا کہ اُس کے بعد کشمیر کی تاریخ لکھنے والوں کو وہ سارے افسانے حقیقت دکھائی دیئے، جو ایک مخصوص ذہن کی پیداوار تھے۔

اس معاملے میں غیر ملکی یا غیر کشمیری مورّخین سے شکایت نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ وہ لوگ اجنبی تھے، اس خوبصورت ترین خطّے کی سیر و سیاحت کی غرض سے آئے تھے، یا پھر ان میں سے کچھ لوگوں کے صرف مالی مفادات اس امر میں کارفرما تھے کہ انھوں نے کشمیر کی تاریخ لکھی اور اور اپنے آپ کو ایک مورّخ کی حیثیت میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ البتہ کچھ اپنے مورخین نے بھی افسانوں کو تاریخ کا روپ دے دیا۔

راج ترنگنی کے مصنّف پنڈت کلہن نے حقیقت میں کوئی تاریخ نہیں لکھی ہے۔ بلکہ اس نے زیادہ تر ہندو راجاؤں کے امورِ سلطنت کا حال احوال اور روایتیں، رسم و رواج وغیرہ

قلمبند کیے ہیں۔ جسے ایک طرح کا شاہنامہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ تاہم پنڈت کلہن نے بھی
بڑی صاف گوئی کے ساتھ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اُس نے کشمیر کی اصل صورتِ حال
دریافت کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور تعجب ہے کہ اس کے بعد کے مؤرخین نے پنڈت
کلہن کو ایک اتھارٹی کے طور پر لیا اور اس کی ہر ممکن طور پر تقلید کی۔

کشمیر کی تاریخ کے مصنفوں نے تاریخی واقعات کی تحقیق کے بجائے افسانوں کا سہارا
لیا۔ ایک ابتدائی افسانے کے مطابق برہما کا پوتا کشپ ایک وارہا نامی جانور پر سوار پہاڑوں
کے درمیان جب وارہا مولہ پہنچا، جسے اب بارہمولہ کہا جاتا ہے تو وارہا نے اپنی دُم سے پہاڑ
کاٹ دیئے اور کشپ نے اپنے دانتوں سے ایسا راستہ نکالا جس سے اُس جھیل کا پانی جسے
کشمیر کہتے تھے نیچے کی طرف بہہ نکلا۔ اس کے بعد اس خطّے میں انسانوں کی آمد و رفت شروع
ہوگئی۔ وہ لوگ موسم گرما میں یہاں رہتے تھے اور سردیاں آتے ہی گرم میدانی علاقوں کی طرف
چلے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک بوڑھا شخص یہاں سے نہیں جاسکا اور وہ ایک
غار میں پناہ گزیں ہوگیا۔ اور جب ویرانی چھاگئی تو ایک دیو نمودار ہوا جس نے اس بوڑھے
شخص کو اُٹھالیا اور پھر دور لے جاکر نیلہ ناگ نامی ایک جھیل میں پھینک دیا۔ بوڑھا شخص
جھیل میں ڈوب گیا اور جب وہ اس کی تہہ میں جا پہنچا تو وہاں نیلہ ناگ راجہ کی سلطنت
دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

چنانچہ یہ بوڑھا شخص بڑی جدوجہد کے بعد نیلہ ناگ کے محل تک دسترس حاصل
کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اس نے راجہ کے سامنے اپنی شکایت بیان کی کہ کس طرح زمین پر
ایک دیو نے اُسے پکڑا اور جھیل میں پھینک دیا۔ یہ سُن کر نیلہ ناگ راجہ اس پر مہربان ہوا اور اُسے
"نیلہ ماتا پورانہ" نام کی ایک کتاب عطا کی۔ اور کہا تم اس کتاب کی پیروی کرو اور زمین پر
واپس چلے جاؤ۔ اب وہاں کوئی دیو تم کو تکلیف نہیں دے سکے گا۔
اور پھر — ! اس سرزمین پر جسے کشمیر کہا گیا انسانی آبادی رہنے لگی۔

اس افسانے کی سب سے بڑی تردید اور اسے من گھڑت قرار دینے کا سب سے بڑا ثبوت
یہ ہے کہ اس سرزمین کا نام کشمیر نہیں بلکہ کشیر ہے۔ جس کے لیے یہ ایک تاریخی شہادت
موجود ہے کہ کشیر اور اس میں آباد ہونے والے لوگوں کو 'کوشر' کہا جاتا ہے اور یہ دونوں لفظ
عبرانی زبان کے ہیں۔

تعجب ہے کہ کشمیر کی تاریخ لکھنے والوں نے اُن فاضل مصنّفوں کو یکسر نظر انداز کیا
ہے جن میں شہرت یافتہ البیرونی جو محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آیا تھا اور کشمیر بھی
آیا ہے۔ سر فرانسس ینگ ہسبنڈ، برنیر، مغل سلطنت کا بانی شہنشاہ بابر، سر جارج گریرسن
اور دوسرے کئی وہ مصنف بھی شامل ہیں جن کے تحقیقاتی نتائج سے کشمیر کی تاریخ اخذ
کی جاسکتی تھی۔

البیرونی ۹۷۳ء میں خوارزم میں پیدا ہوئے تھے، وہ کشمیر بھی آئے اور یہاں قیام
بھی کیا۔ البیرونی نے لکھا ہے کہ کشمیر میں عبرانی نسل کے لوگ رہتے ہیں۔ جو باہر سے
آنے والے ہر شخص کے بارے میں بڑے محتاط ہیں اور کسی بھی اجنبی کو اپنے ملک میں نہیں
آنے دیتے، وہ نہایت سختی کے ساتھ اُن راستوں اور درّوں کی حفاظت کرتے ہیں
جن سے باہر کا کوئی شخص داخل ہو کر ان کے ملک میں آسکتا ہو۔
البتہ جب کبھی کوئی عبرانی زبان بولنے والا اس ملک میں داخل ہوتا ہے تو اس
مُلک کے باشندے مُلک میں آنے سے اُسے نہیں روکتے، بلکہ اُسے اپنا مہمان بناتے
ہیں اور ہر طرح اس کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔"

تعجب ہے کہ تاریخ لکھنے والوں نے البیرونی کے اس اہم انکشاف کو نظر انداز
کیا ہے جس سے اس بات کا صحیح سُراغ ملتا ہے کہ کشمیر میں آباد لوگوں اور عبرانی نسل کے
لوگوں کے درمیان گہرا تعلق ہے، سر جارج گریرسن نے اپنی تحقیق کی بنا پر ثابت کیا ہے
کہ کشمیری زبان دادرِک ہے اور کسی بھی صورت میں سنسکرت نہیں۔

مغل سلطنت کے بانی شہنشاہ بابر جنہوں نے ۱۵۲۶ء میں ہندوستان فتح کرکے مُغل سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔ بابر کی یادداشتوں (تزکِ بابری) میں لکھا ہے کہ:

"کشیر دراصل کوشر لوگوں کی سرزمین ہے۔"

جبکہ اس سے پہلے حضرت امیر کبیرؒ، سیّد علی ہمدانیؒ المعروف شاہ ہمدانؒ نے ۱۳۷۲ء میں کشمیر آکر اس سرزمین کو "باغِ سلیمان" قرار دیا

برنیئر نے لکھا ہے کہ "پیر پنجال عبور کرنے کے بعد جب میں اِس ملک میں داخل ہوا تو مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میں ہیبرون میں ہوں، جسے کنعان کہا جاتا تھا۔" برنیئر نے مزید لکھا ہے کہ "یہاں کی آبادی کا طرزِ زندگی خالص عبرانی طرز کے قدیم لوگوں جیسا ہے۔ اپنے رہن سہن کے طور طریقوں سے بھی یہاں کے لوگ بائبل کے قدیم زمانے کے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کے خدوخال اور چہرے بُشرے اس پورے برِّصغیر کے لوگوں سے مختلف ہیں اور یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ یہاں آباد لوگ اسے کشمیر نہیں کہتے، بلکہ کشیر کہتے ہیں۔ اور خود کو کوشر کہتے ہیں۔ یہ دونوں لفظ عبرانی ہیں۔"

سر والٹر لارنس نے بھی سر فرانسس ینگ ہسبنڈ ہی کی طرح اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ "یہاں کے لوگ عبرانی نسل کے معلوم ہوتے ہیں، اِن کی ناک بالکل اُسی طرح خمدار ہے اور چہرے بھی ویسے ہی ہیں جیسے عبرانی نسل کے لوگوں کے ہیں۔"

سر والٹر لارنس نے اپنے طویل تجربے اور تحقیق کی بنا پر قرار دیا ہے کہ "کشمیری کسان عبرانی طرز کے طور طریقے اختیار کرتے ہیں اور میوے اُگانے میں بھی عبرانی لوگوں کی طرح ماہر ہیں۔ ان کے مذاق کا طریقہ بھی عبرانیوں سے ملتا جلتا ہے۔"

ان تمام حقایق کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کشمیر کی تاریخ لکھنے والے مصنّفوں نے اس کے اصل پر کوئی توجّہ نہیں دی اور زیادہ تر افسانے بیان کرنے پر اکتفا کیا۔ ان مورخین میں محمّد اعظم دیدمری، محمّد دین فوقؔ، ملک حیدر آف چاڈورہ، تاریخِ راشدی

کے مصنّف اور دوسرے لوگ یکساں طور پر شامل ہیں۔ جو ایک زمانے سے مورّخ کہلاتے آئے ہیں اور جن میں سے کسی ایک نے بھی اصل حقائق معلوم کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی چنانچہ "عہدنامۂ کشمیر" کے تعارف میں مختصر طور پر اس بات کی طرف جو اشارہ کیا گیا کہ کشمیر کی قدیم اور جدید تاریخ لکھنے والوں نے فقط مفروضوں کا سہارا لیا ہے اور من گھڑت افسانوں کو تاریخ بنا کر پیش کیا ہے، اُسے اب وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت پوری کی جارہی ہے اور کئی فاضل مصنّفوں کے حوالے سے اس خطّے کی تاریخ کو اس کی اصلی حیثیت میں پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ کشمیر کی ابتدائی اور اصل آبادی وہی ہے جو ملک کنعان سے ہجرت کرکے کاشان اور کاشغر سے ہوتے ہوئے کشمیر آئی تھی اور اس کو اپنا مسکن بنایا تھا۔

بعض مورّخوں نے کشمیر کی اس اصل آبادی کو بنی اسرائیل جتلانے کی بھی کوشش کی ہے۔ جبکہ تاریخی طور پر اسے ثابت نہیں کیا جاسکتا اور ناقابلِ تردید تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کنعان سے ہجرت کرکے کاشان اور کاشغر سے ہوتے ہوئے اس پہاڑی سلسلے میں آباد ہونے والے لوگ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہی کی اولاد تھے لیکن وہ بنی اسرائیل نہیں تھے اور بائبل سے بھی اس بات کو ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ بنی اسرائیلیوں کا کوئی قبیلہ ہجرت کرکے اس خطّے میں آکر آباد ہوا تھا۔

بائبل نے بھی ملک کنعان سے ہجرت کرکے مشرق میں آباد ہونے والوں کو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی بنی قطورہ قبیلے سے اُس بیوی کی اولاد بتایا ہے جن کو خود حضرت ابراہیم ؑ نے مشرق کی طرف ہجرت کرنے کے لیے کہا تھا، کشمیر کی تاریخ لکھنے والوں میں سے اکثر نے بہت سے واقعات کو اُسی انداز اور اُسی رنگ میں پیش کیا جس انداز اور جس رنگ میں مفادِ خُصوصی رکھنے والے مکتبِ خیال نے پیش کیا تھا اور جن کو متعصب ذہن رکھنے والوں نے حقائق کو مسخ کرنے اور واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی

ہندو عہدِ حکمرانی کے آخری راجا کی حکومت کے تحت جب کشمیر افراتفری اور لاقانونیت کی آماجگاہ بن گیا تو ہن قبیلے کے ایک تاتاری سردار نے کشمیر کے خلاف فوج کشی کی، جس پر راجہ سہدیو کشتوار کی طرف فرار ہو گیا، اور ملک کو تاتاری سردار کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

ہن قبیلے کے تاتاری سردار زوالجُو نے کشمیر میں تباہی مچا دی، آتشزنی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور ہندو مصنّفوں نے سراسر غلط طور پر اُسے زوالقادر خاں کہا اور اُسے ایک مسلمان ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ جو سراسر غلط تھا اور جس کی نشاندہی "راج ترنگنی" کا انگریزی ترجمہ کرنے والے انگریز مورّخ ڈاکٹر سٹین نے صاف لفظوں میں کیا اور بتایا کہ ہن قبیلے کا تاتاری سردار غیر مسلم تھا۔

چنانچہ جب تبّت سے فرار ہو کر کشمیر آئے ہوئے ایک شہزادے رتن جو رانچپائی رینچن شاہ کو لوگوں نے افراتفری کی حالت میں عنانِ حکومت سپرد کر دی اور اسے اقتدار سونپ دیا۔ تو ایک مخصوص مکتبِ خیال کے لوگوں نے حقایق کو افسانہ بناتے ہوئے رینچن شاہ کے سر بغاوت کا الزام دھر دیا اور کہا کہ اُس نے زبردستی اقتدار پر قبضہ کیا جو حقیقت سے بعید ہے۔ رینچن شاہ اپنی قابلیت فہم و فراست دانشمندی اور تجربے کی بنا پر راجہ سہدیو کا اعلیٰ مشیر تھا اور وہ ایک سال سے زیادہ عرصے تک راجہ سہدیو کے وزیرِ دفاع کے گھر میں رہا تھا جہاں رینچن شاہ اور راجہ سہدیو کے وزیرِ دفاع رام چند کی بیٹی جسے تاریخ میں کوٹہ رانی کا نام دیا گیا ہے، کے درمیان مراسم پیدا ہو گئے۔

کوٹہ رانی پڑھی لکھی خاتون تھی اور دانائی اور دوسری صفات میں بے مثال بتائی جاتی تھی۔ رینچن شاہ سے بہت متاثر تھی اور جب رینچن شاہ کو اقتدار سونپا گیا اور کوٹہ رانی کا باپ رام چند ایک تصادم میں ہلاک ہو گیا تو کوٹہ رانی نے رینچن شاہ کے ساتھ شادی

کر لی اور اپنے بھائی کو وزیرِ دفاع کے عہدے پر فائز کروا لیا۔ رینچن شاہ ۱۳۲۴ء ہی میں سید عبد الرحمان، شرف الدّین المعروف بُلبُل شاہ کے ہاتھوں اسلام قبول کر کے مسلمان بن گئے۔

کوہ پکھلی سوات کے شاہ میر نامی شخص کو اپنا خاص وزیر مقرر کیا۔ رینچن شاہ کے قبول اسلام کے فوراً بعد کوٹہ رانی اُس کا بھائی اور بہت سے درباری بھی اسلام قبول کر کے مسلمان بن گئے۔ البتہ صرف ڈھائی سال حکومت کرنے کے بعد جب رینچن شاہ جو سلطان صدرالدّین کے نام سے کشمیر میں پہلا مسلمان سلطان تھا، انتقال کر گیا تو کوٹہ رانی نے دوبارہ ہندو مذہب اختیار کر کے راجہ سہدیو کے بھائی کے ساتھ شادی کر لی اور اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ یہ صورتِ حال ایک سال تک بھی برقرار نہیں رہی اور سلطان صدرالدین کے اعلیٰ وزیر شاہ میر نے فوج کی مدد سے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور سلطان شمس الدین کے نام سے حکمران بن گیا جس پر کوٹہ رانی دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی اور اس نے سلطان کے ساتھ شادی کر لی۔ ان تمام واقعات کو بھی کشمیر کی تاریخ لکھنے والوں نے صحیح انداز میں تحریر کرنے کے بجائے اُن قصّے کہانیوں اور افسانوں کو ترجیح دی جو تاریخی واقعات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے اور جن کو ایک خاص سوچ رکھنے والے عناصر نے تاریخی واقعات کا رنگ دے کر پیش کیا تھا۔ مورّخوں نے اس افسانے کو بھی حقیقت کے طور پر پیش کیا ہے کہ رینچن شاہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہندو مذہب اختیار کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ہندوؤں نے اُسے قبول نہیں کیا اور اُسے بُدھ مذہب کا پیروکار ہونے کی بنا پر ملیچھ سمجھا۔

واقعات خود بخود اس افسانے کو جھٹلاتے ہیں کیونکہ جب رینچن شاہ نے اسلام قبول کر کے سلطان صدرالدّین کا لقب اختیار کیا، تو اہلِ دربار میں سے نصف سے زیادہ عمائدین نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ ان لوگوں میں رام چند کا بیٹا اور کوٹہ رانی کا بھائی اور خود کوٹہ رانی بھی شامل تھی، جو سب کے سب

حضرت عبدالرحمان شرف الدّین بُلبُل شاہ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جس کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ کشمیر میں اسلام پھیلا اور ہزاروں لوگوں نے اپنے اختیاری مذاہب ترک کرکے اسلام قبول کرلیا۔ جو لوگ دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے اُن میں سے اکثر چونکہ بااثر تھے اس لئے انہوں نے افسانے گھڑنے اور قصّے کہانیاں بیان کرنے کا عمل اختیار کرلیا اور اس سلسلے کو دراز کرنے کی کوشش کی، اسی قماش کے لوگوں نے سلاطینِ کشمیر میں سے چھٹے حکمراں سُلطان سکندر کے بارے میں طرح طرح کی افواہوں کو جنم دیا اور اُس کے خلاف یہ الزام تراشی کی گئی کہ وہ بُت شکن ہے اور اُس نے کشمیر میں ہندوؤں کے مندر مسمار کر دیئے۔ جبکہ تاریخی واقعات بالکل اس کے برعکس ہیں، جن کو جھوٹ کے پلندوں کے دبیز پردوں کے نیچے دبانے کی کوشش کی گئی۔ ورنہ سُلطان سکندر پہلا شخص تھا، جس نے ہندو آبادی کے ٹیکس معاف کر دیئے، تمام بُری رسومات پر پابندی عائد کر دی۔

تاریخِ فرشتہ کے مطابق سُلطان سکندر نے شراب کشید کرنے، فروخت کرنے اور پینے پر پابندی لگا دی اور "ستی" کی اُس رسم کو غیر قانونی قرار دیا جس رسم کی رُو سے ہندو عورت اپنے مُردہ شوہر کے ساتھ زندہ جلائی جاتی تھی۔

کشمیر کی ہندو آبادی کو اصل شکایت سہہ بٹ نامی سُلطان کے اُس بڑے وزیر سے تھی جس نے ہندو مذہب ترک کرکے شاہ ہمدان کے فرزند میر محمد ہمدانی کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر لیا تھا اور مسلمان بن جانے کے بعد اپنا نام مُلک سیف الدّین رکھا۔

ملک سیف الدّین نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایک نو مسلم کی حیثیت میں اشاعتِ اسلام پر اپنی ساری توجہّ مرکوز کی اور وہ چاہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسلام کے دائرے میں آجائیں۔ جب کہ خود سلطان سکندر ایک عادل اور انصاف پسند حکمراں تھا اس نے بہت سے پُرانے مندر نئے سرے سے تعمیر کروائے اور کئی نئے مندر بھی بنوائے۔

نو مُسلم مُلک سیف الدّین نے اُن سازشوں کو بڑی سختی اور طاقت استعمال کر کے کُچل دیا، جو حکومت کے خلاف اندر ہی اندر کی جا رہی تھیں۔

محمد دین فوقؔ نے تاریخِ فرشتہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ملک سیف الدّین کو ہندو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور وہ بار بار اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح اقتدار دوبارہ ہندوؤں کے ہاتھ میں آجائے۔ اس مقصد کے لیے بلوے بھی کرائے گئے — فتنہ پرور عناصر نے سلطان سکندر کی بیٹی اور داماد کو بھی اپنی سازشوں کے سلسلے میں ایک حربے کے طور پر جب استعمال کیا تو سلطان سکندر کی ملکہ نے اپنی بیٹی اور داماد دونوں کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

البتہ تاریخ بتاتی ہے کہ سُلطان سکندر نے کشمیر میں مسجدیں اور خانقاہیں بڑی تعداد میں تعمیر کروائیں۔ اسی دوران جب امیر تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور دریائے اٹک کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے تو بعض عناصر نے وہاں پہنچ کر امیر تیمور کو سلطان سکندر کے خلاف اُکسانے کی کوشش کی۔

لیکن سلطان سکندر نے اپنے تدبّر سے ان کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ امیر تیمور نے بھی کشمیر کا رُخ نہیں کیا اور سمرقند واپس لوٹ گیا۔ جس کے بعد سلطان سکندر نے اپنا سفیر سمرقند بھیجا، جسے تاریخ میں سلطان سکندر کا بیٹا شاہی خان بتایا گیا ہے۔ وہ سات سال تک امیر تیمور کے دربار میں رہا اور تربیت حاصل کی۔ بعد میں یہی شاہی خان زین العابدین بڈشاہ کے نام سے اقتدار کا مالک بنا۔

تاریخِ راشدی کے مصنّف جس نے مرزا حیدر دوغلت کے ۱۵۳۱ء میں کشمیر پر حملے کا حال احوال بیان کیا ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ کشمیر میں اُن مندروں کا ذکر کیا ہے جن کی تعداد اس نے ڈیڑھ سو سے زیادہ بتائی ہے اور کہا ہے کہ ان میں سے کئی مندر سُلطان سکندر کے عہد میں تعمیر ہوئے تھے۔ مُغل بادشاہ جہانگیر جو سولھویں صدی عیسوی کے ابتدائی ایّام میں

میر واعظِ کشمیر مولانا محمد یوسف
جب ۱۹۵۲ء میں آزاد کشمیر حکومت کے سربراہ بنے

کشمیر آیا۔ تو اس نے بھی تزکِ جہانگیری میں لکھا ہے کہ کشمیر میں آج بھی اسلام پھیلنے کے وقت سے پہلے کے بہت سے مندر ایسے ہیں جو نہایت کشادہ اور اونچے تعمیر کیے گئے ہیں۔

انگریز مصنّفین مسٹر سٹین اور لارنس نے بھی ہندو عہد کے مندروں کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ کچھ مندر اتنے اونچے بنائے گئے تھے کہ بار بار زلزلہ (بھونچال) آنے سے ان کو نقصان پہنچا۔

کشمیر کی تاریخ لکھنے والے مورّخین نے تحقیق اور حقائق تلاش کرنے کی کوششوں کے بجائے زیادہ تر اپنی کوششوں کو اتنا محدود رکھا کہ انھوں نے یکے بعد دیگرے افسانوں کو ہی تاریخ کی شکل دینے اور سُنی سنائی باتوں کو درج کر لینے پر اکتفا کیا، جس سے کشمیر کی تاریخ کے بہت سے اہم واقعات لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل رہے، چک خاندان کے بارے میں فقط ایک مورّخ ملک حیدر آف چاڈورہ نے سرسری طور پر کچھ ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اصل میں چک کشمیر کے پہلے مسلمان حکمراں سلطان صدرالدّین کے عہد سے پہلے کشتواڑ سے کشمیر آئے تھے۔ یہ سارا خاندان پندرہ سے زیادہ کنبوں پر مشتمل تھا۔ جن کی راجہ سہدیو نے حوصلہ افزائی کی۔ اور شنکر چک کو جو اس خاندان کا سربراہ تھا، کشمیر میں پناہ دی۔

راجہ سہدیو خود بھی کشتواڑ علاقے سے تعلق رکھتا تھا۔ جبکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ چک سینٹرل ایشیاء کے دردستان علاقے سے کشمیر آئے۔ چک خاندان نے غیر محسوس طور پر اپنا اثر بڑھالیا اور سلطان زین العابدین کے عہد میں ان کی تعداد میں بہت اضافہ ہو گیا۔ ان تمام لوگوں نے سلطان فتح شاہ کے عہد میں میر شمس الدین عراقی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مسلمان بنے اور شیعہ مسلک اختیار کر لیا۔ اور شمس الدین چک کی قیادت میں امورِ سلطنت کے مختلف شعبوں میں عمل دخل حاصل کر لیا۔

انھوں نے اقتدار کے سوال پر محمد شاہ اور فتح شاہ کے درمیان کشمکش کا خوب

شیخ محمد عبداللہ

یوم پیدائش 1901ء
سرینگر

یوم وفات: ۱۷ر جولائی ۱۹۷۳ء
راولپنڈی

خواجہ غلام نبی گلکار ''انور''

۱۹۴۷ء میں کشمیر کی متوازی انقلابی حکومت قائم کرنے والے
جن کو انقلابی حکومت کا اعلان کرنے کے صرف ایک ماہ بعد سرینگر
میں گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا اور بعد میں گلگت کے گورنر بریگیڈیئر
گھنسارا سنگھ کے تبادلے میں پاکستان بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ ۱۷ر
جولائی ۱۹۷۳ء میں انتقال کرگئے۔

خواجہ غلام محی الدین قرہ

۱۹۴۶ء میں نیشنل کانفرنس کی "کشمیر چھوڑ دو" تحریک کے افسانوی کردار، کشمیر چھوڑ دو"
کے دوران جب وہ انڈر گراونڈ رہتے تھے۔ ایک کشمیری پیر صاحب کے لباس میں

محمد مقبول بٹ

جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے بانی، جو کشمیر کی آزادی کے لئے فقط
مسلح جدوجہد میں یقین رکھتے تھے اور جن کو ہندوستان نے تہاڑ جیل
میں پھانسی دے دی

میرواعظِ کشمیر مولانا محمّد فاروق
جن کو ۲۱ مئی ۱۹۹۰ء کو اپنی قیام گاہ نگین میں شہید کردیا گیا

کل جماعتی حرّیت کانفرنس

دائیں سے بائیں: میرواعظ مولوی عمر فاروق، مولانا محمد عباس انصاری، پروفیسر عبدالغنی بٹ
خواجہ عبدالغنی لون، سیّد علی شاہ گیلانی اور شبیر احمد شاہ۔
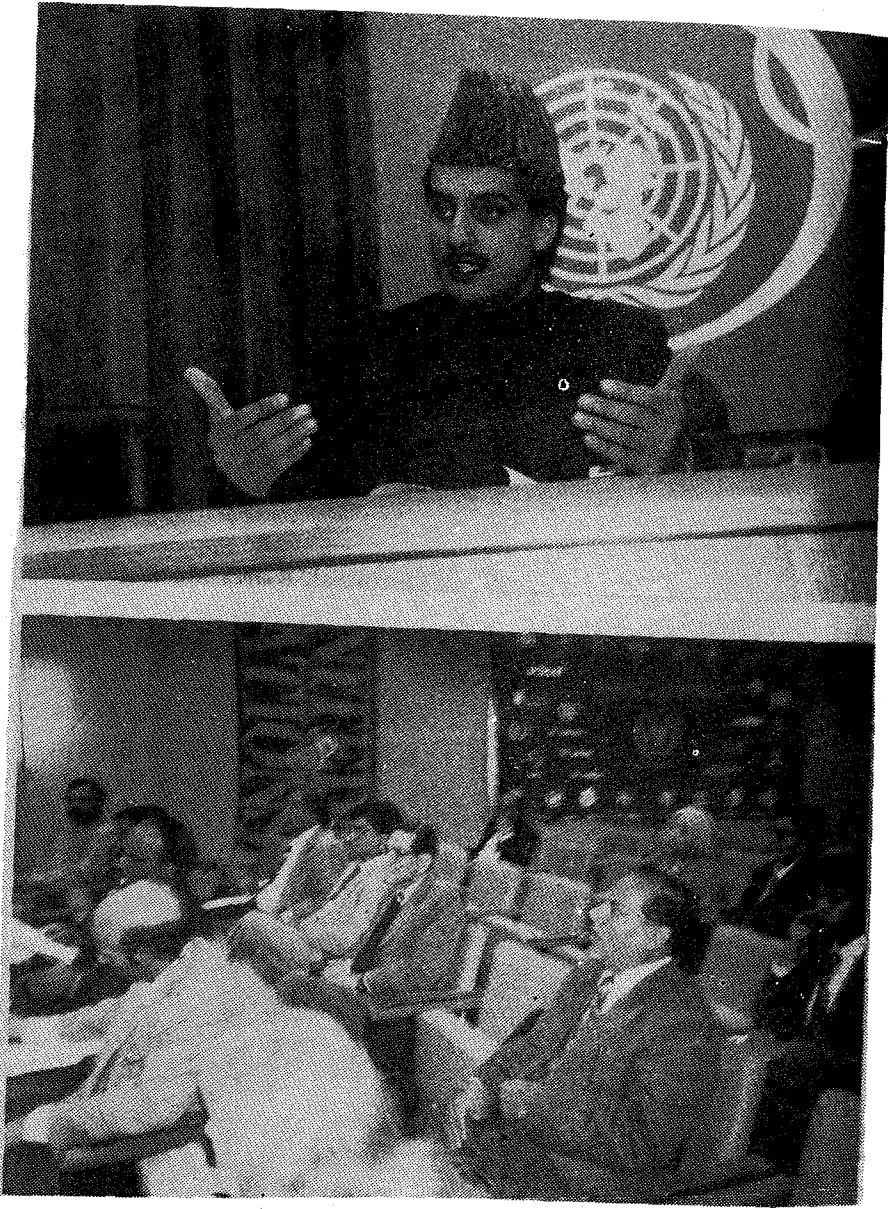
۳۰ ستمبر ۱۹۹۵ء کو کل جماعتی حریت کانفرنس کے چیرمین میر واعظ عمر فاروق
اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر پر عالمی ذرائع ابلاغ کو کشمیر کے حالات
سے آگاہ کر رہے ہیں۔

جماعتِ اسلامی کے لیڈر سیّد علی شاہ گیلانی
کشمیر میں فوج اور نیم فوجی دستوں کی جبر و زیادتیوں کے خلاف عوامی مظاہرے کی
قیادت کر رہے ہیں
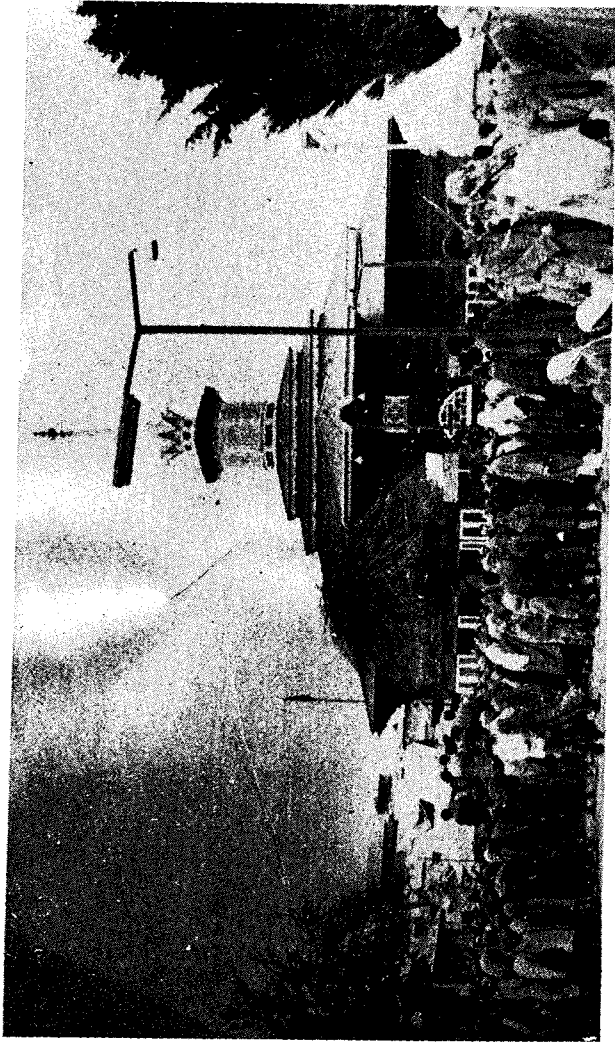
کشمیر کے قصبہ چرار شریف میں شیخ نور الدین ولیؒ کا آستانہ عالیہ
جسے ۹، اور ۱۰، مئی ۱۹۹۵ء نصف شب نذرِ آتش کر کے خاکستر کر دیا گیا
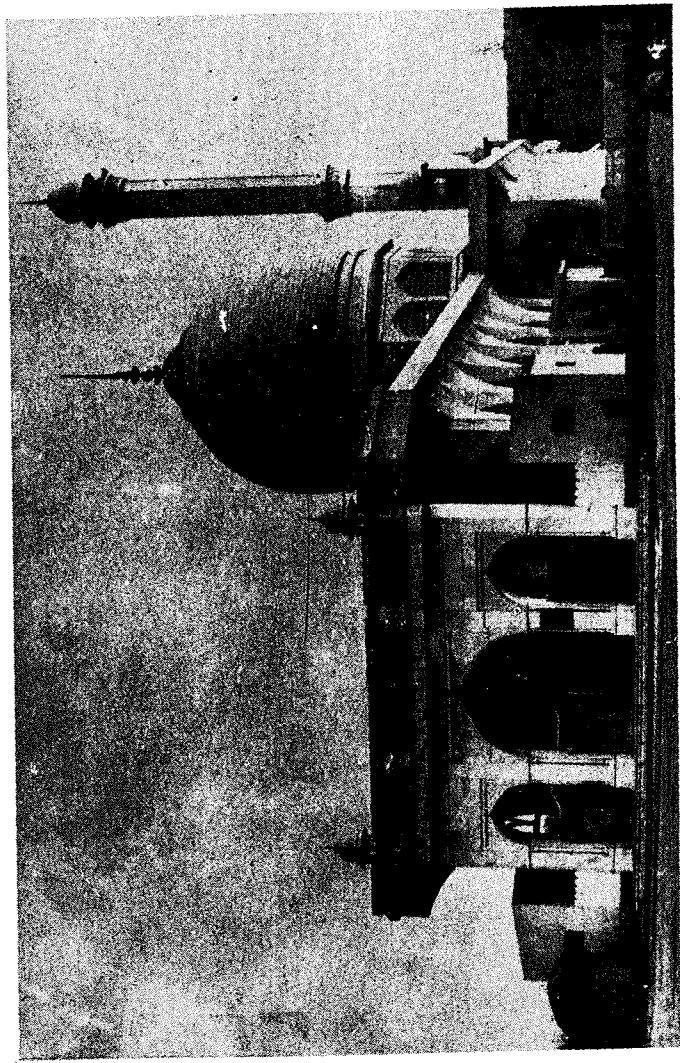
کشمیر میں تاریخی درگاہ حضرت بل، جسے کشمیری مسلمانوں کا ایک اہم سیاسی مرکز سمجھا جاتا ہے

محمد یاسین ملک

کشمیر میں 'جموں کشمیر لبریشن فرنٹ' کے سربراہ، جو کشمیر میں
بندوق اٹھانے اور مسلح جدوجہد کرنے والے اولین نوجوانوں میں سے ہیں

محمد یوسف شاہ المعروف سیّد صلاح الدین احمد
سوئیہ بگ کشمیر۔ حزب المجاھدین کے سپریم کمانڈر

۱۹۲۷ء میں ریشم خانے کے مزدوروں کا ایک احتجاجی جلوس

۱۳؍ جولائی ۱۹۳۱ء کو سنٹرل جیل سرینگر کے باہر ڈوگرہ فوج کی گولیوں سے
شہید ہونے والوں کی لاشیں جامع مسجد سرینگر کے باہر احاطے میں ۔

۱۹۳۱ء میں مسلم کانفرنس کے قیام کے بعد قائدین کا جلوس نکالا جا رہا ہے

فائدہ اٹھایا اور آخر کار غازی چک نے اقتدار پر قبضہ کر کے شاہ میر خاندان کے آخری حکمران حبیب شاہ کو ۹۴۵ ہجری میں اقتدار سے بے دخل کر دیا۔ غازی چک اس خاندان کا پہلا حکمران تھا۔

مورخ ملک حیدر آف چاڈورہ نے لکھا ہے کہ غازی چک سخت گیر حکمران تھا۔ اُس نے اپنے کئی مخالفوں کو سرِ عام پھانسی دی۔ اس کی سخت گیری نے خود اس کے خاندان والوں کو بھی بغاوت پر مجبور کر دیا۔ اور فتح چک نے جب سوپور پر قبضہ کر کے اپنی ایک الگ سلطنت قائم کرنے کا اعلان کر دیا تو غازی چک نے اُس کے خلاف فوج کشی کی۔ جس میں فتح چک کو شکست ہو گئی اور وہ کشمیر سے بھاگ گیا۔

اس کے بعد مرزا حیدر دوغلت نے جسے یوسف چک کی حمایت حاصل تھی اور جس کے ساتھ قُرّہ بہادر کی فوج بھی تھی، غازی چک کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ غازی چک اپنی فوج لے کر مقابلے کے لیے گیا اور راجوری کے مقام پر فریقین میں جنگ ہوئی، جس میں مرزا حیدر دوغلت اور اُس کے حامیوں کو شکست ہو گئی۔

چک خاندان کا آخری حکمران یعقوب شاہ چک تھا جس کے عہد میں کشمیر کے طول و عرض میں افراتفری پھیلی اور لوگ عدم تحفظ کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ ان حالات کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے مرزا قاسم کی قیادت میں کشمیر کو فتح کرنے کے لیے فوج بھیجی۔

مرزا قاسم مغل فوج کے ساتھ ۱۵۸۶ء میں کشمیر میں داخل ہوا اور کشمیر کو مغلیہ سلطنت کا ایک حصّہ بنا لیا گیا۔ یعقوب شاہ چک کشتواڑ فرار ہو گیا۔ بعض مورخین کے مطابق یعقوب شاہ چک اور اس کے والد یوسف شاہ چک دونوں کو مغل فوج نے گرفتار کر لیا۔ اور اکبر کے احکامات کے تحت اُنکو گرفتار کر کے ہندوستان کے علاقے بہار میں لے جا کر نظر بند کر دیا گیا تھا، جہاں بعد میں وہ دونوں انتقال کر گئے۔ مشہور محقق اور

مورخ جی، ایم، ڈی، صوفی نے اپنی تحقیقات کی بنا پر بتایا ہے کہ مغل فوج کے قبضے کے باوجود کشمیری مسلمانوں نے مغلوں کی حکمرانی کو قبول نہیں کیا۔

جی، ایم، ڈی صوفی نے "تاریخ خلیل" اور پنڈت آنند کول کے حوالے سے لکھا ہے کہ مغلوں نے کشمیری مسلمانوں میں سے کسی ایک کو بھی کوئی اہم عہدہ نہیں دیا۔ جبکہ طوطا رام پیشکار کے عہدے پر فائز کیے گئے اور پنڈت مہادیو کو انتظامی امور سونپے گئے۔ کشمیری پنڈتوں نے مغلوں کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور مغل گورنر نے بہت سے کشمیری پنڈتوں کو کلیدی عہدے عطا کیے۔

اس کے برعکس جی، ایم، ڈی صوفی رقمطراز ہے کہ جب مغل بادشاہ اکبر خود کشمیر آیا اور مغل گورنر نے اسے یہاں کا حال احوال بتایا، تو اکبر نے کشمیریوں کی بہادرانہ سپرٹ اور بغاوت کے عزائم کو کچلنے کیلئے اِنکے لباس میں تبدیلیوں کے احکامات صادر کیے۔ تب تک کشمیری وہ لباس پہنتے تھے جو قدیم زمانے سے انھوں نے اپنا رکھا تھا۔

اکبر بادشاہ نے زبردستی اور طاقت کے بل بوتے پر کشمیریوں کا لباس تبدیل کر کے اِن کو پھرن پہنائے اور ان کے ہاتھ میں کانگڑی تھما دی تاکہ وہ اِن کو سست اور کاہل بنا دے۔

ابتدا میں کانگڑی کو رانگر کہا جاتا تھا۔ ایک مغربی مورخ لیفٹنٹ نیوال نے مغل بادشاہ کے اس اقدام کو کشمیریوں کے جذبۂ حریت اور تونگری کو توڑنے سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس اقدام سے کشمیریوں کی دلاوری اور جنگجویانہ قوت کو پامال کر دیا گیا۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سلاطین کشمیر نے ۱۳۱۳ء سے ۱۵۵۴ء تک اس خطے پر حکومت کی اور یکے بعد دیگرے اس خاندان کے ۲۱ بادشاہ برسرِ اقتدار آئے۔

۱۵۵۴ء سے ۱۵۸۶ء تک چک خاندان نے حکومت کی اور ۱۵۸۶ء سے ۱۷۵۲ء تک

کشمیر مغل سلطنت کا ایک حصہ رہا، جس کے بعد افغان فاتح احمد شاہ ابدالی نے اِسے افغانستان کا حصہ بنا لیا۔

افغان ۱۸۱۹ء تک کشمیر میں حکمراں رہے اور ۱۸۱۹ء میں سکھوں نے افغانوں کو بھگا کر کشمیر کو پنجاب کی سکھ سلطنت کا حصہ بنا لیا۔ سکھوں کی حکومت ۱۸۴۶ء میں اس وقت ختم ہوئی جب جموں کے ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ نے اس پورے خطے کو ۷۵ لاکھ نانک شاہی روپے میں انگریزوں سے خرید کر کشمیر کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ کشمیریوں نے مغلوں، افغانیوں، سکھوں اور ڈوگروں کے ہر عہد میں اپنی بود و باش، تہذیب و تمدن اور فراخدلانہ روایات کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

کشمیریوں نے اپنے نسلی امتیاز کو کسی بھی عہد میں فراموش نہیں کیا اور اپنی اُن کنعانی روایات کی ہمیشہ پیروی کی۔ جو وہ اپنے ساتھ اُس قدیم زمانے سے لائے تھے۔ جب وہ مُلکِ کنعان سے کاشان، کاشغر اور درستان سے ہوتے ہوئے اس خطے میں آکر آباد ہوئے اور اِسے اپنا وطن بنا لیا۔

اہلِ کشمیر اپنی نسلی عظمت کی بنا پر ہر عہد میں شکست و ریخت سے نبرد آزما ہوئے لیکن ہر قیمت پر اپنی شناخت اور انفرادیت کو برقرار رکھا اور اس برصغیر کی دوسری قوموں کے مقابلے میں اپنی امتیازی حیثیت کو قائم رکھنے کے لیے ہمیشہ برسرِ پیکار رہے۔

انتساب

عزائم کو سینوں میں بیدار رکھنے والے
اُن ہزارہا معلوم اور نامعلوم،
معروف اور غیر معروف
فرزندانِ کشمیر کے نام!
جن کے خون سے کشمیر کی یہ سرزمین
صدیوں سے سیراب ہوتی چلی آئی ہے۔

علّامہ اقبالؔ نے بھی اپنے اجداد کا اس طرح ذکر کیا ہے ؎

باب اوّل

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرُود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

اقبالؔ ہی نے یہ بھی کہا ہے کہ ؎

باب دُوم

اے ہمالہ داستاں اُس وقت کی کوئی سُنا
مسکنِ آبائے اِنساں جب بنا دامن ترا

اور شاعرِ مشرق نے یہ بھی کہا ہے کہ ؎

بابِ سُوم

ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
خضر سوچتا ہے وُلر کے کنارے

علّامہ اقبالؒ نے یہ بددعا بھی دی ہے ؎

باب چہارم

توڑ اُس دستِ جفاکیش کو یارب جس نے
رُوحِ آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا

اور پھر اقبالؔ نے یہ دُعا بھی کی ہے ؎

باب پنجم

آزاں مے فشاں قطرۂ بر کشیرے
کہ خاکسترش آفریند شرارے

پہلی ہجرت

ایک سرکردہ اور ممتاز مؤرخ جی، ایم، ڈی، صوفی کی تحقیق کے مطابق مملکتِ بابل میں جب نمرود کا دورۂ حکومت تھا اور حضرت ابراہیمؑ بھی اُس سرزمین پر موجود تھے۔ تو انھوں نے بنی قطورہ قبیلے میں بھی شادی کرلی تھی۔ جی، ایم، ڈی، صوفی کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کی بنی قُطورہ قبیلے سے بیوی کے ہاں جو اولاد ہوئی، اُن کو حضرت ابراہیمؑ نے بھیڑ بکریاں، اونٹ اور گھوڑے عطا کر کے مشرق کی طرف جاکر آباد ہونے کے لیے کہا کیونکہ مال مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کی تعداد انسانوں ہی کی طرح بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس لیے مستقبل میں ضرورتوں کے سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات پر قابو پایا جاسکے اور انسانی آبادی کا پھیلاؤ بھی ممکن بن جائے۔

جی، ایم، ڈی، صوفی ہندوستان کی تقسیم اور قیامِ پاکستان سے قبل متحدہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے ایک طویل مُدت تک سربراہ بھی رہے ہیں۔ جی، ایم، ڈی، صوفی نے عہدنامۂ قدیم یعنی بائبل میں درج واقعات کے حوالے سے اپنی تصانیف میں لکھا ہے۔ کہ وہ لوگ جن کو حضرتِ ابراہیمؑ نے مشرق کی طرف کوچ کے لیے کہا، اپنے مال واسباب سمیت مشرق میں آکر جس جگہ قیام پذیر ہوگئے، اُس بستی کا نام "کاشان" رکھا گیا، اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے حضرت اسحاقؑ کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے اور اُن کے بڑے فرزند حضرت اسماعیلؑ کی اولاد بنی اسماعیل کہلاتی ہے۔ جب کہ کنعان سے ہجرت کر کے 'کاشان' میں آباد بنی قطورہ والی بیوی سے ہونے والی اولاد کا شجرۂ نسب بھی براہ راست حضرتِ ابراہیمؑ سے جاملتا ہے، جی، ایم، ڈی صوفی نے تمام تر واقعات بائبل کے حوالے

سے تحریر کیے ہیں انھوں نے "کشیر" نام سے تاریخ اور کلچر آف کشمیر کے نام سے اپنی تصنیف
میں کشمیر کی ثقافت کا جو اصل دریافت کیا۔ اُس کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے
اِس امر کو بائبل کے حوالے سے درست قرار دیا ہے کہ ملکِ کنعان سے مشرق کی طرف ہجرت
کرنے والے قبیلے کے لوگ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تھے لیکن وہ بنی اسرائیل نہیں تھے، اُنکی تحقیق کیمطابق اِس
ہجرت کے کوئی چار سو سال بعد جب کاشان اور اُس کے گرد و نواح کے خطّہ میں بدامنی پھیلی تو
اِس قبیلے میں سے زیادہ تر لوگ سنٹرل ایشیا کی طرف ہجرت کر گئے۔

اور جہاں انھوں نے سکونت اختیار کی اُسے کاشغر کہا گیا، جو صدیوں تک ان لوگوں کا مسکن
رہا، لیکن جب مال مویشی اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا اور انسانی
آبادی بھی بڑھ گئی تو نئی چراگاہوں اور نئے ٹھکانوں کی تلاش میں وہاں سے بہت سے
لوگ مشرق کی طرف آئے اور پھر نہ جانے کب اور کس وقت دردستان کے علاقے سے
ہوتے ہوئے وہ سینکڑوں لوگ ہمالہ کے دامن میں آکر آباد ہو گئے۔

ہو سکتا ہے کہ اس قبیلہ کے لوگ موسم گرما میں اس خطّے میں آئے ہوں جس کا نام
کیشر رکھا گیا اور جس کے باشندوں نے خود کو کُشر کہا۔ یہ دونوں الفاظ عبرانی زبان کے
ہیں۔

چونکہ وہ لوگ تجربہ کار تھے اس لئے اُنہوں نے موسم گرما کے اختتام سے پہلے ہی نشیبی علاقوں کی
طرف آکر اپنے رہن سہن کا انتظام کیا، وہ غاروں میں رہتے تھے اور اپنے مال مویشی اور بھیڑ بکریوں
کیلئے ایسی پناہ گاہیں، جن میں پتھر استعمال کئے جاتے تھے، تعمیر کر کے ان کی حفاظت کا انتظام کر لیتے تھے
وہ درختوں کو کاٹ کر اپنے غاروں کے اِرد گِرد آگ کے الاؤ جلا لیا کرتے تھے۔ تاکہ خونخوار جانور اُن کے
نزدیک نہ آسکیں۔

ان کے پاس تبر، تیر اور دوسرے تیز دھار ہتھیار تھے، وہ ریچھ اور دوسرے خونخوار جانوروں سے ہاتھا پائی تک
کر لیتے تھے۔ شیر پر تیر کی بوچھار کر کے اُسے مار لیتے تھے۔ دوسرے جنگلی جانوروں کا شکار کر کے انھیں کھاتے تھے۔
نشیبی علاقوں میں انھوں نے موسم گرما کے دوران غلے وغیرہ کی پیداوار کا بھی کچھ

انتظام کیا تھا، خدا بہتر جانتا ہے کہ انھوں نے سرسبز وادیوں، گھنے جنگلوں، آبشاروں
اور پہاڑوں کی اس سرزمین پر اپنی زندگی کے ابتدائی ایام کس طرح اور کس حالت
میں گذارے۔ البتہ وہ زندہ رہے اور زندگی کے لیے جدوجہد بھی کرتے رہے۔
صوفی نے یہ نہیں بتایا ہے کہ کشیر سے باہر اس خطّے کو کشمیر کب اور کن لوگوں نے کہنا
شروع کیا۔ جی، ایم، ڈی، صوفی کے مطابق کشیر آکر آباد ہونے والے اس قبیلے کے زیادہ تر کنبے
اُس علاقے میں رہا کرتے تھے، جسے زوجیلہ اور آج کل زوجیلا پاس اور سونہ مرگ وغیرہ کہا جاتا ہے،
وہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کی طرح چرواہے تھے، بھیڑ بکریاں اور مال مویشی پالتے تھے، گرم موسم
میں بلندیوں پر رہا کرتے تھے اور برفانی موسم میں وہ میدانی علاقے کی طرف آکر رہائش اختیار
کرتے تھے، چنانچہ آج بھی گاندربل کے قریب لار میں اُن کی زیرِ زمین اور زمین پر
بنائی گئی پناہ گاہوں کے آثار ملتے ہیں۔ اِن علاقوں میں رہنے والے
تمام چرواہے مرد و زن "ہول" یعنی کمر باندھ کر رکھا کرتے۔ جیسا کہ ملکِ کنعان
میں رواج تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر غاروں میں بسیرا کرتے تھے۔ آبادی میں اضافے
اور زمان و مکان کی تبدیلیوں نے غاروں میں رہنے والی آبادی کے ایک
حصّے کو دریا اور جھیلوں پر کشتی نما مکان تعمیر کرنے کی طرف رجوع کیا۔ کیوں کہ پانی پر بھی
انسانی زندگی محفوظ خیال کی جاتی تھی۔ جہاں جنگلی جانور حملہ آور نہیں ہو سکتے
تھے۔ اُس زمانے اور اُس کے بعد کے زمانے کے غاروں کے آثار آج بھی جگہ
جگہ ملتے ہیں۔ صورہ کے قریب آنچار، حول، گاندربل، تیل بل، ہارون، بُرزہ ہامہ اور
دوسرے کئی مقامات پر آج بھی دو تین ہزار سال پہلے کے اِن طویل غاروں کے آثار پائے
جاتے ہیں، جن کے اندر رہن سہن کے طور طریقوں اور دوسرے لوازمات کا پتہ چلتا ہے، بعد
میں جب غاروں کے مقابلے میں پانی پر زندگی کو زیادہ محفوظ خیال کیا گیا، تو دریا اور مختلف
جھیلوں پر کشتی نما مکان دکھائی دینے لگے اور صدیوں تک یہ رسم و رواج چلتا رہا۔
انسانی آبادی کے پھیلاؤ اور دریا اور جھیلوں کے کنارے، جنگل کم ہو جانے کے بعد

دریا اور جھیلوں کے کناروں پر آباد ہونے کی تحریک و ترغیب پیدا ہوگئی۔ چنانچہ آج بھی کشمیر کی بیشتر آبادی دریا اور جھیلوں کے کناروں پر آباد ہے۔ جھیل کو کشمیری میں ڈل کہا جاتا تھا اور کنارے کو کشمیری میں بل کہا جانے لگا، جیسے، یاربل، چھتر بل، ہریہ بل، کھنہ بل، اہرہ بل، کوندہ بل، گگری بل، نچہ بل۔ حضرت بل، تیل بل، گاندربل، مانسبل، حاجی بل، نالہ بل، تارہ بل، تراگہ بل، سمن بل، نارہ بل، اُچھ بل وغیرہ اُس زمانے میں کوئی شہر وغیرہ نہیں تھا اور لباس اور طرزِ تعمیر ایسا تھا جو انسان کو سردی سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔

بہت بعد میں شہر پناہ وجود میں آیا اور آبادی کی حفاظت کے لیے انسانوں کی بستی کے اِردگرد فصیل تعمیر کرلی گئی اور شہر سے باہر آنے کے لیے اِس فصیل میں کئی جگہ بڑے بڑے دروازے رکھے گئے، جن میں سے کچھ آج بھی موجود ہیں۔ بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے پیشِ نظر فصیل والے شہر کے باہر کچھ نئی بستیاں بھی بسائی گئیں اور اُن کے الگ الگ نام رکھے گئے جیسے نوشہر وغیرہ، یعنی نیا شہر، آبادی پھیلتی گئی اور انسانوں کے طور طریقے بھی تبدیل ہوتے چلے گئے۔ تاہم اس آبادی کا وادی سے باہر کوئی رابطہ نہیں تھا اور کبھی کبھار اگر جنوب مغرب سے حملہ آور یا کچھ سیاہ لوگ بلند پہاڑی درّوں سے گذر کر یہاں آتے تھے تو اُن کو اجنبی سمجھا جاتا تھا۔ اور ان کو اس خطے میں بود و باش کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔

مشہور انگریز مصنف اور محقق اور مؤرّخ سر فرانسس ینگ ہسبنڈ جب پہلی بار کشمیر آیا تو اُس نے اپنی تحقیق کی بنا پر اپنی تصنیف **The Story of Mountains** میں لکھا ہے کہ کشمیری بڑے عقلمند لوگ ہیں۔ ان کو اپنی نسلی برتری پر بڑا فخر ہے۔ وہ اپنی سرحدوں کی ہمیشہ رکھوالی کرتے رہتے ہیں اور کسی اجنبی کو اپنے ملک میں نہیں رہنے دیتے۔ جب اونچے پہاڑی دروں سے گزر کر کچھ لوگ اس سرسبز اور شاداب آبشاروں والی زمین پر آتے ہیں، تو یہاں کے باشندے اُن کو یہ کہہ کر ڈراتے ہیں کہ برفانی موسم آتے ہی اس وادی میں ایک دیو نمودار ہوجاتا ہے جو انسانوں کو کھاجاتا ہے، اس سے خوفزدہ

ہوکر باہر سے آنے والے لوگ یہاں نہیں ٹھہر پاتے تھے۔ البتہ بعد کے زمانے میں بہت سے حملہ آور دراندازی کے مرتکب ہوتے رہے، اِن میں وہ بُودھ بھی شامل تھے، جنہوں نے اس خطے کے خلاف یلغار کردی اور اسے اپنا مسکن بنالیا اور طویل عرصے تک اِس سرزمین پر قابض رہے۔

بودھ لاماؤں کے اِس خطے پر تسلّط اور بودھ مت کے حامیوں کے غلبے کے باوجود شمالی علاقوں میں رہنے والی آبادی بڑی حد تک ابراہیمی مذہب اور عقیدے پر قایم رہی اور نہ صرف یہ کہ اُن میں سے اکثریت نے بُودھ مت قبُول نہیں کیا۔ بلکہ وہ لوگ جنُوب مشرقی علاقوں میں بھی پھیلتے رہے، اُنہوں نے ایک پہاڑی پر ھیکلِ سُلیمانی بھی تعمیر کیا تھا۔ جس میں تراشے گئے پتھر استعمال کئے گئے تھے اور جو بعد میں سلیمان ٹینگ کے نام سے مشہُور ہوا۔ اِس پہاڑی پر ہیکلِ سُلیمانی ڈوگرہ عہد تک قایم رہا، البتہ کشمیر پر ڈوگروں کے قبضے کے بعد ہیکلِ سلیمانی کو مسمار کردیا گیا اور اُس جگہ ڈوگروں نے شنکر آچاریہ نام سے اُسی طرح ایک مندر تعمیر کرلیا۔ جس طرح کوہِ ماراں پر قلعے کی تعمیر کے وقت اُس میں صرف ایک مسجد بنائی گئی تھی اور سِکھوں نے اپنے دورِ حکومت میں اِس قدیم قلعے کے اندر ایک گُردوارہ بنایا اور ڈوگرہ عہد میں اِس قلعے کے اندر ایک مندر بھی تعمیر کرلیا گیا۔ بودھ لاماؤں کے دور میں بھی شمالی علاقوں کی آبادی خُود اپنی بُود و باش کا اِنتظام کرتی تھی۔ اُن کی چراگاہیں بھی محفُوظ تھیں۔ اس قبیلے کی آبادی میں وقت کے ساتھ ساتھ اِضافہ بھی ہوتا رہا اور زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ اُن کے رہن سہن کا اندازہ بھی بدلتا رہا۔ وہ لوگ بڑے جفاکش تھے اور اُن کا طرزِ زندگی نہایت سادہ تھا۔ سلاطینِ کشمیر کے دور میں اُس علاقے میں جسے بعد میں سونہ مرگ کہا جانے لگا ایک چوتھائی میل کے برابر ایک غار کے آثار دریافت ہوئے۔ جس کی چوڑائی اور اُونچائی ایسی تھی کہ دو آدمی بیک وقت غار کے اندر چل سکتے تھے۔ اِس غار میں کئی جگہ چونکہ گڑھے پڑ گئے تھے اور وہ بڑی حد تک

بوسیدہ ہو چکی تھی، اس لئے بعد میں وہ دب گئی ہوگی اور اُس کے آثار بھی ختم ہو گئے ہوں گے۔ البتہ اُس زمانے میں تعمیر کی گئی پناہ گاہوں کے کچھ کچھ آثار اب بھی موجود ہیں۔ جن سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اِن میں سے کچھ تو بھیڑ بکریوں اور مال مویشی کی حفاظت کی خاطر بنائی گئی تھیں اور کچھ اِنسانوں نے اپنے لئے بنائی تھیں۔ جن میں زندگی کے لئے ضروری آسائشیں بھی تھیں۔

کشمیر میں بودھوں کا عہد لگ بھگ ساڑھے سال تک بتایا جاتا ہے۔ اُس زمانے میں بھی یہاں کوئی شہر نہیں تھا۔ بودھوں نے موجودہ سرینگر سے تقریباً ۱۶ کلومیٹر مغرب کی طرف پرہاس پورہ کو اپنا صدر مقام بنایا تھا کے مقام پر اپنا مرکز قایم کیا تھا۔ جہاں آج بھی اُس زمانے کے آثار پائے جاتے ہیں۔ البتہ بودھوں اور ہندو راجاؤں کے بعد سلاطین کشمیر کے عہد میں کشمیر میں موجودہ شہر کی بُنیاد وجود میں آئی۔ اِسے شہر یا شہر خاص کہا جاتا تھا۔ سلاطینِ کشمیر کے بعد مغلوں، افغانیوں اور سکھوں کے بعد ڈوگرہ عہد میں اِس شہر کو اِبتدا میں نگر اور بعد میں سرینگر کہا جانے لگا۔ ڈوگروں نے کوہِ ماراں کا نام ہاری پربت رکھا، اِسلام آباد کو اُسی عہد میں اننت ناگ کہا جانے لگا اور کشمیر میں بہنے والے دریا کو جس کا نام ویتھ تھا۔ دریائے جہلم کہا گیا۔ بودھوں کے عہد میں بودھ مذہب اختیار نہ کرنے والوں اور بودھوں کے درمیان بقائے باہم کی کیفیت رہی البتہ اُس کے بعد اس میں تبدیلی آئی۔

کشمیر میں انسانی زندگی کا قدیم عہد

مُلکِ کنعان سے ہجرت کر کے مشرق کی طرف آنے والے لوگ حضرت سلیمانؑ کے عہد تک کاشان اور آس پاس کے علاقوں میں رہے ہوں گے، ان علاقوں میں صدیوں تک بود و باش کے دوران ان کے مال مویشی اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں میں بہت زیادہ اضافہ اور ان کے رہن سہن طرزِ زندگی اور زبان اور ثقافت میں بھی بھاری تبدیلیاں ہوئی ہونگی۔

البتہ اس خطّے میں بد امنی اور بار بار حملہ آوروں اور اس خطّے کے جنگ کی آماجگاہ بن جانے سے اس قبیلے کے کچھ لوگ واپس کنعان لوٹ گئے اور بہت سے لوگ مشرقی علاقوں کی طرف، جن کو بعد میں سینٹرل ایشیا کہا گیا، جا کر آباد ہو گئے، جس کو کاشغر کہا گیا۔ جہاں ان کو زیادہ عرصے تک سکون میسر نہیں آسکا۔ اور وہ جنوب کی طرف علاقۂ درد میں آکر قیام پذیر ہو گئے۔ جسے بعد میں دردستان کہا گیا۔

چھ سو سال قبل مسیح میں آذربائیجان کے پشتیمان قبیلے کے زرتشت نامی شخص نے اپنے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا، تو آتش پرستوں کے اس مذہب کو بڑا فروغ ملا۔ زرتشت کے ایک پیرو کار مزدک نامی ایک شخص نے خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے جب لوگوں کو اس خطے میں جاگیر داروں اور سرمایہ داروں کے خلاف بغاوت پر اُکسایا، تو اس پورے خطّے میں بار بار جنگ و جدل کی کیفیت اور افراتفری پیدا ہو گئی۔ جس کا ایک مغربی مؤرخ کرسٹن سن نے تفصیل سے تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ مختلف قبیلوں کے حملہ آوروں نے کاشغر اور دردستان کے علاقوں میں بھی پاؤں جمانا شروع کر دیئے۔ جس کی وجہ سے دردستان میں عبرانی قبیلے کے بہت سے لوگوں نے امن و سکون کی تلاش میں اس پہاڑی خطّے کا رُخ کیا جس کا انھوں نے

"کشمیر" نام رکھا اور جہاں آکر انھوں نے مستقل سکونت اختیار کرلی۔

کشمیر میں انسانی زندگی کے اس ابتدائی عہد کا حال احوال پراسرار بھی ہے اور بڑی حد تک نامعلوم بھی۔ اس لیے اس ابتدائی عہد میں زندگی کے رنگ ڈھنگ، رہن سہن اور دوسرے معاملات کا زیادہ سُراغ نہیں لگایا جاسکتا۔ کیونکہ خِطے میں ذرائع اور وسائل بہت محدود تھے اور آبادی بالکل الگ تھلگ تھی۔

انسانی زندگی کے اس ابتدائی عہد میں فقط تین چیزوں پر انحصار تھا اور لکڑی، مٹی اور گھاس کے سوا انسانوں کو اور کچھ میسّر نہیں تھا۔ اس عہد میں گھاس کے بچھونے ہوا کرتے تھے۔ زندگی گزارنے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے گھاس کا بہت زیادہ استعمال ہوا کرتا تھا۔

مال مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کے لیے جو قدرتی گھاس اُگا کرتی تھی۔ اس گھاس سے بچھونوں کے علاوہ جوتے وغیرہ بھی بنالیے جاتے تھے۔ گھاس کے جوتوں کو پلہور کہا جاتا تھا گھاس سے چٹائیاں وغیرہ بھی بنالی جاتی تھیں اور گھاس کی بنائی گئی چٹائی کو تیج کہا جاتا تھا۔ ان چیزوں کا ایک طویل مدت تک رواج رہا۔ پلہور سے برف پر چلنے پھرنے میں بھی آسانی ہوتی تھی۔

روشنی، آگ اور دوسری ضروریات لکڑی سے پوری کرلی جاتی تھیں۔ خونخوار جانوروں سے محفوظ رہنے کے لیے بھی لکڑی کے ہتھیار بنالیے جاتے تھے اور جنگلوں کو انسانی تحفظ کا ایک اہم ذریعہ بنالیا گیا تھا۔

مٹی کے برتن وغیرہ بنانے اور ان کو آگ میں تپاکر پختہ کرلینے کا طریقہ بھی ایجاد کرلیا گیا تھا۔ لوگ چونکہ غاروں میں رہا کرتے تھے۔ اس لیے ان غاروں کے اندر رہن سہن کے عجیب وغریب طور طریقے ہوا کرتے تھے اور غاروں کے اندر الگ الگ کمرے بھی بنالیے جاتے تھے۔ بھیڑ بکریوں کی اون سے لباس وغیرہ کی ضرورت پوری کرلی جاتی تھی۔ ان حالات میں انسانی

آبادی میں بھی بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہوتا رہا اور پھر بودھ جب ایک لشکر جرّار لے کر اس خطے میں آئے تو اس کے بیشتر حصّے پر قابض ہوگئے۔ اس کے بعد جب کشتواڑ کے ہندو راجاؤں نے جب کشمیر کو اپنی مملکت بنایا تو مذہب اور عقیدوں میں تبدیلی عام ہوگئی۔ ان تبدیلیوں نے کشمیر کی اصل آبادی کو ایک نئی صورتِ حال سے دوچار کردیا۔ ہندو راجاؤں کے اس عہد میں اور بھی بہت سی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔

مجبوریوں اور ضرورتوں کے پیشِ نظر اس آبادی کی اکثریت نے ہندو مذہب تو قبول کرلیا، لیکن لوگوں نے اپنی شناخت اور پہچان کو برقرار رکھا۔ لوگوں نے اپنے قدیم طور طریقے رہن سہن اور عادات و اطوار کسی نہ کسی طرح برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ ہندو مذہب اختیار کرنے کے باوجود لوگوں نے خود کو ہندو نہیں کہا بلکہ اہلِ ہنود ہوتے ہوئے بھی کوشر بٹہ کے طور پر اپنی شناخت اور پہچان بنائے رکھی۔ بٹہ دردی زبان میں پڑھنے والے اور مبلّغ کو کہا جاتا تھا۔ چنانچہ پڑھے لکھے ہونے کی بنا پر راجے کشمیریوں کو اہم سرکاری اور درباری عہدے دینے پر مجبور ہوگئے۔ اس اصل اور مقامی آبادی کے علیحدگی پسند ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ہندوؤں کے طور طریقوں اور حکمران ذہن کے خلاف تھی، اس لیے وہ لوگ ہندوؤں کے ساتھ مدغم نہیں ہوئے اور اپنا الگ کلچر قائم رکھا۔

اس آبادی نے پڑھ لکھ کر صلاحیت حاصل کرکے ہندو حکمرانوں کے مقابلے میں جس باعزّت طبقے کی حیثیت حاصل کرلی اسی کی بنیاد پر بعد میں ان کو پنڈت کہا جانے لگا پنڈت۔ دانا، پڑھے لکھے کو کہا جاتا تھا۔

یہی پڑھے لکھے لوگ ہندو راجاؤں کے درباروں میں اعلیٰ مشیروں کے عہدے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان لوگوں میں مصوّر اور مورّخ پیدا ہوگئے۔ جیسے پنڈت کلہن۔

ہندو راجاؤں کا آخری عہد بڑی افراتفری کا زمانہ تھا۔ امن و قانون کی حالت زوال پذیر

ہو چکی تھی۔ غالباً اسی لیے لوگوں نے رتن جو رنچیانی رینچن شاہ نام کے اُس تبتی شہزادے کو نظامِ حکومت سپرد کر دیا، جو عام لوگوں کے نزدیک بہت سی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اقتدار میں آنے کے صرف چند ماہ بعد ہی رینچن شاہ نے ایک اسلامی مفکّر اور مبلغ سیّد شرف الدّین عبدالرحمٰن المعروف بلبل شاہ کی تبلیغ و ترغیب پر مذہب اسلام قبول کر لیا اور سلطان صدرالدین کے نام سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ کشمیری آبادی کو جب بتایا گیا۔ کہ اسلام دراصل ان کے جدِّ امجد ابراہیم کا دین ہے، تو کشمیریوں کی بھاری اکثریت بڑی تیزی کے ساتھ اور جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہوئی۔

البتہ ان لوگوں نے جو سُلطان صدرالدین کے دربار میں اہم عہدے حاصل نہیں کر سکے اور جن کو مذہبی معاملات میں اجارہ داری حاصل تھی اسلام قبول کرنے کے بجائے اپنے اختیاری مذہب پر قائم رہے اور آہستہ آہستہ ایک ایسی اقلیت میں تبدیل ہو گئے جو اکثریت کے مقابلے میں دس یا پندرہ فیصدی سے زیادہ نہیں تھی۔

اس اقلیتی فرقے پر سلاطینِ کشمیر کے عہد میں مذہب تبدیل کرنے کے سلسلے میں کوئی دباؤ وغیرہ نہیں ڈالا گیا اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو پڑھے لکھے ہونے کی بنا پر سرکاری اور درباری عہدے بھی دیئے جانے لگے۔ خاص طور پر سلطان زین العابدین العابدین کے عہد میں کشمیری پنڈتوں کا ایک طبقہ انتظامیہ میں اہم اور کلیدی عہدوں پر فائز کیا گیا۔ اقلیت ہونے کی بنا پر ان کو مراعات بھی دی گئیں اور دیگر بہت سے اقدامات بھی کیے گئے۔ جن سے کشمیری پنڈتوں کی حوصلہ افزائی بھی ہوئی اور ان کو اپنے تحفّظ کا یقین بھی ہو گیا۔

ہندو، راجاؤں کا عہد

اس حقیقت کو کوئی شخص نہیں جھٹلا سکتا کہ کشمیر کی تاریخ قلمبند کرنے والوں میں سے زیادہ تر نے تاریخ کے ساتھ بڑی زیادتیاں کی ہیں اور محض سُنی سُنائی باتوں، قصے کہانیوں اور افسانوں کو کشمیر کی تاریخ کے طور پر پیش کیا۔ جس کی لاتعداد مثالیں تاریخ میں جگہ جگہ ملتی ہیں افسانوں کو تاریخ کا رنگ دینے کے کام میں پنڈت کلہن نے نہایت بے بصیرت ہونے کا مظاہرہ کیا ہے، وہ خود شومت کا پیرو تھا، چنانچہ ایک جگہ اُس نے لکھا ہے کہ ۱۰۲۸ ق م جب کشمیر میں راجہ نر کی حکومت تھی تو اُس نے کشمیر میں بدھ مت کے بچے کھچے پیروؤں کا صفایا کر دیا، پنڈت کلہن لکھتا ہے کہ اُن ایام میں لساکھی نام کا ایک برہمن کسی جگہ سے تھکا ہوا ایک چشمے پر پہنچا جہاں وہ ستو نکال کر بڑے مزے سے چشمے کے کنارے پر بیٹھ کر کھانے لگا کہ اسی دوران اُس نے پریوں کی سی آواز سنی اور پھر دو انتہائی خوبصورت لڑکیاں آسمانی رنگ کی پوشاک میں نمودار ہوئیں اور جنگلی جھاڑیوں میں جا کر جنگلی میوے کھانے لگیں۔ برہمن نے اُن میں سے ایک کو بُلا کر اُسے کھانے کے لئے ستو دیا اور پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم گندے میوے کیوں کھا رہی ہو، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں ناگ کی لڑکیاں ہیں ایک نے اپنا نام ابراوتی بتایا اور دوسری نے چندر راہ ریکھا نام بتایا اور برہمن سے کہا کہ اگر تم اِس کا سبب جاننا چاہتے ہو تو پانپور کے قریب ہمارے گاؤں میں آ جاؤ وہاں ہمارا باپ جس کے سر کے بالوں سے پانی ٹپکتا ہے تم کو سب کچھ بتا دے گا یہ کہنے کے بعد دونوں لڑکیاں غائب ہو گئیں۔ اِس کے بعد برہمن مُقررہ جگہ پر پہنچا جہاں وہ دونوں لڑکیاں اور اُن کا باپ موجود تھے۔ برہمن مذکورہ نے ناگ کا حال احوال دریافت کیا تو اُس نے برہمن کو بتایا کہ وہ دیکھ کر

کہ اُس درخت کے نیچے لمبی چوٹی والا جو شخص بیٹھا ہے وہ میوہ جات اور محلات کا موکل ہے اگر تم اُسے اناج کھلا دو، تو ہم کو نجات مِل سکتی ہے، چنانچہ برہمن نے اُس شخص کو دھوکے سے اناج کھلا دیا اُس کے اناج کھاتے ہی ناگ نے اُولے برسانا شروع کر دیئے اور بہت سا اناج لے کر اپنے چشمے پر گیا اور برہمن کو بھی ساتھ لے گیا جہاں اُس نے برہمن سے پوچھا کہ مانگ لو کیا مانگنا چاہتے ہو، برہمن اِس موقعے کی تاک میں تھا اور اس نے ناگ سے چندر راہ ریکھا مانگی۔ چنانچہ ناگ نے بے شمار مال و دولت کے ساتھ لڑکی اُس کو دے دی، پنڈت کلہن لکھتا ہے کہ ایک دن برہمن اپنے گھر سے باہر تھا اور چندر راہ ریکھا نے شالی دھوپ میں ڈالی ہوئی تھی کہ اچانک اس پر ایک ٹٹو آن پڑا۔ چندر راہ ریکھا اُسے بھگانے کے لئے اُس کے پیچھے دوڑی اور اپنا ہاتھ ٹٹو کی بیٹھ پر رکھا جس سے بیٹھ کی وہ جگہ سُنہری ہوگئی، اس بات کا چرچا عام ہوگیا، جب راجہ کو اس کی اطلاع ملی تو اُس نے برہمن کو بُلا کر کہا کہ وہ چندر راہ ریکھا کو اُس کے حوالے کر دے لیکن برہمن نے ایسا نہیں کیا بلکہ نظر بچا کر اور چندر راہ ریکھا کو اپنے ہمراہ لیکر وہاں سے بھاگ گیا اور ناگ کے پاس پہنچا۔ ناگ اِس راجہ کی حرکت پر آندھی کی طرح اُٹھا اور بگولے کی طرح راجہ سمیت اُس کی راجدھانی کو جلا کر خاکستر کر دیا، اس ناگ کی بہن ستی ناگن نے جب یہ قصہ سُنا تو وہ بھی ایک پہاڑ اُٹھا کر راجہ کی سرکوبی کے لئے دوڑی۔ لیکن راجہ کا کام پہلے ہی تمام ہو چکا تھا۔ اِس لئے ستی ناگن نے وہ پہاڑ راستے میں پھینک دیا، جس سے بیس میل تک پتھر ہی پتھر ہو گئے۔ اِس کے بعد ناگ وہاں سے شیش ناگ جا پہنچا۔ داماد کو بھی ساتھ لے گیا اور بقولِ پنڈت کلہن تب سے اب تک ناگ اور اس کا داماد امرناتھ کے راستے میں ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے افسانوں اور کہانیوں سے اور من گھڑت قصوں سے کشمیر کی تاریخ قلمبند کی گئی، جن کا سر ہے نہ پاؤں اور جن کو کشمیر کی تاریخ لکھنے والے دوسرے لوگوں نے بھی تاریخ کے طور پر بیان کیا ہے۔

محمد اعظم دیدہ مری اور محمد الدین فوق نے پنڈت کلہن کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۵۴۰ء میں جب راجہ دینادت کی حکومت تھی تو اس راجہ کے کشف و کرامات بڑے مشہور تھے۔ وہ پانی کی سطح پر چلتا تھا ۴۲ سال حکومت کے بعد ایک دِن اُس نے راستے پر کسی مسافر کی لاش پڑی دیکھی تو اُسی وقت مر گیا تو پانی

نے اُس کی لاش آسمان کی طرف پھینک دی اور لوگوں کو یقین تھا کہ اُس کی لاش آسمان پر ہے ایک اور افسانہ اِس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ ۱۱۲۵ء میں جب چنگیز خان ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ تو کشمیر کا راجہ جے سنگھ اس کے مقابلے میں دریا اٹک کے کنارے جا پہنچا۔ جہاں اُس نے ایک دن اپنے وزیر مُول چند کو حکم دیا کہ چنگیز خان کے لشکر میں جاسوس بھیجے جائیں، چنانچہ پنڈت کلہن کی راج ترنگنی کے آٹھویں ترنگ کے حوالے سے لکھا گیا کہ راجہ کا وزیر مُول چند خود جاسوسی کرنے کے لئے چنگیز خان کے لشکر میں جا پہنچا اور تمام پہرے داروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر دبے پاؤں چنگیز خان کے خیمے میں داخل ہوگیا اور اُس کے سرہانے اپنا جوتا رکھا اور جوتے میں ایک خط رکھکر واپس آگیا جب چنگیز خان صبح کو بیدار ہوا تو سرہانے پر جوتا دیکھکر حیران ہوگیا، اُس نے جوتا اٹھایا تو اس میں سے خط نِکلا، جس کا مضمون یہ تھا:۔ "میں مسمی مُول چند کشمیر کے راجہ جے چند کا وزیر ہوں میں رات کو تمہارے سر پر آن پہنچا جب تم خوابِ غفلت میں تھے، میں نے چاہا کہ تمہارا سر تن سے جُدا کر دوں، لیکن بے خبری میں تم کو قتل کرنا مناسب نہ سمجھا، اگر تم میں شرم وحیا ہے تو سوچ لو کہ ہم جیسے بہادروں سے لڑنا ٹیڑھی کھیر ہے" چنگیز خان خط دیکھکر اپنی حماقت پر سخت نادم ہوا اور اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیکر واپس لوٹ گیا۔ پنڈت کلہن راج ترنگنی میں ظالم کو تُرک لکھتا تھا اور مُخالف اقوام کو ترکوں سے منسوب کرتا تھا۔

شنکر آچاریہ کے کشمیر آنے کے بارے میں بھی کوئی ایسی تاریخی سند نہیں ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ جنوبی ہندوستان کا کوئی شنکر آچاریہ کشمیر آیا تھا یا نہیں اور اگر آیا تھا تو کب آیا تھا۔ بعض ہندو مورخین نے لکھا ہے کہ شنکر آچاریہ چھ سو سال ق۔م کشمیر آیا تھا اور بعض نے لکھا ہے کہ وہ آٹھ سو سال ق۔م آیا تھا جبکہ بعض ہندو مورخ لکھتے ہیں کہ شنکر آچاریہ تین سو سال ق۔م کشمیر آیا تھا اس تضاد سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شنکر آچاریہ کے کشمیر آنے کے بارے میں کوئی باوثوق تاریخی شہادت موجود نہیں۔ گلزارِ کشمیر اور گلدستۂ کشمیر کے مصنفوں نے شنکر آچاریہ کے کشمیر آنے کا بالکل کوئی

تذکرہ نہیں کیا ہے البتہ پنڈت کلہن نے راجہ سہم دیو جو ۱۲۹۲ء میں برسرِ اقتدار آیا تھا کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے صِرف اِس قدر لکھا ہے کہ شنکراچاریہ اِسی راجہ کے دور میں کشمیر آیا اور کوہِ سلیمان کے دامن میں قیام کیا جو اِس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ ہندو راجاؤں کے عہد میں اس پہاڑی کو کوہِ سلیمان ہی کہا جاتا تھا۔ مشہور مؤرخ پروفیسر راجہ رام لکھتے ہیں کہ شنکراچاریہ کشمیر آئے اور اپنے عقائد کا پرچار شروع کیا۔ کوہِ سلیمان کے دامن میں قیام کے تھوڑے دِنوں بعد بدری ناتھ اور کدارناتھ کی طرف گئے اور ۳۲ سال کی عُمر میں کدارناتھ میں ہی اِنتقال کیا۔ جبکہ بعض دوسرے ہندو مصنفوں نے لکھا ہے کہ شنکراچاریہ کشمیر آئے اور کوہِ سلیمان کے دامن میں قیام کیا اور اِسی جگہ انتقال کر گئے۔ اُن کے بیان کے مطابق شنکراچاریہ کی کشمیر میں آمد کے وقت بُدھ مت کے بڑے بڑے عُلماء کشمیر میں موجود تھے۔ جن سے بقولِ اُن کے شنکراچاریہ بحث کیا کرتے تھے لیکن اُنہوں نے بھی نہ تو شنکراچاریہ کے کشمیر آنے کے زمانے کا کوئی ذکر کیا اور نہ کوئی دوسری تفصیل بیان کی۔ صرف اتنا لکھا گیا ہے کہ شنکراچاریہ شِومت کا پیروکار تھا۔ بعض ہندو مورخوں نے شنکراچاریہ کے کشمیر میں آنے کا زمانہ ۱۳۲۴ء لکھا ہے اور اُن کے بیان کے مُطابق اُس وقت کے راجہ کے عہد میں کشمیر میں انارکی پھیلی ہوئی تھی۔ فتنہ اور فساد بپا تھا اور سرکردہ درباریوں نے ایک سازش کے تحت راجہ سہدیو کو قتل کروایا۔ اس عہد کو طوائف المُلوکی کا زمانہ کہا گیا ہے۔ اِسی عہد میں لنکر چک کی قیادت میں چکوں کا قبیلہ کشمیر آیا اور اِسی عہد میں سوات سے شہمیر نامی ایک سردار اور تبت کا شہزادہ رتن جو رنجیانی رنچن شاہ نے کشمیر آ کر سکونت اِختیار کی۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ اِسی دَور میں تاتاری سردار زوَلچو ایک لشکرِ جرار لے کر کشمیر آیا اور یہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ موسم گرما کے دوران یہاں قیام کے وقت زُولچو نے بے پناہ مظالم ڈھائے اور آٹھ ماہ تک کشمیر میں قیامت بپا کرنے کے بعد دیوسر کے راستے جب واپس جا رہا تھا تو برفانی طوفان میں وہ اور اُس کا سارا لشکر دب کر ہلاک ہو گیا۔ زُولچو کے طوفانِ بدتمیزی کے دوران راجہ سہدیو اپنے کُنبے سمیت کشمیر سے فرار ہو کر اپنے آبائی وطن کشتواڑ

چلا گیا۔ بعض ہندو مصنفوں نے بھی لکھا ہے کہ راج ترنگنی کے مصنف نے بہت سے اہم تاریخی واقعات کو نظر انداز کیا ہے۔ اس تاریخی حقیقت کو بھی مختصر اور غیر اہم طریقے پر قلمبند کیا گیا کہ جب تبت سے آئے ہوئے رتن جو رنجیانی رنچن شاہ نے سید عبدالرحمان شرف الدین المعروف بُلبُل شاہ کی تحریک و ترغیب پر اِسلام قبول کر لیا تو کشمیر کی اُس وقت کی نِصف سے زیادہ آبادی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔ اُسی عہد میں تقریبًا ہر علاقے میں مسجدیں تعمیر کر لی گئیں اور بہت سے لوگ مبلغ بن گئے۔ کشمیر میں اسلام کے اتنی سرعت کے ساتھ پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جب لوگوں کو بتایا گیا کہ اِسلام دراصل اُسی دین اور عقیدے کا نام ہے جو ابراہیمؑ کا دین اور عقیدہ تھا اور اس خِطے کے لوگ چونکہ خود کو حضرتِ ابراہیمؑ کو اپنا جدِ امجد تسلیم کرتے تھے۔ اِس لئے لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ سلطان صدرالدین کے مختصر عہد میں مذہب کی تبدیلی کے جِس رُجحان نے فروغ پایا۔ اُس میں سُلطان شمسُ الدین کے عہد میں اور زیادہ اِضافہ ہو گیا اور ہندو آبادی ایک معمولی سی اقلیت بن کر رہ گئی جِس کا خود ہندو مصنفوں نے بھی اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ کشمیر میں صِرف گیارہ کُنبے ہندو مذہب پر قائم رہے جسے ایک کہاوت کے طور پر بھی پیش کیا جاتا تھا۔ اس معمولی سی اقلیت میں بھی زیادہ تر وہ پنڈت شامل تھے جن کی ہندو مذہب پر اجارہ داری تھی اور اِسی مذہب کی وجہ سے اُن کی عزت وغیرہ بھی کی جاتی تھی،

بودھ عہد کے خاتمے پر

بودھ عہد کے آخری دور میں کشتواڑ اور دوسرے علاقوں کے ہندو راجاؤں نے یکے بعد دیگرے کشمیر پر کئی حملے کئے اور آخر کار بودھ عہد کو ختم کر دیا اور کشمیر پر تسلط جما لیا ہندو راجاؤں کے ۱۲ سے زیادہ خاندان اس خطے پر حکمران رہے، اس عہد کا ۱۳۲۴ء میں راجہ سہدیو کے بعد خاتمہ ہو گیا، جو اس خطے پر حکومت کرنے والا آخری ہندو راجہ تھا۔ اُس کی موت کے بعد تبت سے جلاوطن کئے گئے ایک بودھ شہزادے رینچن شاہ نے اقتدار پر قبضہ کر لیا جو ایک اسلامی مفکر اور مبلغ سید شرف الدین عبدالرحمٰن المعروف بلبل شاہ کی تحریک اور ترغیب پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ اور سلطان صدر الدین کے نام سے تین برس تک اقتدار کا مالک رہا۔ اُس کی موت کے بعد اُس کے ایک مشیر اعلیٰ شاہ میر نے جو غالباً سوات یا علاقہ ہزارہ میں وادی پکھلی کا رہنے والا تھا اقتدار پر قبضہ کر لیا اور سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کر کے بادشاہ بن گیا سلطان شمس الدین کے وقت سے کشمیر میں سلاطین کا عہد شروع ہوا اور اس خاندان کے بعد اقتدار چک خاندان کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ سلاطین کشمیر کا عہد کوئی دو سو سال کے بعد ۱۵۸۷ء میں اُس وقت ختم ہو گیا، جب ہندوستان کے بادشاہ جلال الدین اکبر نے کشمیر پر چڑھائی کر دی اور اسے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ سلاطین کشمیر کے عہد میں اس شہر کو چونکہ مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی، اس لئے دریا کے کناروں پر آبادی کے عبور و مرور کے لئے زین العابدین بڈشاہ نے ۱۴۳۷ء میں پہلا پل تعمیر کیا، جس کا نام زینہ کدل رکھا گیا۔ مغل سلطنت کے زوال اور احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں کے نتیجے میں کشمیر کو افغانستان کا حصہ بنا لیا گیا اور افغانیوں نے اسے اپنی سلطنت

میں شامل کر لیا۔ اُس زمانے میں کشمیر کا دارالحکومت کابل ہوا کرتا تھا۔ جہاں سے گورنر مقرر کئے جاتے تھے۔ اِن گورنروں میں سے ہی ایک افغان گورنر امیر محمد خان شیر جوان نے دریا پر جو پل تعمیر کیا اُس کا نام امیرا کدل رکھا گیا۔ امیر محمد خان شیر جوان نے امیرا کدل کے قریب گورنر کی قیام گاہ تعمیر کر لی جس کا نام شیر گڑھی رکھا گیا۔ حبیب اللہ خان افغان گورنر نے حبہ کدل تعمیر کیا، فتح محمد خان نے فتح کدل تعمیر کیا اور جب دریا پر سات

پل تعمیر کیے گئے جس کی وجہ سے اسے سات پلوں کا شہر کہا جانے لگا۔ مغلوں اور افغانوں کے بعد سکھوں نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ افغانوں کا دور خود افغانوں کی سازشوں سے ختم ہوا افغانیوں نے ہندوستان کی تحریک مجاہدین کے خلاف سکھ حکمرانوں کے ساتھ ساز باز کر کے مظفر آباد اور ایبٹ آباد کے درمیان واقع بالاکوٹ کے مقام پر سینکڑوں مجاہدین کو شہید کروا دیا اور شاہ اسماعیل کی قیادت میں مجاہدین کی جو جمعیت کشمیر آ رہی تھی وہ اپنے اُس مشن میں کامیاب نہیں ہو سکی، جس کا مقصد کشمیر کو مجاہدین کی سرگرمیوں کا مرکز بنانا تھا اور جس کے لیے کشمیر نہایت موزوں جگہ تھی۔

۱۸۱۹ء میں مجاھدین کی شکست کے بعد سکھ حکمرانوں نے کشمیر کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا اور یہاں کے لیے گورنروں کا تقرر لاہور سے ہونے لگا۔ جو سکھ مملکت کا دارالحکومت تھا تاہم اِن انقلابات کے باوجود کشمیریوں نے اپنی انفرادیت، اپنی تہذیب، اپنا تمدن، اپنی روایات اور اپنا مخصوص کلچر قائم رکھا۔

انگریزوں نے جب ہندوستان کے بہت سے علاقوں پر قبضہ جما لیا۔ تو پنجاب میں سکھ مملکت کو ختم کرنے کی تدبیروں پر عمل شروع ہو گیا۔ سکھ مملکت کے خاتمے کے بعد انگریزوں نے جموں کے مہاراجہ گلاب سنگھ کو جس نے سکھ مملکت ختم کرنے میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا، کشمیر کا پورا خطہ ۵، لاکھ نانک شاہی روپے کے عوض فروخت

کر دیا۔ راجہ گلاب سنگھ اور انگریزوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا۔ اُسے معاہدہ امرت سر یا پھر بیعنامۂ امرتسر کہا جاتا ہے۔ جس کے بعد راجہ گلاب سنگھ نے مہاراجہ کا لقب اختیار کر کے کشمیر کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا اور اس کی انفرادیت اور شناخت کو ختم کرنے کے لیے اپنی اس نئی مملکت کا نام جموں کشمیر رکھ لیا، جسے بعد میں وائسرائے ہند نے "اسٹیٹ آف جموں و کشمیر" کے طور پر تسلیم کر لیا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ ہی کی زندگی میں رنبیر سنگھ نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اُسکی موت کے بعد ۱۸۸۵ء میں پرتاپ سنگھ جموں و کشمیر کا مہاراجہ بنا اور تقریباً ۴۰ سال اس خطّے پر حکومت کرتا رہا، اُس کے دورِ حکومت میں اگرچہ انگریزوں نے دو تین بار مداخلت کر کے مہاراجہ کے اختیارات محدود کر دیئے اور اس ریاست میں اپنا ریذیڈنٹ بھی مقرر کر دیا اور تمام اہم امور میں انگریزوں کے ریذیڈنٹ سے صلاح و مشورہ لازمی قرار دیا گیا۔ پھر بھی عنانِ حکومت ڈوگرہ مہاراجہ کے ہاتھوں میں ہی رہی۔

اسی دوران پرتاپ سنگھ کا اپنے بھائیوں سے جھگڑا بھی چلتا رہا اور چونکہ وہ لاولد تھا۔ اس نے یکے بعد دیگرے چھ شادیاں کیں اور جب اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تو اس نے ڈوگرہ خاندان میں سے ایک قریبی رشتے دار کو متبنّیٰ بنا لیا اور یہ فرمان جاری کر دیا۔ کہ اُس کے بعد اُس کا متبنّیٰ ہی تخت کا وارث ہوگا۔ جبکہ اس کا ایک بھتیجا ہری سنگھ اس پر ناخوش اور ناراض ہوگیا۔ البتہ اُس نے پرتاپ سنگھ کی زندگی میں اس بارے میں کوئی اقدام نہیں کیا۔

جب پرتاپ سنگھ مرگیا تو اُن کے خاندانی رسم و رواج کے مطابق ۱۳ دن تک ماتم منانے کا اعلان کیا گیا جس کے بعد ہی نئے مہاراجے کی تاج پوشی ہونی۔ لیکن پرتاپ سنگھ کے متبنّیٰ کی تاج پوشی سے قبل ہی ہری سنگھ نے اقتدار پر قبضہ کرنے کا پلان مکمل کر لیا، اُس دوران جب ایک رات تخت و تاج کا وارث اپنی خوابگاہ شیرگڑھی پیلیس میں سو رہا تھا تو ہری سنگھ ریوالور ہاتھ میں لے کر اُس کی خواب گاہ میں داخل ہوا اور اُس سے کہا کہ وہ ہری سنگھ

کے حق میں دست بردار ہو جائے، ورنہ اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔ پرتاپ سنگھ کے متبنّیٰ نے بغیر کسی مزاحمت کے دستبرداری کی اُس دستاویز پہ دستخط کر دیئے جو ہری سنگھ اپنے ساتھ لایا تھا۔

اس کے فوراً بعد تخت و تاج کے دعوے دار مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے متبنّیٰ کو ریاست بدر کر دیا گیا۔ تاہم اس کی مہارانی کو یرغمال بنا کر رکھا گیا، تاکہ اُس کے دل و دماغ پہ ایسا اثر ڈال دیا جائے کہ وہ حصولِ اقتدار کی کوئی کوشش نہ کر سکے۔

اور اس طرح ۱۹۲۵ء میں مہاراجہ ہری سنگھ برسرِ اقتدار آگیا۔ وقت چونکہ بڑی تیزی سے بدل رہا تھا اور کشمیر کے اندر ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف اندر ہی اندر بغاوت کا لاوا پک رہا تھا۔ جس کا اظہار پہلے ہی شال بافوں کے ایجی ٹیشن سے ہوا تھا اور اس کے بعد سرینگر میں قائم کیے گئے۔ ریشم خانے کے مزدوروں اور کاریگروں نے ہمہ گیر اسٹرائیک کے ذریعے اُس سیاسی اور معاشی بیداری کو نمایاں کر دیا تھا۔ جو کروٹ پر کروٹ بدل رہی تھی۔

کشمیریوں کے ہاتھوں ڈوگرہ فوج کو شکست

تبت کے رینچن شاہ رنن جو رنجپائی کے اسلام قبول کر لینے کے بعد سلاطین کشمیر کے عہد میں اگرچہ سیاسی سوجھ بوجھ اور سیاست کے نشیب و فراز میں عام لوگوں کی دلچسپی کے بارے میں کوئی تاریخی ثبوت یا شہادت نہیں ملتی، لیکن سلاطین کے شاہی محل ہمیشہ سیاست کی آماجگاہ بنے رہے اور سیاسی وجوہات کی بنا پر بغاوتیں ہوتی رہیں۔ اقتدار حاصل کرنے کے لئے درباریوں اور بااثر حلقوں میں سیاسی محرکات کی بنا پر سازشوں کا بھی سراغ ملتا ہے۔ ان سازشوں کے اصل اسباب و علل لسانی بھی تھے، نسلی نوعیت کے بھی تھے اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے بھی سیاسی طور پر کی جانے والی سازشیں کبھی کامیابی سے اور کبھی ناکامی سے دوچار ہوتی رہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر تھوڑے تھوڑے وقفے سے تبدیلیاں بھی رونما ہوتی تھیں۔ ۱۳۸۹ء میں درباری سازشوں کی بنا پر سلطان علاؤ الدین نے اپنے بھائی جمشید کو اقتدار سے بے دخل کر دیا، لیکن حکومت علاؤ الدین کے ہاتھوں میں رہنے کے بجائے شہاب الدین کے ہاتھوں میں چلی گئی جس نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد اپنا صدر مقام شہاب الدین پورہ منتقل کر لیا۔ شہاب الدین پورہ کو بعد میں شہام پورہ کہا گیا جو اب بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ سلطان شہاب الدین نے شہام پورہ کے قریب جامع مسجد تعمیر کروائی، سرینگر کی موجودہ جامع مسجد اسی پرانی جامع مسجد کی جگہ تعمیر کی گئی ہے۔ سلطان شہاب الدین کے عہد میں ہی حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کشمیر آئے تھے جن کا سلطان نے بڑی عزت اور تکریم کے ساتھ خیر مقدم

کیا تھا، سلاطین کے عہد میں لسانی سیاست بھی غلبہ پانے کی کوشش کرتی رہی اور اس عہد کے خاتمے کے بعد جو تقریباً اڑھائی سو سال تک رہا مغلوں کے عہد میں لسانی سیاست نے مزید تقویت حاصل کر لی۔ البتہ مغل گورنروں نے لسانی سیاست کو ہر پہلو سے دبانے کی کوشش کی، مغلوں نے ڈیڑھ سو سال سے زیادہ عرصے تک کشمیر پر حکومت کی جبکہ ۱۷۵۳ء میں احمد شاہ ابدالی نے مغلوں کو کشمیر سے بے دخل کر کے اسے افغانستان کا ایک حصہ بنا لیا۔ افغانیوں کا عہد چونکہ بڑا ہولناک تھا اس لئے سیاست کی بات کسی کے بس میں نہیں رہی۔ بالکل یہی حال سکھوں کے عہد میں رہا، اس عہد میں بھی اگرچہ کشمیر میں بظاہر اور باقاعدہ کوئی سیاسی تحریک نہیں ابھری، البتہ بیرونی تسلط کے خلاف مزاحمت اور مخالفت کا لاوا اندر ہی اندر پکتا رہا، کشمیریوں میں اندر ہی اندر پکنے والا یہ لاوا ۱۸۴۶ء میں اس وقت پھوٹ پڑا جب کشمیریوں نے شیخ امام الدین کو جو سکھ حکومت کا کشمیر میں گورنر تھا اس بات پر آمادہ کر لیا کہ کشمیر کی خود مختاری کا اعلان کر دیا جائے اور لاہور سے جاری ہونے والے احکامات پر کوئی عمل نہ کیا جائے لیکن آزادی کے اس اعلان کے فوراً بعد ایسٹ انڈیا کمپنی اور پنجاب کے سکھ حکمرانوں کے درمیان ایک سمجھوتے کے مطابق انگریزوں نے کشمیر راجہ گلاب سنگھ کو فروخت کر دیا اور راجہ گلاب سنگھ جو جموں کا حکمران تھا سے کہا گیا کہ وہ اپنی فوج بھیج کر کشمیر پر قبضہ کر لے، چنانچہ جون ۱۸۴۶ء میں لکھپت رائے کی قیادت میں ڈوگرہ فوج کشمیر میں داخل ہوئی اور اس نے مائیسمہ میں ڈیرے ڈال دیئے، لیکن جب ڈوگرہ فوج کو معلوم ہوا کہ سارے کشمیری اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور پھر اچانک کشمیریوں نے ڈوگرہ فوج کے خلاف یلغار کر دی اور معرکۂ کارزار گرم ہو گیا، تو ڈوگرہ فوج کے تقریباً چار ہزار سپاہی اور عہدیدار اپنی جانیں بچانے کے لئے تخت سلیمانی والی پہاڑی کے راستے اس پہاڑی کے عقب میں جنگل میں جا کر چھپ گئے۔ لڑائی کے دوران لکھپت رائے ہلاک ہو گیا اور ڈوگرہ فوج

کے کچھ افسر کوہِ ماراں کے قلعے میں جاکر چھپ گئے۔ کشمیریوں نے فرار ہونے والی ڈوگرہ فوج کا تعاقب کیا جس پر ڈوگرہ فوج نے ہتھیار ڈالدیئے اور اُن میں سے بیشتر واپس چلے گئے اور بہت سے جنگی قیدی بنالیئے گئے۔ جب اِس صورتِ حال کی اطلاع راجہ گلاب سنگھ کو پہنچی تو اُس نے انگریزوں کو باخبر کیا اور کہا کہ اُس کی فوج اکیلی کشمیر پر قبضہ نہیں کرسکتی۔ اِس لئے انگریزی فوج اُس کی مدد کو بھیجی جائے چنانچہ کرنل لارنس کی قیادت میں انگریزوں، سکھوں اور ڈوگروں نے کشمیر کی طرف پیش قدمی کی، جس پر شیخ امام الدین گھبراگیا وہ خود چونکہ پنجاب کا رہنے والا تھا اور پنجاب میں اس کی جائیداد وغیرہ ضبط کرلی گئی تھی۔ اسلیئے اُس نے کرنل لارنس کو صلح کا پیغام بھیجا، جس کے بعد سکھ، ڈوگرہ اور انگریز فوج تین اطراف سے کشمیر میں داخل ہوئی اور اس ملک پر قبضہ کرلیا۔ ڈوگرہ فوج کے خلاف مزاحمت کی پاداش میں سینکڑوں کشمیریوں کو ہلاک کیا گیا۔ ان کے کچھ قائدین کو سرِعام پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور کشمیر میں انتہائی ظالمانہ قانون نافذ کیئے گئے۔ فوج اور پولیس کے علاوہ دوسری سرکاری ملازمتوں میں بھی اِن کے داخلے پر پابندی عاید کی گئی۔ بلا اُجرت کے اِن سے کام کاج کروایا جانے لگا جسے عُرفِ عام میں "بیگار" کہا جاتا تھا۔ تاہم کشمیری عوام تھوڑے تھوڑے وقفے سے زور زبردستی کے اِس قبضے کے خلاف اکا دکا کارروائیاں کرتے رہے اور آزادی کے لئے ایک سیاسی تحریک شروع کرنے کی ہرممکن کوشش کی جاتی رہی۔ یہ صورتِ حال بیسویں صدی کے ابتدائی ایام تک قائم رہی۔ بیسویں صدی کے ابتدائی ایام میں کشمیریوں نے اپنے سیاسی حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کردی۔ لیکن کشمیری عوام چونکہ تعلیم سے یکسر محروم تھے اور صرف ہندو آبادی تعلیم حاصل کرسکتی تھی، جس میں کشمیری پنڈت بھی شامل تھے۔ اِس لئے کشمیر سیاسی مایوسیوں کی آماجگاہ بنارہا اور کبھی باقاعدہ یا منظم سیاسی تحریک کی بنیاد رکھنا ممکن نہیں ہوسکا۔ ڈوگرہ حکومت نے سیاسی سرگرمیوں پر کڑی پابندیاں عاید

کر رکھی تھیں۔ اگر کسی علاقے میں سیاسی سرگرمیوں کی کوئی اطلاع موصول ہوتی تھی تو اس پورے علاقے پر تعزیراتی ٹیکس عائد کیئے جاتے تھے۔ سماجی مسائل کے بارے میں بھی کوئی اجلاس یا جلسہ منعقد کرنے کی اجازت نہیں تھی اور اگر کوئی جسارت کرکے ایسا کرتا تو اسے جیل بھیجدیا جاتا تھا اور جیل میں بھی وہ عذاب و عتاب کا شکار ہوتا تھا۔ بیسویں صدی کے ابتدائی ایام میں بہت سے کشمیری تعلیم وغیرہ حاصل کرنے کے لئے پنجاب کے علاقوں، وزیر آباد، لاہور اور امرتسر وغیرہ جانے آنے لگے۔ ان میں سے جو لوگ حصولِ تعلیم کے بعد واپس کشمیر آئے انہوں نے بیرونی اثر کے تحت کشمیر میں بھی محدود پیمانے پر سیاسی سرگرمیاں شروع کردیں۔ ۱۹۲۹ء میں چند تعلیم یافتہ نوجوانوں نے سرینگر کے فتح کدل علاقے میں ایک ریڈنگ روم قائم کیا، جہاں وہ پڑھے لکھے لوگ جن کو سرکاری ملازمت نہیں مل سکتی تھی آتے جاتے تھے اور سیاسی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا جاتا تھا۔ مگر اِس ترکیب سے بھی کوئی بڑی سیاسی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ جامع مسجد سرینگر میں بھی جمعہ کے دن سیاسی نوعیت کی تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ حکومت نے مسجد کے صدر دروازے پر ایک نوٹس چسپاں کردیا کہ کوئی بھی شخص مسجد میں مذہبی فرائض انجام دینے کے سوا دوسری کوئی سرگرمی نہ کرے اور نہ کوئی سیاسی تقریر وغیرہ کی جائے۔ حکومت کے اس انتباہ پر عوام میں بڑا شدید ردِعمل ہوا اور جب نمازِ جمعہ پر لوگوں کی غیر معمولی تعداد مسجد میں آئی تو اسے سیاسی بیداری سے تعبیر کیا گیا۔ اس کے چند دن بعد خانقاہ مُعلّیٰ سرینگر میں جلسہ طلب کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اس جلسے میں لوگ جوق درجوق شامل ہوئے یہ کشمیر میں اپنی نوعیت کا پہلا سیاسی اجتماع تھا۔ اِس اجتماع میں میرواعظ مولانا محمد یوسف، خواجہ سعد الدین شال، شیخ محمد عبداللہ، خواجہ غلام احمد عشائی، مولوی محمد عبداللہ وکیل معبود

تھے۔ اسی اجتماع میں ۹ قائدین پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ جسے کشمیریوں کے جائز اور بنیادی حقوق پر مشتمل مطالبات کا ایک میمورنڈم تشکیل دے کر حکومت کو پیش کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس اجتماع میں عبدالقدیر نامی ایک شخص نے نہایت جوشیلی تقریر کی۔ جس پر اُسے گرفتار کرلیا گیا اور اُس کے خلاف دفعہ ۱۲۴۔ الف کے تحت بغاوت کا مقدمہ درج کیا گیا۔ عوام کے نمائندگان کی کمیٹی نے حکومت کو پیش کرنے کے لئے جو میمورنڈم تیار کیا اُس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ کشمیر میں عوام کی نمائندہ اسمبلی قائم کی جائے۔ کشمیریوں کو شہری آزادی اور پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی دی جائے۔ آبادی کے تناسب سے کشمیری مسلمانوں کو ملازمتیں دی جائیں "بیگار" ختم کردی جائے اور تمام مساجد اور مذہبی مقامات مسلمانوں کے حوالے کیئے جائیں۔ فوج اور پولیس میں بھرتی پر کشمیری مسلمانوں کے خلاف لگائی گئی پابندی ختم کی جائے۔ اسی دوران ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کی وہ خونچکاں واردات رونما ہوئی، جس میں ڈوگرہ فوج کے ہاتھوں تقریبًا ۲۲ کشمیری مسلمان شہید ہوگئے۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کو صبح سویرے سے ہی لوگ سنٹرل جیل سرینگر کی طرف دوڑ پڑے جہاں عبدالقدیر نامی شخص کے خلاف مقدمے کی تاریخ مقرر تھی۔ لوگ مطالبہ کررہے تھے کہ عبدالقدیر کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ سرینگر کی سنٹرل جیل کے باہر لوگوں کے جمع ہوجانے اور مظاہرے کرنے پر فوج نے اندھا دھند گولیاں چلا دی تھیں۔ اس واردات میں ہلاک ہونے والوں کی لاشیں جب سرینگر کی جامع مسجد لائی گئیں، سرینگر میں بطور احتجاج ہڑتال ہوگئی۔ جس کے دوران لوٹ مار کے کچھ واقعات بھی رونما ہوئے۔ سنٹرل جیل سرینگر کے باہر نہتے کشمیریوں پر فوج کی فائرنگ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور پورے کشمیر میں احتجاجی مظاہروں کے ساتھ ساتھ سیاسی بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جس نے کشمیر میں ایک باقاعدہ منظم اور ہمہ گیر سیاسی تحریک کو جنم دیا اور مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ جسے وادی تک محدود نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اسے آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے نام سے

قائم کیا گیا۔ اس مسلم کانفرنس کے بطن سے ۱۹۳۸ء میں نیشنل کانفرنس نے جنم لیا اور پھر کشمیر میں سیاسی تحریک گاؤں گاؤں تک پھیل گئی۔ جس میں تاجر، دکاندار، محنت کش، مزدور، کاریگر اور شہری اور دیہاتی آبادی یکساں طور پر شامل ہوگئی۔ اسی نیشنل کانفرنس کے بطن سے ۱۹۵۵ء میں محاذ رائے شماری نے جنم لیا۔ جسے کشمیر میں ایک طاقتور سیاسی تحریک قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسے عوام کی وسیع تر حمایت حاصل تھی۔ نیشنل کانفرنس کے بطن سے کشمیر پولیٹکل کانفرنس اور دوسری کئی سیاسی جماعتوں نے بھی جنم لیا۔ اس کے علاوہ بھی کشمیر میں بہت سی سیاسی پارٹیاں وجود میں لائی گئیں، جن میں کانگریس، جنتا پارٹی، کمیونسٹ پارٹی، پیپلز کانفرنس، پیپلز لیگ، جماعت اسلامی، عوامی ایکشن کمیٹی اور کچھ دوسری اس طرح کے ناموں پر سیاسی مسائل اور سماجی بھلائی کے لئے کام کرنے والی انجمنیں شامل ہیں البتہ کشمیر کے سیاسی میدان میں اس حقیقت کو کبھی جھٹلایا نہیں جاسکا کہ کشمیریوں نے سیاسی طور پر بھی بیرونی تسلط قبول نہیں کیا، یہی وجہ تھی کہ کشمیر میں مسلم کانفرنس، نیشنل کانفرنس، عوامی ایکشن کمیٹی اور کچھ دوسری علاقائی پارٹیاں عوام کے نزدیک تو قابل توجہ بن سکیں، لیکن درآمد کی گئی سیاسی پارٹیوں میں سے کسی بھی سیاسی پارٹی کو کشمیری عوام نے مُنہ نہیں نہیں لگایا۔ اقتدار اور اختیار کی مالک ہونے کے باوجود کانگریس کشمیر میں اپنا کوئی معمولی سا اثر و نفوذ قائم نہیں کرسکی اور ۱۹۶۴ء سے جبکہ اسے یہاں قائم کیا گیا تھا ۱۹۷۷ء تک پورے ۲۵ سال کے دوران پانچ بار کشمیر اسمبلی کے لئے کروائے گئے انتخابات میں کانگریس پارٹی کا کوئی ایک اُمیدوار بھی کامیاب نہیں ہوسکا۔ یہی حال درآمد کی گئی جنتا پارٹی کا ہوا، جو ۱۹۷۷ء میں یہاں قائم کی گئی اور اُسی سال انتخابات میں شکست کھانے کے بعد کشمیر کے سیاسی اُفق سے نابود ہوکر رہ گئی اور کشمیر میں جنتا پارٹی کی کوئی اکائی تک اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکی۔

سیاسی بیداری کی لہر

سیاسی بے چینی ان مظالم کے خلاف احتجاج کا پہلو لیے ہوئے تھی جو کشمیری عوام پر ڈھائے جا رہے تھے، چنانچہ سخت گیر پابندیوں کے باوجود کشمیری عوام نے اپنے جائز منصفانہ اور انسانی حقوق کے حصول کے لیے خانقاہِ معلّے میں اپنا پہلا جلسہ منعقد کر کے جدوجہد کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔

خانقاہِ معلّی کے اسی جلسے میں عبدالقدیر نامی ایک شخص نے، ڈوگرہ حکمران کے خلاف پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کر ڈالی۔ جس کی پاداش میں اُسے گرفتار کر کے سرینگر سینٹرل جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔ لوگوں کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ سینٹرل جیل سرینگر میں ۱۳ر جولائی کو ایک مجسٹریٹ کے سامنے عبدالقدیر کی پیشی ہو رہی ہے۔

لوگ ۱۳ر جولائی کو صبح سویرے جوق در جوق سینٹرل جیل کی جانب دوڑ پڑے، تاکہ عبدالقدیر کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کر سکیں۔ سینٹرل جیل سرینگر کے باہر میدان میں لوگوں کا جم غفیر دیکھ کر حکام سخت سٹپٹائے۔ وہ شال بافوں اور ریشم خانے کے مزدوروں اور محنت کشوں کی طرف سے اُجرتوں میں اضافے پر احتجاج جیسے واقعات پر طاقت کا استعمال کر کے قابو پانے میں کامیابی کا تجربہ حاصل کر چکے تھے، اس لیے انھوں نے سینٹرل جیل سرینگر کے باہر لوگوں کے جمع ہو جانے کو بھی ایک چیلنج سمجھا اور اس پر بھی تشدد ڈھانے کے لیے بے دریغ گولی چلائی۔ جس سے ۲۲ کشمیری جاں بحق ہو گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ سینٹرل جیل سرینگر کے باہر شہید ہونے والوں کی لاشیں جامع مسجد سرینگر کے مرکزی مقام پر لائی گئیں اور وہاں سینکڑوں لوگ سراپا احتجاج بن کر اُمڈ آئے۔

۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کی واردات اس لحاظ سے تاریخ کا اہم ترین واقعہ بن گیا کہ اس نے کشمیر کے طول و عرض میں غم و غصے اور اضطراب کی ایک لہر دوڑا دی اور سینٹرل جیل سرینگر کے باہر زمین پر گرنے والے اس خون نے ڈوگرہ اقتدار کے محل میں زلزلہ پیدا کر دیا۔

۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کو بہنے والے اسی خون نے کشمیر میں ایک ہمہ گیر سیاسی تحریک کی بنیاد فراہم کر دی اور اُن ہزاروں، لاکھوں غریب پسماندہ مظلوم اور محکوم لوگوں کے دل سوزِ یقین سے گرما دیئے، جن سے حیوانوں جیسا سلوک کیا جا رہا تھا۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کو زمین پر گرنے والے اس خون نے اس چرب دست و تر دماغ قوم کے محنت کشوں، مزدوروں، کاریگروں کسانوں کو ایسا جوش اور ولولہ عطا کیا، جس نے اُن میں اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کی جستجو اور آرزو کو جلا بخشی۔

مُسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس

آزادی کی جستجو اور آرزو کی دلوں میں دبی ہوئی چنگاری نے جب محکوموں کا لہو گرما دیا تو کشمیر میں سیاسی تحریک کا آغاز ہو گیا جس کے لیے میرواعظ کشمیر مولانا محمد یوسف، شیخ محمد عبداللہ خواجہ غلام نبی گلکار اور دوسرے کچھ اصحاب نے مسلم کانفرنس کا پلیٹ فارم قائم کیا، لیکن اس مشترکہ اور متحدہ سیاسی قیادت میں ذاتی اختلافات رُونما ہوتے ہی شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے چند حامیوں اور میرواعظ کشمیر مولانا محمد یوسف اور اُن کے رفقا نے الگ الگ راستے اختیار کر لیے۔ البتہ مسلم کانفرنس کا پلیٹ فارم قایم رہا اور دونوں فریق اپنی اپنی مسلم کانفرنس کو حقیقی قرار دینے کے ساتھ ساتھ باہمی لڑتے جھگڑتے رہے اور لوگ بھی دو الگ الگ سیاسی گروہوں میں بٹ گئے۔

پھر ۱۹۳۸ء کا وہ مرحلہ آیا جب شیخ محمد عبداللہ نے مسلم کانفرنس کا لبادہ اُتار کر نیشنل کانفرنس کا لباس پہن لیا۔ جس پر اُن کے بہت سے حامی اور ساتھی اُن کو چھوڑ گئے اور مسلم کانفرنس اپنے اصل وارثوں کے سُپرد ہو گئی، جس کی قیادت میرواعظ کشمیر مولانا محمد یوسف کر رہے تھے۔ مسلم کانفرنس کو چھوڑ کر نیشنل کانفرنس قائم کرنے کو کسی نظریاتی تبدیلی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ شیخ محمد عبداللہ نیشنل کانفرنس کے اسٹیج پر بھی خوش الحانی کے ساتھ قرآنی آیات کی تلاوت کرتے رہے، تاکہ کشمیری مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کا مقصد جاری رہے۔

نیشنل کانفرنس کے اسٹیج پر قرآنی آیات کی تلاوت پر کشمیری پنڈت ناخوش اور ناراض ہو گئے تھے، چنانچہ سرکردہ کشمیری پنڈت مسٹر پریم ناتھ بزاز نے اسی بنا پر کہ نیشنل کانفرنس

کے اسٹیج پر قرآنی آیات کی تلاوت کیوں ہوتی ہے؟ نیشنل کانفرنس چھوڑ دی۔ نیشنل کانفرنس قائم کرنے کے سلسلے میں واقف کار اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے حلقوں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے اس پس پردہ سازش کی نشان دہی کر دی تھی۔ جو ہندوستان کی آل انڈیا کانگریس کے لیڈر برصغیر کے مختلف علاقوں میں اپنے سیاسی عزائم کی خاطر کر رہے تھے، چنانچہ بعد کے حالات نے اس بات کو حقیقت ثابت کر دیا کہ شیخ محمد عبداللہ اور ان کے رفقاء اندر ہی اندر آل انڈیا کانگریس کے لیڈروں کے ساتھ میل ملاپ بڑھا رہے تھے، جب آل انڈیا کانگریس نے ۱۹۴۲ء میں "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک شروع کی تو نیشنل کانفرنس کی قیادت نے اس کی نقل کرتے ہوئے اور کشمیر میں اپنی سیاسی ساکھ کی بحالی کے لیے ۱۹۴۶ء میں "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ بُلند کیا، جس پر مہاراجہ کی حکومت نے اس پارٹی کے لیڈروں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔

شیخ محمد عبداللہ کی تقریروں کی بنا پر ان کے خلاف باقاعدہ مقدمہ قائم کیا گیا۔ جس کی بادامی باغ چھاؤنی میں عدالت لگتی تھی۔ اس مقدمہ کے سلسلے میں کانگریس نے کئی اعلیٰ وکیل سرینگر بھیجے، جن کو شیخ محمد عبداللہ کا دفاع کرنے کا کام سونپا گیا۔ البتہ مقدمے میں ان وکیلوں کا کام اُس وقت آسان ہو گیا جب شیخ محمد عبداللہ نے عدالت کے سامنے بیان دیتے ہوئے اپنے "کشمیر چھوڑ دو" کے موقف سے انحراف کرتے ہوئے عدالت کو بتایا کہ وہ مہاراجہ کی سرپرستی میں ایک ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ کر رہے ہیں انھوں نے عدالت میں پیش کی گئی اپنی اُن تقریروں کے ریکارڈ کو غلط قرار دے دیا۔ جو "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک کے سلسلے میں انھوں نے لوگوں کے سامنے کی تھیں اور جن میں انھوں نے یہ تک کہا تھا کہ کشمیری عوام امرتسر معاہدے کے تحت دی گئی ۷۵ لاکھ روپے کی رقم سود سمیت ادا کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن مہاراجہ کی حکومت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی پبلک تقریروں کے ریکارڈ کو عدالت میں غلط بتا کر

جس طرح اپنے موقف کی تردید کردی، ان کے رفقاء نے بھی عدالتوں میں یہی کچھ کیا۔ اُدھر برطانوی حکومت دوسری جنگِ عظیم کے بعد ہندوستان کی آزادی پر آمادہ ہوگئی تھی اور اس نے مسلم اکثریت کے تمام صوبوں کو ہندوستان سے الگ کرکے پاکستان میں شامل کرنے کا مسلمانوں کا مطالبہ تسلیم کرلیا۔

اور جب ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان قائم ہوگیا اور ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو باقیماندہ ہندوستان آزاد کر دیا گیا تو کشمیر کے مہاراجہ کے لیے ان دو مملکتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کا مسئلہ پریشانی کا سبب بن گیا۔

کشمیر بیاسی[۸۲] فیصدی مسلم اکثریت کی ریاست تھی۔ اس کا تمام تر کاروبار رسل ورسائل کے ذرائع اور مواصلات بھی اسی خطّے سے وابستہ تھے جو پاکستان بن گیا اور مہاراجہ کو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ کشمیری مسلمان ہندوستان کے ساتھ الحاق قبول نہیں کریں گے۔ لیکن ان تمام بنیادی حقایق کے باوجود مہاراجہ ہری سنگھ اور نئی دہلی کے درمیان کشمیر کے الحاق کے مسئلے پر سازباز ہوتی رہی۔ اسی سلسلے میں ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے سرینگر آکر مہاراجہ سے ملاقاتیں جاری رکھیں۔ اور پھر گاندھی جی بھی پہلی اور آخری مرتبہ کشمیر آئے اور مہاراجہ کے ساتھ ملاقات کرکے اُسے ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کے لیے کہا۔

اسی اثناء میں شیخ محمد عبداللہ کو بھی بھدرواہ جیل سے سرینگر لایا گیا اور مہاراجہ کے ایلچیوں نے اُن سے بھی ملاقاتیں کیں۔ چنانچہ اس صورتِ حال پر صلاح مشورہ کرنے مسلم کانفرنس کے قائد میرواعظ مولانا محمد یوسف سرینگر سے لاہور گئے۔ جہاں ۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر کے لیے ایک متوازی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ جس کا غلام نبی گلکار کو انور نام سے صدر بنا دیا گیا۔ اِس کے دو ہفتے بعد جب قبائلیوں کا ایک لشکر مظفرآباد کے راستے سرینگر جموں شاہراہ پر، سرینگر کی طرف بڑھ رہا تھا تو مہاراجہ ہری سنگھ نے بڑی تیزی کے ساتھ ہندوستان کے ساتھ الحاق کی دستاویزوں کو آخری شکل دیکر

ان پر مبیّنہ طور پر دستخط کر دیئے اور پھر مہاراجہ کی درخواست پر ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہندوستانی فوج طیاروں کے ذریعے سرینگر پہنچائی گئی۔ ہندوستانی فوج فضائی راستے سے یہاں بھیجی گئی۔ کیونکہ ہندوستان کے کسی بھی علاقے کے ساتھ کشمیر کا کوئی راستہ تب تک نہیں تھا۔ اس کے بہت بعد ہی جموں پٹھانکوٹ روڈ بنایا گیا۔ اپنی افواج کشمیر بھیجنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کشمیر کا مسئلہ اقوامِ متحدہ میں لے گیا۔ جہاں سلامتی کونسل میں اس پر بحث کے بعد کونسل کے نمائندے اس برِّصغیر کے دورے پر بھیجے گئے اور اُن کی رپورٹ کے مطابق سلامتی کونسل میں متفقہ طور پر ایک قرارداد پاس کی گئی۔ جس میں کہا گیا کہ کشمیر کے لوگوں کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ اقوامِ متحدہ کی نگرانی میں رائے شماری کے ذریعے اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں اور اُن کو یہ اختیار دیا جاتا ہے، کہ وہ اپنی رائے سے ہندوستان کے ساتھ رہیں یا پاکستان میں شامل ہوجائیں۔ سلامتی کونسل میں اس مقصد کی کئی قراردادیں یکے بعد دیگرے منظور کی جاتی رہیں۔ البتہ ۱۹۵۶ء میں کشمیر پر اُس مشترکہ اور متفقہ قرارداد کو روس نے ویٹو کر دیا، جس میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اقوامِ متحدہ کی فوج کشمیر بھیجی جائے گی جو ہندوستان اور پاکستان کی فوجوں کی جگہ لے گی اور پھر اسی فوج کی نگرانی میں کشمیر میں رائے شماری کروائی جائے گی۔

تقسیمِ ہند، قیامِ پاکستان اور کشمیر

۱۹۴۷ء میں حالات کا دھارا اس طرح بہنے لگا کہ واقعات اور حالات میں بڑی تیزی کے ساتھ تبدیلیاں ہوئیں۔ ان میں کچھ تبدیلیاں بلا سوچے سمجھے اور کچھ تبدیلیاں خلافِ توقع وقوع پذیر ہوئیں۔ اور ان تبدیلیوں کے بارے میں سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی مہلت تک نہیں دی گئی۔ دراصل دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ ذہنی طور پر اپنے تمام تر مقبوضات خالی کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

چنانچہ برطانوی حکومت نے دوسرے مقبوضات کی طرح اپنے وفد ہندوستان بھیجنا شروع کر دیئے۔ تاکہ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کے ساتھ اس ملک کے مستقبل اور اقتدار منتقل کرنے کے معاملات پر مذاکرات کیے جائیں گے۔ برطانوی حکومت کا یہ عمل ۱۹۴۷ء کے ابتدائی ایام تک جاری رہا۔ اسی دوران ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ویول کو اس کے عہدے سے سبکدوش کر کے برطانیہ کے شاہی خاندان کے ایک رکن اور برٹش بحریہ کے ایک کمانڈر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو گورنر جنرل بنا کر ہندوستان بھیجا گیا۔

اُسے ہندوستان کا مستقبل طے کرنے اور سیاسی معاملات کا حل نکالنے کے سلسلے میں مکمل اختیارات دیئے گئے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالنے کے فوراً بعد کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کے ساتھ بات چیت شروع کر دی۔ طویل بات چیت کے نتیجے میں ۳ر جون ۱۹۴۷ء کو فریقین اصولی طور پر ایک سمجھوتے پر پہنچے۔ جس میں یہ طے ہوا کہ ہندوستان کے مسلم اکثریت والے صوبوں کو خود مختاری دے کر پاکستان کا قیام عمل

میں لایا جائے اور اسی برصغیر میں دو مملکتیں قائم کر کے اُسے آزادی دیدی جائے۔ اور دوسرے تصفیہ طلب معاملے جن میں ہندوستان کے اثاثے، دفاعی سروسز اور دوسرے وسائل کی تقسیم کے معاملات شامل تھے۔ کے لئے مزید بات چیت کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ بھی طے پایا کہ بنگال اور پنجاب کو مسلم اکثریت اور ہندو اکثریت کی بنا پر تقسیم کیا جائے اور ان دونوں صوبوں میں سرحدوں کا تعین کرنے کے لئے ایک اعلیٰ اختیار کا کمیشن مقرر کیا جائے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ایک انگریز دوست ریڈکلف کو اس کمیشن کا سربراہ بنا دیا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے الگ الگ مطالبوں پر بنگال کے ایک سرحدی ضلع سلہٹ اور شمالی مغربی صوبہ سرحد میں اس بات پر ریفرنڈم کروانے کا فیصلہ کیا گیا کہ وہ ہندوستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ شمال مغربی سرحدی صوبے اور سلہٹ میں رفرنڈم کا فیصلہ پاکستان کے حق میں گیا۔

البتہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے بارے میں ریڈکلف ایوارڈ سے ان دونوں صوبوں میں الجھنیں پیدا ہو گئیں، جو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک مسلسل کشمکش کا باعث ثابت ہوئیں۔ ریڈکلف ایوارڈ میں بنگال اور پنجاب کے کچھ علاقے ہندوستان میں رکھنے سے تنازعے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پنجاب میں سرحدی ضلع گرداسپور مجموعی طور پر مسلم اکثریت کا علاقہ تھا۔ البتہ ہندو آبادی نے ریڈکلف کمیشن کے سامنے معاملات بڑی خوبی سے پیش کیے جبکہ ضلع کی مسلم آبادی نے اس تاریخی موقع پر بھی غیر ذمہ داری، غفلت اور لاپرواہی برتی۔ ضلع گرداسپور میں قادیان غالب مسلم اکثریت کا علاقہ تھا۔ لیکن اس علاقے میں چونکہ احمدیوں کی زیادہ آبادی تھی۔ اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے خود کو غیر مسلموں کے زمرے میں لکھوالیا اس سے بھی ریڈکلف کمیشن کو ضلع گرداسپور کو ہندوستان میں شامل رکھنے کا موقع فراہم ہوا۔ کانگریس اور مسلم لیگ نے ریڈکلف ایوارڈ کی پابندی کرنے اور اسے تسلیم کر لینے کا چونکہ اقرار کر رکھا تھا۔ اس لئے مسلم لیگ ریڈکلف ایوارڈ پر اعتراض نہیں کر سکی۔ اور اس نے بھی

اِسے قبول کر لیا۔ برطانوی پالیمنٹ نے ہندوستان کو آزادی دینے کا جو قانون منظور کیا تھا۔ اس میں ہندوستان کی اِن ریاستوں کو جو برطانوی عہد میں قائم کی گئی تھیں یہ حق دیا گیا تھا کہ ان ریاستوں کے حکمران اپنی ریاستوں کے عوام کی خواہشات جغرافیائی صورتِ حال اور تجارتی اور اقتصادی وسائل کی بنا پر ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ اپنی اپنی ریاست کا الحاق یا خود مختاری کا اعلان کرنے کے مجاز ہوں گے، اس اختیار کی بنا پر کشمیر کے حکمران مہاراجہ ہری سنگھ کے لئے کسی فیصلے پر پہنچنے کے سلسلے میں تذبذب کی کسی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس ریاست کی مجموعی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۸۲ فیصدی تھا۔ اس کے تمام اقتصادی اور تجارتی راستے اور مواصلات کا سارا نظام ان علاقوں کے ساتھ تھا، جو پاکستان میں شامل کئے گئے تھے۔

اسی بنا پر ۱۴ر اگست کو کشمیر کے ڈاکخانوں اور تارگھروں پر پاکستان کا پرچم نصب کیا گیا۔ اس بنیادی صورت حال اور کچھ دوسری وجوہات کی بنا پر کشمیر کا حکمران مہاراجہ ہری سنگھ اس ریاست کو خود مختار رکھنے کی خواہش رکھتا تھا اور ہندو ہوتے ہوئے بھی مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے پر رضامندی ظاہر نہیں کی اسی اثنا میں ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن دو بار کشمیر آئے اور مہاراجہ ہری سنگھ کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کی ترغیب و تحریک دی۔ لیکن ان کی کوشش بے نتیجہ رہی۔ اس کے بعد یکم اگست، ۱۹۴۷ء کو مہاتما گاندھی کشمیر آئے اور یہاں اپنے تین دن قیام کے دوران مہاراجہ کے محل گلاب بھون جاکر مہاراجہ ہری سنگھ اور مہارانی تارادیوی سے طویل ملاقات کی۔ گاندھی جی کی مہاراجہ کے ساتھ ملاقات کے فوراً بعد کشمیر میں داخلی تبدیلیوں کا عمل شروع ہوگیا۔ ۱۱ر اگست کو رام چندر کاک وزارتِ عظمٰی کے عہدے سے برطرف کر دیئے گئے۔ اور ٹھاکر جنگ سنگھ کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ رام چندر کاک کشمیر کو خود مختار رکھنے کے مہاراجہ ہری سنگھ کے منصوبے کے سرگرم حامی تھے۔ اس کے تقریباً ایک

ماہ بعد ۱۴ر ستمبر، ۱۹۴۷ء کو شیخ عبداللہ کو بھدرواہ سے جہاں وہ جیل میں تھے۔ جیل سے نکال کر سرینگر لایا گیا۔ اور بادامی باغ کی فوجی چھاونی کے ایک گیسٹ ہاؤس میں رکھا گیا جہاں مہاراجہ ہری سنگھ کے نئے وزیر اعظم ٹھاکر جنگ سنگھ نے شیخ محمد عبداللہ سے دوبار ملاقات کی۔ ان ملاقاتوں کے بعد ۲۹ر ستمبر، ۱۹۴۷ء کو شیخ محمد عبداللہ رہا کر دیئے گئے اور وہ سری نگر میں اپنی قیام گاہ صورہ چلے گئے۔ شیخ محمد عبداللہ کی رہائی سے کچھ دن قبل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے لیڈر میرواعظ مولانا محمد یوسف کشمیر کی صورت حال پر صلاح مشورہ کرنے پاکستان گئے۔ انھوں نے لاہور میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ خان افتخار حسین خاں ممدوٹ سے ملاقات کی جس کے فوراً بعد وہ پاکستان کے گورنر جنرل قائد اعظم محمد علی جناح سے ملاقات کرنے کراچی گئے اور ملاقات کے بعد واپس لاہور آگئے، جہاں سے وہ مری کے راستے ایک موٹر کار میں سری نگر کے لئے روانہ ہوئے لیکن وہ سری نگر واپس نہیں آسکے۔ کیوں کہ ان کو بتایا گیا کہ کوہالہ اور سری نگر کے درمیان ٹرانسپورٹ چلنا بند ہوگیا ہے اور اس راستے پر قبائل لشکر گشت کر رہے ہیں۔ اس لئے راستہ غیر محفوظ ہے اور وہ چند دن مری میں قیام کے بعد سری نگر جانے کی کوشش کریں۔ البتہ بعد کے حالات نے میرواعظ کو واپس سرینگر نہیں آنے دیا۔ اور وہ پاکستان میں ٹھہرے رہے۔ شیخ محمد عبداللہ کی جیل سے رہائی کے بعد پاکستان کے کئی سرکردہ لیڈر سری نگر آئے۔ اور شیخ محمد عبداللہ اور مسلم لیگی لیڈروں کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ پاکستان سے آنے والے ان لیڈروں میں میاں افتخار الدین، برگیڈیر حبیب الرحمٰن، شیخ صادق، بیگم ناصرہ صدیقی اور ڈاکٹر تاثیر فرداً فرداً شیخ محمد عبداللہ سے ملے۔ برگیڈیر حبیب الرحمان ہندوستان کے انتہا پسند لیڈر سبھاش چندر بوس کے قریبی ساتھی تھے اور انھوں نے ہندوستان کی قومی فوج انڈین نیشنل آرمی منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ برگیڈیر حبیب الرحمان نے ڈلگیٹ کے ایک تاجر کے گھر میں شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ملاقات کی اور دوسری ملاقات شیخ محمد عبداللہ

کے گھر صورہ میں ہوئی۔ برگیڈیر حبیب الرحمٰن نے بتایا کہ شیخ محمد عبداللہ پاکستان کے لیڈروں کے ساتھ مذاکرات پر کسی بھی طرح آمادہ نہیں ہوئے۔ البتہ صورہ میں دوسری ملاقات کے دوران شیخ محمد عبداللہ نے برگیڈیر حبیب الرحمان سے کہا کہ اگر پاکستان کے لیڈر مجھ سے ملنا چاہتے ہیں تو وہ سری نگر آکر میرے ساتھ ملاقات کر سکتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ میں نے بعض دوستوں اور احباب کی ترغیب پر اپنے ایک ساتھی خواجہ غلام محمد صادق کو پاکستان کے لیڈروں کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لیے لاہور بھیجا ہے۔ کشمیر میں صورت حال بڑی مخدوش تھی۔ اور جب کشمیر کے سرحدی علاقوں میں ان علاقوں کی مسلم آبادی اور ڈوگرہ فوج کے درمیان جھڑپوں وغیرہ کی اطلاعات موصول ہوئیں تو مہاراجہ ہری سنگھ گھبرا گئے۔ گھبراہٹ کے اسی عالم میں مہاراجہ ہری سنگھ نے لارڈ مونٹ بیٹن کے ایک مشیر مسٹر وی، پی مینن کی تحریک پر جو اکثر نئی دہلی سے کشمیر آکر مہاراجہ سے ملتے رہتے تھے۔ ۱۵؍اکتوبر کو ٹھاکر جنگ سنگھ کی جگہ ایک آریہ سماجی ایڈوکیٹ مہر چند مہاجن کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ جو اصل میں پاکستان کے صوبہ سرحد کا رہنے والا تھا۔ مہر چند مہاجن کے وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ جو اصل میں پاکستان کے صوبہ سرحد کا رہنے والا تھا۔ مہر چند مہاجن کے وزیر اعظم مقرر ہونے کے اگلے دن ۱۶؍اکتوبر کو شیخ محمد عبداللہ مہاراجہ کے ہوائی جہاز میں سری نگر سے نئی دہلی گئے۔ جہاں انھوں نے گاندھی جی جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد اور وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل سے اپنی ملاقاتوں میں کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی اس دستاویز پر تبادلۂ خیال کیا، جو لارڈ مونٹ بیٹن کا مشیر اعلیٰ وی۔ پی مینن سری نگر سے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اور جس میں مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان کے ساتھ صرف دفاع، مواصلات اور امورِ خارجہ کے معاملات پر محدود الحاق کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ اور یہ درخواست کی تھی کہ کشمیر کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے ہندوستانی فوج کشمیر بھیجی جائے۔ مہاراجہ ہرسنگھ کی دستاویز الحاق ہندوستان کی حکومت نے

اس شرط کے تحت قبول کی کہ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق تب تک عارضی اور عبوری نوعیت کا ہوگا جب تک ریاستی عوام ایک ریفرنڈم کے ذریعے اس دستاویز الحاق کی توثیق نہیں کریں گے۔ اس کے دو دن بعد ۲۳؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو طیاروں کے ذریعے فوج سرینگر کے ایرپورٹ پر اتری اور اس کے ساتھ ہی مہاراجہ ہری سنگھ نے شیخ محمد عبداللہ کو چیف ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔ اُدھر ۲۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو سردار ابراہیم خاں کی قیادت میں آزاد کشمیر حکومت کے قیام کا اعلان ہوا۔ جب کہ قبائل ۲۵؍اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بارہ مولہ پر قابض ہو گئے۔

نومبر کے پہلے ہفتہ میں مہاراجہ ہری سنگھ نے شیخ محمد عبداللہ کو اپنا وزیر اعظم مقرر کر دیا دوسری طرف پاکستان کی بری فوج کے برگیڈیر اکبر خاں نے جنرل طارق کے نام سے حملہ آور قبائلیوں کی کمان سنبھال لی، وہ مسلح سپاہیوں کے ایک دستے کے ساتھ سری نگر کے ایک نواحی علاقے شالہ ٹینگ تک پیش قدمی کر آئے۔ لیکن شہر میں داخل نہیں ہو سکے جس کے بعد انھوں نے منتشر قبائلیوں اور کشمیر کے سابق فوجیوں کو دوبارہ اکٹھا کر کے محاذ جنگ قائم کر لیا فریقین کے درمیان دسمبر ۱۹۴۸ء تک کشمیر کی سرحدوں پر جنگ جاری رہی اور اقوام متحدہ نے اس سلسلے میں مداخلت اور فریقین کے ساتھ مذاکرات کے بعد یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جنگ بند کروادی۔

جنگ بند ہو جانے پر اقوام متحدہ نے کشمیر میں ایک جنگ بندی سرحد قائم کر دی۔ ۲۴ سال بعد پاکستان کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے شملہ میں ہندوستان کی وزیر اعظم اندرا گاندھی کے ساتھ اپنے مذاکرات کے دوران کشمیر میں اس جنگ بندی سرحد کو "حقیقی لائن آف کنٹرول" میں تبدیل کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ تب سے اس جنگ بندی سرحد کو لائین آف کنٹرول کہا جانے لگا۔

کشمیر اقوامِ متحدہ میں

داخلی طور پر کشمیر میں نومبر ۱۹۴۷ء کے پہلے ہفتہ میں ہی مہاراجہ کی حکومت میں شیخ محمد عبداللہ کو چیف ایڈمنسٹریٹر بنا دیا گیا تھا۔ اور انھوں نے اپنے رفقاء کو مختلف علاقوں کا ایمرجنسی افسر بنا کر تعینات کر دیا تھا۔ ان ایمرجنسی افسروں میں سے جو سب کے سب نیشنل کانفرنس کے عہدیدار تھے، بیشتر نے بڑے سنگین جرائم کا ارتکاب کیا انھوں نے اپنے مخالفوں کو چُن چُن کر جیل بھیج دیا۔

بعد میں شیخ محمد عبداللہ کو مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنا وزیر اعظم بنا دیا اور اُن کی قیادت میں نیشنل کانفرنس کی پہلی کابینہ تشکیل دی گئی۔ جس میں بخشی غلام محمد کو داخلی امور کا انچارج اور نائب وزیر اعظم بنایا گیا۔ جبکہ مرزا افضل بیگ کو مشیر مال بنایا گیا، خواجہ غلام محی الدین قرّہ کو اس لیے کابینہ میں شامل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ کشمیر چھوڑ دو تحریک کے دوران روپوش رہ کر تحریک چلانے کی وجہ سے عوام میں کچھ شہرت حاصل کر چکے تھے اسی جُرم کی پاداش میں ان کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔

بخشی غلام محمد کو نائب وزیر اعظم بنانے پر مرزا افضل بیگ بھی ناراض تھے۔ مولانا مسعودی بھی ناخوش تھے۔ نیشنل کانفرنس کی اس حکومت نے اپنے سیاسی مخالفوں کی ایسی سرکوبی شروع کر دی کہ کشمیر میں افغانیوں اور سکھوں کے دورِ حکومت کی جبر و زیادتیاں مات ہو کر رہ گئیں۔ مسلم کانفرنس کے تمام لیڈروں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ ان میں میر واعظِ کشمیر کے چچازاد بھائی مولانا محمد نور الدین، مسلم کانفرنس کے جنرل سکریٹری آغا شوکت علی، خواجہ غلام نبی گلکار المعروف انور، خواجہ عبدالغنی رینٹو، محمد یوسف قریشی، ڈلگیٹ کے خواجہ غلام رسول لاوے سالار، شوپیان کے میر واعظ محمد عبداللہ شوپیانی اور دوسرے کئی سرکردہ سیاسی لیڈر بھی شامل تھے۔ ان سب کو جیل میں رکھنے کے بعد ملک بدر کر دیا گیا اور جموں کے سرحدی علاقے سچیت گڑھ کے راستے پاکستان بھیج دیا گیا۔ ظُلم و جبر کی وجہ سے لوگ سخت خوف زدہ ہو کر رہ گئے تاہم انھوں نے نیشنل کانفرنس حکومت کے ساتھ تعاون نہیں کیا اور جب بھی شیخ محمد عبداللہ نمازِ جمعہ پر درگاہ حضرت بل میں تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے، تو لوگ وہاں سے اُٹھ کر چلے جاتے۔ دوسری طرف نیشنل کانفرنس کی قیادت میں بھی اختلافات پھیلتے رہے اور پھوٹ بڑھتی رہی۔

شیخ محمد عبداللہ کی من مانیوں سے نئی دہلی میں ہندوستان کی قیادت بھی ان کو اقتدار سے ہٹانے کی اپنی تدبیروں کو آگے بڑھاتی رہی۔ جس کے نتیجے میں ہندوستان کے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد شخص شیخ محمد عبداللہ کی حکومت کا ۹ اگست ۱۹۵۳ء کو نئی دہلی کی تائید و حمایت سے اُن کے ایک ساتھی بخشی غلام محمد نے تختہ اُلٹ دیا۔ اور خود اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ بخشی غلام محمد کو ہندوستانی فوج اور ہندوستان کے لیڈروں کی حمایت حاصل تھی۔ شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ ۹ اگست ۱۹۵۳ء کی وزارتی تبدیلی کا سبب نظریاتی اختلافات نہیں تھے، بلکہ شیخ محمد عبداللہ کے بعض قریبی ساتھی اور کابینہ کے وزیر اُن کے خلاف نئی دہلی کے ساتھ سازباز کر رہے تھے، البتہ شیخ محمد عبداللہ کو اس کی بالکل کوئی امید نہیں تھی کہ ہندوستان اس طرح بیک بینی دوگوش اُن کو برطرف کر کے جیل بھیج دے گا۔ جس کا ایک بڑا سبب پاکستان کی طرف سے کشمیر میں رائے شماری کروانے کا مسلسل مطالبہ اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی وہ کوششیں تھیں، جن کا مقصد کشمیر کا مسئلہ حل کروانا تھا۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ کی توقعات اور اُمّیدوں کے برعکس نئی دہلی نے ان کو اقتدار سے باہر کر کے جیل بھیج دیا اور اُن کی جگہ بخشی غلام محمد کو کرسی پر بٹھا دیا، بخشی غلام محمد نے نیشنل کانفرنس پر بھی قبضہ کر لیا۔

شیخ محمد عبداللہ کے ایک ساتھی مرزا افضل بیگ کو دو سال کی نظربندی کے بعد

رہا کیا گیا تو انھوں نے "محاذِ رائے شماری" نام سے جماعت قائم کرلی جس کے لیے اُن کو جیل میں شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے ہدایت دی گئی تھی۔ البتہ شیخ محمد عبداللہ خود محاذ رائے شماری کے کبھی ممبر نہیں بنے، شیخ محمد عبداللہ کو خود اپنے ہی تشکیل دیئے گئے سیفٹی ایکٹ کے تحت چھ سال نظر بند رکھا گیا اور جب چھ سال کے بعد جنوری ۱۹۵۸ء میں اُن کو جیل سے رہا کیا گیا تو شیخ محمد عبداللہ نے درگاہ حضرت بل میں تقریر کرتے ہوئے واشگاف طور پر یہ اعلان کیا کہ انھوں نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی حمایت کرکے غلطی کی ہے اور اپنی اسی تقریر میں انھوں نے عوام سے اپنی غلطی کی معافی مانگتے ہوئے یہ التجا کی کہ مؤرخ ان کو غدار نہیں بلکہ غلط کار قرار دیں۔ چنانچہ ہندوستان کے خلاف تقریروں کی بنا پر اپریل ۱۹۵۸ء میں اُن کو پھر گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا۔

بخشی غلام محمد جو ۱۹۵۳ء میں برسرِ اقتدار آئے تھے، اگست ۱۹۶۳ء تک برسرِ اقتدار رہے۔ اگست ۱۹۶۳ء میں بخشی غلام محمد کو برطرف کرکے ان کی کابینہ کے ایک وزیر خواجہ شمس الدین کو اقتدار سونپ دیا گیا۔ لیکن ان کے اقتدار کا زمانہ صرف تین ماہ تک جاری رہ سکا۔ کیونکہ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کو درگاہ حضرت بل سے پیغمبر اسلامؐ کے موئے مبارک چرا لیے گئے، جس پر سارے کشمیر میں ایک طوفان بپا ہوگیا اور ساری آبادی احتجاج کے لیے سڑکوں پر آگئی، اس صورتِ حال پر ایک طرف ہندوستان گھبرا گیا۔ دوسری طرف سرینگر میں شیخ محمد عبداللہ کے حامیوں نے عوامی احتجاج کا رُخ ہندوستان کے بجائے بخشی غلام محمد کی طرف پھیر دیا۔ بخشی غلام محمد خواجہ شمس الدین کے اقتدار میں ہوتے ہوئے بھی اصل اقتدار کے مالک تھے۔ موئے مبارک کے اس ایجی ٹیشن نے بخشی غلام محمد کی ساکھ کو سخت نقصان پہنچایا اور اسی واقعہ سے سیاسی طور پر میر واعظ خاندان کی قیادت بھی دوبارہ قائم ہوگئی۔ اور میر واعظ مولانا محمد فاروق ایجی ٹیشن چلانے والی کمیٹی کے سربراہ بنا دیئے گئے۔

موئے مبارک ایجی ٹیشن پر قابو پانے کے لیے شیخ محمد عبداللہ کے بعض قریبی رفقا نے جن کی باگ ڈور مولانا محمد سعید مسعودی کے ہاتھ میں تھی، ہندوستان کی بڑی مدد کی

اور ایک خفیہ سمجھوتے کے مطابق موئے مبارک کی شناخت کرواکر اس کو اصلی قرار دلوا لیا جس کے بعد ایجی ٹیشن ختم ہوگئی۔ لیکن اس سازباز کے باوجود مولانا مسعودی اور اُن کے رفقا کے ہاتھ کچھ نہیں لگا اور نئی دہلی نے چپکے سے خواجہ شمس الدین کی جگہ خواجہ غلام محمد صادق کو اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیا۔ غلام محمد صادق نے برسرِ اقتدار آتے ہی نئی دہلی کی ہدایت پر شیخ محمد عبداللہ کے خلاف سازش کا وہ مقدمہ واپس لینے کا اعلان کردیا، جس میں شیخ محمد عبداللہ اور محاذ رائے شماری کے دوسرے لیڈروں کو ملوث کیا گیا تھا۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے تمام ساتھیوں کو غیر مشروط طور پر رہا کردیا گیا۔ اپنی رہائی کے آٹھ دن بعد جب شیخ محمد عبداللہ ۱۶ اپریل ۱۹۶۴ء کو سری نگر پہنچے تو پانچ لاکھ سے زیادہ لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور سری نگر کی ساری فضا حق خود ارادیت اور رائے شماری کے نعروں سے گونج اٹھی۔ ۱۸ اپریل ۱۹۶۴ء کو ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے مس مرڈولا سارابھائی کے ہاتھ شیخ محمد عبداللہ کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں ان کو نئی دہلی آنے اور کشمیر کے تنازعے پر بات چیت کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس دعوت پر مئی ۱۹۶۴ء کے پہلے ہفتے میں شیخ محمد عبداللہ جواہر لال نہرو سے ملاقات کرنے جب نئی دہلی گئے تو صدر پاکستان فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان نے بھی اپنے سفارت خانے کی وساطت سے شیخ محمد عبداللہ کو پاکستان آنے کی دعوت دی اور یہ بات واضح کردی کہ پاکستان چوں کہ اس تنازعے کا اہم فریق ہے اس لئے پاکستان کو الگ رکھ کر کشمیر کے مسئلے پر بات چیت نہیں کی جانی چاہیے۔ شیخ محمد عبداللہ نے وزیر اعظم ہندوستان جواہر لال نہرو کے ساتھ مشورے کے بعد صدر پاکستان کی دعوت قبول کرلی اور وہ اور ۱۹۵۵ء میں قائم کئے گئے محاذ رائے شماری کے لیڈروں اور ہندوستان اور پاکستان کے حکمرانوں کے درمیان کشمیر پر مذاکرات ہوتے جو بے نتیجہ رہے اور جس کے تقریباً ایک سال بعد مئی ۱۹۶۵ء میں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقا کو پھر جیل بھیج دیا گیا۔ جیل میں شیخ محمد عبداللہ کے خیالات کسی حد تک تبدیل ہوجانے کی بنا پر ۱۹۶۸ء میں شیخ محمد عبداللہ پھر رہا کردیئے گئے۔ اپنی رہائی کے بعد انھوں نے بظاہر کشمیر کے مسئلہ کا کوئی سیکولر حل تلاش کرنے کے لیے کشمیری پنڈتوں اور جموں کے ڈوگروں کو سرینگر میں ایک کنونشن میں شرکت کی دعوت دی، کنونشن

اپنے مقاصد میں ناکام ہوگیا تو شیخ محمد عبداللہ نے آنے والے انتخابات میں حصّہ لینے کا اعلان کر دیا، اس پر ہندوستانی قیادت کو کچھ اطمینان ضرور ہوا لیکن نئی دہلی نے شیخ محمد عبداللہ سے کہا کہ وہ محاذ رائے شماری کا نام تبدیل کرلے، ورنہ اُسے اور اس کے رفقاء کو الیکشن میں حصّہ لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

شیخ محمد عبداللہ جانتے تھے کہ اُن کو اور اُن کے رفقاء کو صرف محاذ رائے شماری کے نام پر ووٹ مل سکتے ہیں۔ اس لیے وہ یکایک اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور پھر عین انتخابات سے چند ہفتے قبل شیخ محمد عبداللہ کو نئی دہلی میں اُس بنگلے میں نظر بند کر دیا گیا۔ جو حکومتِ ہندوستان نے اُن کو رہائش کے لیے دیا تھا۔ اُن کے دوسرے اہم ساتھی بھی جیل بھیج دیئے گئے۔

اس طرح ہندوستانی قیادت پھر ایک بار کشمیر میں انتخابات کا ڈھونگ رچانے اور اس میں یکطرفہ کامیابیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ تاہم شیخ محمد عبداللہ نے انتخابات میں اپنی شرکت کو یقینی بنانے کے لیے سرینگر کے ایک نوجوان آزاد امیدوار شمیم احمد شمیم کی حمایت کر کے عوام سے اپیل کی کہ وہ ہندوستان کے خلاف اپنا ووٹ استعمال کرتے ہوئے شمیم احمد شمیم کو کامیاب بنائیں۔ اُن کی اس حمایت سے شمیم احمد شمیم الیکشن میں کامیاب ہوگئے۔ شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقا کے ساتھ ایّام نظر بندی کے دوران خفیہ مذاکرات کے بعد شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء کو ۱۹۷۲ء میں پھر رہا کر دیا گیا۔ کشمیر میں غلام محمد صادق انتقال کر چکے تھے اور اقتدار سید میر قاسم کے ہاتھ میں تھا۔ جیل سے رہائی کے بعد کشمیر کے مسئلے پر مرزا افضل بیگ نے ایک پریس کانفرنس میں کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی حمایت کا اعلان کر دیا، جس کے بعد اُن کے اور جی پارتھا سارتھی کے درمیان طویل مذاکرات کا ڈھونگ رچایا گیا۔

کشمیر پر اعلانِ تاشقند اور شملہ سمجھوتہ

یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو اقوامِ متحدہ کی قرارداد کے مطابق کشمیر میں جنگ بندی کے بعد ہند اور پاکستان نے مسلسل کوشش کی کہ کشمیر کا تنازعہ مذاکرات کے ذریعے پُرامن طور پر طے کر لیا جائے اس مقصد کے لیے دونوں ملکوں کے درمیان ۱۹۵۱ء، ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۵ء میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے ملاقاتیں اور مذاکرات ہوتے رہے۔ ۱۹۵۳ء میں کشمیر کے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری سے کشمیر کی اندرونی صورت حال انتہائی خراب ہو جانے کی بنا پر ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم نے نئی دہلی میں ملاقات کر کے ایک مشترکہ اعلان میں کشمیر کا مسئلہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کئے جانے کے اپنے اپنے موقف کو پھر دہرایا۔ ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم کے درمیان نئی دہلی میں تین دن تک مذاکرات کے بعد واشگاف الفاظ میں یہ یقین دلایا گیا کہ چھ ماہ کے اندر اندر کشمیر میں رائے شماری کروائی جائے گی تاکہ کشمیری عوام اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں اقوامِ متحدہ کو بھی جب اس کا یقین دلایا گیا کہ کشمیر میں جلد رائے شماری کروائی جائے گی۔ تو اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایڈمرل نمٹز کو ناظمِ رائے شماری مقرر کر دیا۔ لیکن اس اعلان کے دو تین ماہ کے اندر معاملہ دوبارہ سرد خانے میں ڈال دیا گیا۔

دو سال تک نظر بند رکھنے کے بعد ستمبر ۱۹۵۵ء میں مرزا محمد افضل بیگ کو جیل سے رہا کر دیا گیا۔ ان کی رہائی سے پہلے شیخ محمد عبداللہ جو خود بھی نظر بند تھے اور مرزا افضل بیگ کے درمیان یہ طے پا گیا کہ کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کیلئے ایک نئی سیاسی پارٹی

کا قیام عمل میں لایا جائے۔ جس کا شیخ محمد عبداللہ نے خود "محاذِ رائے شماری" نام تجویز کیا مرزا افضل بیگ نے اپنی رہائی کے فوراً بعد شیخ محمد عبداللہ کے حامیوں کے ساتھ مشورے کے بعد محاذ رائے شماری کے قیام کا اعلان کر دیا۔ جس کا پہلا صدر بیگ صاحب کو منتخب کیا گیا۔ محاذِ رائے شماری کے قیام کا اعلان کرنے کے چند دن بعد مرزا افضل بیگ کو دوبارہ گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ اور کشمیر کے ضلع ڈوڈہ کے ایک سرکردہ ایڈوکیٹ عبدالغنی گونی کو محاذ رائے شماری کا قائم مقام صدر بنا یا گیا۔ محاذ رائے شماری کو بڑے پیمانے پر کشمیری عوام کی حمایت حاصل ہوئی اور ہر محلے، ہر حلقے اور ہر گاؤں میں اس کی شاخیں خود بخود لوگوں نے قائم کر لیں۔ محاذ رائے شماری کا قیام عوام کی خواہشات کے عین مطابق تھا۔ اور شیخ محمد عبداللہ کے سب سے بڑے مخالف بخشی غلام محمد جو اُن دنوں وزیر اعظم تھے خفیہ طور پر محاذ رائے شماری کا قیام عوام کی خواہشات کے عین مطابق تھا۔ اور شیخ محمد عبداللہ کے سب سے بڑے مخالف بخشی غلام محمد جو اُن دنوں وزیر اعظم تھے۔ خفیہ طور پر محاذ رائے شماری کے سرکردہ عہدے داروں کارکنوں کی امداد کرتے رہے اور اپنے معتمد ساتھیوں کی وساطت سے محاذ رائے شماری کے عہدیداروں کو مالی امداد فراہم کرتے رہے۔

اس دوران کچھ ممبران پارلیمنٹ اور سیاسی زعما جیل میں شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ملاقاتیں کر کے اُن کو دوبارہ کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ اِلحاق کی حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ نے کسی بھی طرح اس پر آمادگی کا اظہار نہیں کیا۔ غالباً ان کو بڑی شدت کے ساتھ یہ احساس تھا۔ کہ کشمیر میں ہندوستان کے خلاف محاذ قائم کرنے کی بنا پر انھوں نے وہ کھوئی ہوئی مقبولیت پھر سے حاصل کر لی تھی۔ جو ان کی طرف سے کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ اِلحاق کی حمایت کی بنا پر تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ ۱۹۵۳ء میں شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے خلاف پاکستان میں جس بڑے پیمانے پر احتجاجی مظاہرے ہوئے اور شیخ محمد عبداللہ کی حمایت کی گئی۔ اس نے بھی ساری سیاسی صورت حال کو تبدیل کر دیا

تھا۔ ۱۹۵۳ء میں شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے بعد کشمیر کا مسئلہ حل کروانے کیلئے پاکستان اور زیادہ سرگرم ہو گیا۔ اور بین الاقوامی سطح پر اس مسلے کو حل کروانے کے لئے پاکستان نے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ لندن اور واشنگٹن کے ساتھ طویل صلاح مشورے کے بعد پاکستان ۱۹۵۶ء میں دوبارہ کشمیر کا مسلہ اقوام متحدہ میں لے گیا۔ اس موقع پر جب کہ کشمیر کا مسئلہ سلامتی کونسل میں پھر اٹھایا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ کا ایک طویل مراسلہ واشنگٹن کے اخبار "نیو یارک ٹائمز" میں شائع ہوا۔ جو ایک روایت کے مطابق انڈونیشیا کے وزیر خارجہ کو شیخ محمد عبداللہ نے کسی طرح اس وقت پہنچا دیا جب انڈونیشیا کے وزیر خارجہ جیل میں اُن سے ملاقات کے لئے گیا۔ اس مراسلے میں سلامتی کونسل سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ کشمیر کا مسئلہ حل کروانے کیلئے عملی اِقدامات کرے تاکہ کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کسی امکانی جنگ سے تباہ ہونے سے بچایا جا سکے۔ شیخ محمد عبداللہ کے اس مراسلے کی کاپیاں بنوا کر پاکستان کے وفد نے سلامتی کونسل کے ممبروں میں تقسیم کروا دیں۔ اس مراسلے کی تشہیر کو پاکستان کے وفد نے نہایت مفید اور بروقت قرار دیا۔ اور اسے ایک اہم دستاویز بتایا۔ سلامتی کونسل میں ہندوستان اور پاکستان کے نمائندوں اور برطانوی نمائندے کی تقریروں کے بعد سلامتی کونسل میں امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے اس مقصد کی قرار داد پیش کی گئی کہ کشمیر کا تنازعہ حل کرنے کے لئے اقوام متحدہ اپنی امن فوج کشمیر بھیجے۔ جو کشمیر سے ہندوستان اور پاکستان کی افواج کا انخلا عمل میں لا کر کشمیر میں امن و قانون بنائے رکھنے کے فرائض انجام دے۔

اور کشمیر میں رائے شماری کی نگرانی کرے گی۔ لیکن اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پاس کی گئی اس متفقہ قرار کو روس نے ویٹو کر دیا۔ جس کے بعد کشمیر کے مسئلے پر ہندوستان اور پاکستان میں کشیدگی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جب پاکستان میں ۱۹۶۹ء میں فوج نے

اقتدار سنبھالا اور جنرل ایوب خان حکمران فوجی کونسل کے صدر بنائے گئے، تو فوج نے کشمیر کا مسئلہ حل کروانے کے مقصد پر خصوصی توجہ دی۔ اور اس کے لئے منصوبہ بندی شروع کر دی گئی۔ اس منصوبہ بندی کے مطابق "اوپریشن جبرالٹر" کے تحت جون اور جولائی ۱۹۶۵ء میں کشمیر میں ہندوستان کے خلاف مسلح بغاوت کروائی گئی۔ جس کے لیے کشمیر میں جنگ بندی سرحد کی دوسری طرف سے ہزاروں افراد اس ریاست کے اندرونی علاقوں میں پہنچا دیئے گئے۔ اگست ۱۹۶۵ء کے پہلے ہفتہ میں کشمیر کے بہت سے مقامات پر گولیاں چلنے اور مسلح جھڑپیں ہونے کی وارداتیں ہونے لگیں۔ آزاد کشمیر سے آنے والے لوگ خود کار رائیفلوں، سٹین گنوں اور چھوٹی مشین گنوں سے مسلح تھے۔ اس صورت حال پر قابو پانے کے لئے ۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو نئی دہلی میں اعلان کیا گیا کہ پاکستان کی فوج بکتر بند دستے اور ٹینک جموں میں چھمب علاقے کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ ۳ ستمبر ۶۵ء کو نئی دہلی میں اعلان کیا گیا کہ پاکستان کی فوج جموں میں اکھنور کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اور اس علاقے میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان فضائی جنگ ہو رہی ہے۔ دو دن بعد ۵ ستمبر ۱۹۶۵ء کو نئی دہلی میں اعلان کیا گیا کہ ہندوستان کی فوج لاہور سیکٹر میں داخل ہو گئی ہے۔ اس کے اگلے دن پاکستان نے اعلان کیا کہ وہ ہندوستان کے ساتھ بر سر جنگ ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان بری اور فضائی جنگ ہو رہی تھی۔ اور پاکستان کی فوج نے چھمب کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس جنگ سے اقوام متحدہ کو زبردست تشویش لاحق ہو گئی۔ اور اقوام متحدہ کے اُس وقت کے سیکریٹری جنرل اوتھانٹ ہندوستان اور پاکستان کے لیڈروں کے ساتھ بات چیت کے لئے۔ اس برصغیر کے دورے پر آ گئے۔ اقوام متحدہ نے اپنی ایک قرارداد میں دونوں ملکوں سے جنگ بندی کی اپیل کی اور دونوں ملکوں سے کہا کہ وہ ۵ اگست ۱۹۶۵ء کی پوزیشن بحال کر دیں۔ اگرچہ چین نے اقوام متحدہ کی اس قرارداد کو مسترد کر دیا۔ لیکن ہندوستان اور پاکستان دونوں نے اقوام متحدہ کی قرارداد قبول کرتے ہوئے اپنی اپنی افواج کو فائر بندی کا حکم دیدیا۔ ہندوستان اور پاکستان

کی اسی جنگ سے روس کو بھی تشویش پیدا ہو گئی اور اُس نے پہلی بار ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر کا تنازعہ حل کروانے کے لئے مصالحت کی پیشکش کر دی۔ روسی کوششوں سے روسی وزیر اعظم کی موجودگی میں ۳ جنوری ۱۹۶۶ء کو تاشقند میں دو بدو مذاکرات ہوئے تاشقند میں مذاکرات چھ دن تک جاری رہے۔ جن کے اختتام پر ۹ نکات پر مشتمل اعلان تاشقند جاری کر دیا گیا۔ جس میں ہندوستان اور پاکستان دونوں نے مذاکرات کے ذریعے کشمیر کے مسئلے کا حل تلاش کرنے کا اقرار کیا۔ اس سے پہلے کے اعلانات کی طرح اعلان تاشقند کو بھی محض ایک کاغذی دستاویز بنا دیا گیا۔ اور کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے کوئی با مقصد بات چیت نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس کشمیر کے اندر بہت سی سیاسی، قانونی اور آئینی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ ریاستی آئین میں ترمیم کر کے کشمیر میں صدر ریاست کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔ اور منتخب صدر ریاست کی تقرری کے بجائے نئی دہلی سے گورنر کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ ۱۸ جون ۱۹۶۶ء کو ایک خصوصی فرمان کے ذریعے کشمیر میں محاذ رائے شماری کو خلاف قانون جماعت قرار دیا گیا۔ ایک سابق وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے خلاف ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا گیا۔ کیوں کہ حکومت کو اس کی خبر رساں ایجنسیوں نے اطلاعات فراہم کی تھیں کہ سابق وزیر اعظم بخشی غلام محمد کشمیر کی آزادی کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھا رہے ہیں اور ایسے بہت سے لوگ اُن سے ملنے کے لئے آتے ہیں۔ جو حکومت کی نظروں میں علیحدگی پسند اور غیر پسندیدہ تھے۔

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر پر مسلسل کشیدگی ایک طرح کی دشمنی اختیار کر چکی ہے۔ کشمیر پر کشیدگی ہی کی وجہ سے ۱۹۷۱ء میں دوبارہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ ہوئی۔ اس جنگ کا پاکستان کے لئے بھیانک نتیجہ نکلا اور ہندوستان نے دنیا کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مشرقی پاکستان میں باغی عناصر کی امداد کے لیے اپنی باقاعدہ فوج بھیجی اور مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کر دیا گیا۔ اور اسے بنگلہ دیش کے طور پر

ایک الگ ملک تسلیم کر لیا۔ جنگ ختم ہو جانے کے بعد کشمیر اور دوسرے تصفیہ طلب مسئلوں پر شملہ میں ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم کے درمیان مذاکرات ہوئے اِن مذاکرات کے نتیجے میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان "شملہ سمجھوتہ" کے نام سے معاہدہ ہو گیا۔ اس معاہدہ میں دونوں ملکوں نے پھر ایک بار کشمیر کا تنازعہ مذاکرات کے ذریعے طے کرنے سے اتفاق کیا اس معاہدے میں دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی طے پایا کہ کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ہندوستان اور پاکستان دونوں میں سے کوئی ایک ملک بھی طاقت کا استعمال نہیں کرے گا۔ شملہ سمجھوتے پر دستخط کرتے اور کشمیر کو ایک متنازعہ خطہ تسلیم کر لینے کے بعد ہندوستان نے اس معاہدے کی آڑ میں کشمیر پر یہ موقف اختیار کر لیا کہ شملہ سمجھوتے کی بنا پر اقوام متحدہ کی وہ قرار دادیں کالعدم ہو گئی ہیں۔ جو سلامتی کونسل نے کشمیری عوام کو حق خود ارادیت کا موقعہ فراہم کرنے کے بارے میں پاس کی ہیں۔ حالاں کہ شملہ سمجھوتے کی دفعہ چھ میں اقرار کیا گیا ہے کہ کشمیر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک متنازعہ مسئلہ ہے اور دونوں ممالک اس مسئلے کو حتمی طور پر حل کرنے کے لئے مناسب وقت پر ایک چوٹی کا نفرنس منعقد کریں گے۔ شملہ سمجھوتے کے بعد بھی خارجہ سیکریٹریوں کی سطح پر کشمیر پر مذاکرات ہوئے اور اب بھی اس مسئلے کو حل کرنے کی خاطر ہندوستان اور پاکستان کے لیڈر کشمیر کا مسئلہ پر امن طور پر اور مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کے اعلانات کرتے رہتے ہیں۔

نقش گرِ حادثات

پورے غیر جانبدارانہ انداز سے واقعات، حالات اور سیاسی حادثات کا جائزہ لیا جائے تو یہی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ اور محاذ رائے شماری کی قیادت ۲۲ سال کی طویل جدوجہد اور قید و بند کی مسلسل اور لگاتار مصیبتوں سے اتنے تھک گئے تھے کہ وہ کشمیر کا وہ مسئلہ حل کروانے کی خاطر مزید قربانیاں نہیں دے سکتے تھے، جس کے لئے وہ ۱۹۵۳ء سے برسرِ پیکار رہے۔ ۱۹۵۳ء میں اپنی گرفتاری کے بعد شیخ محمد عبداللہ کو، ہو سکتا ہے بڑی شدت کے ساتھ یہ احساس رہا ہو کہ کشمیری عوام نے اپنا مسئلہ حل کروانے کے لئے بے پناہ قربانیاں دیں ۱۹۵۳ء میں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء کی گرفتاری کے خلاف کشمیر میں بڑے پیمانے پر احتجاج کیا گیا اور اس احتجاجی مہم کے دوران تقریباً پندرہ سو کشمیریوں نے اپنے خون کا نذرانہ پیش کیا، سینکڑوں لوگ جیلوں میں بند کر دیئے گئے، اس کے بعد نئی دہلی نے جیل میں شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ پے در پے مذاکرات کی کوشش کی لیکن وہ اپنے مؤقف سے دستبردار نہیں ہوئے، چنانچہ ۴½ سال کی طویل نظر بندی کے بعد جب ۸ جنوری ۱۹۵۸ء کو شیخ محمد عبداللہ کو جیل سے رہا کیا گیا تو انہوں نے واشگاف طور پر کشمیر میں رائے شماری کا مطالبہ کیا اور جب اُن کو اپنے اِس مطالبے کے لئے کشمیری عوام کی وسیع تر حمایت حاصل ہو گئی تو حکومت نے نہ صرف تین ماہ بعد ہی اُن کو دوبارہ گرفتار کر کے جیل بھیجدیا۔ بلکہ اِسکے فوراً بعد شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف "کشمیر سازش کیس" قائم کیا گیا۔ اُن کے خلاف یہ مقدمہ ۸ اپریل ۱۹۶۴ء تک چلتا رہا جب کشمیری عوام کے زبردست دباؤ کے تحت مذکورہ مقدمہ واپس لے لیا گیا اور شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا۔ اپنی رہائی کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے دوبارہ کشمیر کا مسئلہ حل کروانے کی

جدوجہد شروع کردی اور ہندوستان اور پاکستان کو اِس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ باہمی بات چیت میں اِس مسئلے کو حل کرلیں۔ لیکن ۲۷ جون ۱۹۶۴ء کو ہندوستان کے وزیرِاعظم جواہر لال نہرو انتقال کرگئے اور مسئلہ پھر لٹک کر رہ گیا۔ مئی ۱۹۶۵ء میں شیخ عبداللہ، اُن کے ساتھیوں اور دوسرے سینکڑوں لوگوں کو دوبارہ گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا اور پھر ستمبر ۱۹۶۵ء میں کشمیر پر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ ہوئی۔ اِس جنگ سے بھی کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہوسکا۔ تقریباً ساڑھے تین سال بعد ۱۹۶۸ء میں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے ساتھیوں کو پھر رہا کردیا گیا۔ لیکن اُنہوں نے کشمیر میں رائے شماری کروانے کا مطالبہ ترک نہیں کیا اور جدوجہد جاری رکھی۔ جس کی پاداش میں دو سال بعد شیخ محمد عبداللہ کے خلاف کشمیر میں داخلے کی اُس وقت پابندی عائد کی گئی جب وہ دہلی میں تھے اور جہاں کوٹلہ لین کے بنگلے میں اُن کو دوبارہ نظربند کردیا گیا۔ اسی دوران ۱۹۷۱ء میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان پھر جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرکے بنگلہ دیش میں تبدیل کرلیا گیا اور پاکستان صرف مغربی خطے میں قائم رہا۔ اِس جنگ کے نتائج اور بنگلہ دیش کے قیام سے محاذ رائے شماری کی قیادت کو سخت دھچکہ لگا اور وہ پست ہمت ہوگئی۔ اسی نظربندی کے دوران شیخ محمد عبداللہ اور محاذ رائے شماری کی قیادت کے خیالات میں تبدیلی آگئی۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء میں محاذ رائے شماری کے صدر مرزا افضل بیگ نے اپنی رہائی پر ایک پریس کانفرنس میں اعلان کردیا کہ اُن کو ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے محدود الحاق پر اب کوئی اعتراض نہیں رہا اور وہ اِس معاملے پر حکومتِ ہند کے ساتھ بات چیت کے لئے تیار ہیں۔ اِس کے لئے مرزا افضل بیگ کو شیخ محمد عبداللہ اور محاذ کے دوسرے ساتھیوں کی حمایت بھی حاصل تھی چنانچہ اُن سب کو رہا کردیا گیا جس کے بعد محاذ رائے شماری کی قیادت اور نئی دہلی کے درمیان ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کی نوعیت پر طویل مذاکرات ہوئے۔ لیکن مذاکرات اِس لحاظ سے ناکام رہے کہ نئی دہلی نے جوں کے توں حالات میں شیخ محمد عبداللہ کو اقتدار دینے پر آمادگی کے سوا دوسرا کوئی بھی مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ جس کے نتیجے میں ۲۵ فروری ۱۹۷۵ء

کو شیخ محمد عبداللہ، سید میر قاسم کی جگہ کانگریس پارلیمانی پارٹی کے لیڈر اور وزیرِاعلیٰ بنا دئے گئے وزیرِاعلیٰ کا منصب جموں میں سنبھالنے کے ایک ہفتے بعد جب شیخ محمد عبداللہ کشمیر آئے تو یہاں اُن کے اس اقدام کی بظاہر کوئی مزاحمت نہیں کی گئی بلکہ اُن کی آمد پر سرینگر کے لال چوک میں ہزارہا لوگوں نے اُن کا خیر مقدم کیا۔ جس سے اُن کو غالباً یہ تاثر مِلا کہ لوگ اُن کے اس اقدام کی حمایت کرتے ہیں۔ کانگریس کی حمایت پر شیخ محمد عبداللہ صرف دو برس اقتدار میں رہ سکے، جبکہ مارچ ۷۷ء میں اُس وقت اُن کو سبکدوش کردیا جب ہندوستان میں عام انتخابات کے نتیجے میں کانگریس کو شکست ہوگئی اور مرارجی ڈیسائی کی سربراہی میں جنتا پارٹی اقتدار میں آگئی، یہ پہلا موقعہ تھا جب کشمیر میں گورنر راج نافذ کیا گیا اور اسی دوران جون ۱۹۷۷ء میں کشمیر میں اسمبلی کے انتخابات کروائے گئے۔ ان انتخابات نے بھی کشمیر کا سیاسی دھارا تبدیل کردیا جب شیخ محمد عبداللہ کی قیادت والی نیشنل کانفرنس کو انتخابات میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ صرف وادی کی ۴۲ اسمبلی نشستوں میں سے شیخ محمد عبداللہ کی پارٹی کو ۳۷ نشستوں پر کامیابی ہوئی۔ بلکہ جموں ڈویژن میں بھی مسلم انتخابی حلقوں میں شیخ محمد عبداللہ کے اُمیدوار کامیاب ہوگئے۔ انتخابات میں بڑے پیمانے پر اس کامیابی سے بھی شیخ محمد عبداللہ کے حصولِ اقتدار کے اندازِ فکر کو تقویت مِلی۔ البتہ وہ انتخابی نتائج کے اُس انداز پر دُور اندیشی کے ساتھ غور نہیں کرسکے جو سامنے آیا تھا جس کے مطابق صرف مسلمانوں نے نیشنل کانفرنس کو ووٹ دیئے تھے اور کسی بھی غیر مسلم انتخابی حلقے سے شیخ محمد عبداللہ کا کوئی ایک اُمیدوار بھی کامیاب نہیں ہوسکا۔ انتخابی نتائج کے اِس انداز پر ہندوستان کے ایک ممتاز سیاست دان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ دراصل انتخابات میں شیخ محمد عبداللہ کو ہندوستان مخالف ووٹ مِلے ہیں۔ اِسی بنا پر جب شیخ محمد عبداللہ نے نئی وزارت تشکیل دی تو اُس میں اُن ہندو وزیروں کی تقرری عمل میں لائی گئی، جو ریاستی اسمبلی کے ممبر نہیں تھے، واقعات اور حالات نے اور بھی بہت سی تلخ حقیقتیں واضح کردیں۔ اقتدار میں آنے سے پہلے ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۵ء تک شیخ محمد عبداللہ اپنا زیادہ تر وقت تنہائی میں گذارتے تھے، اُن کے طویل سیاسی قد و قامت کے باوجود لوگ اُن کے ہاں آنے کے بجائے زیادہ تر وزیروں کے بنگلوں میں آیا جایا کرتے تھے اور شاید اسی لئے وزیرِاعلیٰ بن جانے کے بعد

شیخ محمد عبداللہ نے بڑی حد تک عوام سے مِلنا جُلنا ترک کر دیا اور وہ شاہی ٹھاٹھ کے ساتھ رہنے لگے اُن کو اپنی پارٹی کے ممبرانِ اسمبلی پر بھی زیادہ اعتماد نہیں تھا۔ جو محض اُن کی وجہ سے اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ اسی لئے شیخ محمد عبداللہ نے اپنے پُرانے طرزِ عمل میں بھی تبدیلی کر لی اور سرکاری انتظامیہ میں ایسے افسروں کی بھی پُشت پناہی کی جن کے بارے میں اُن کو بخوبی معلوم تھا کہ وہ کورپٹ ہیں اور اُنہوں نے ناجائز طریقوں سے دولت پیدا کر رکھی ہے، شیخ محمد عبداللہ کے اس طرزِ عمل سے سرکاری انتظامیہ میں بھی رشوت خوری اور بدعنوانیوں کے رُجحانات فروغ پا گئے اور خوشامدیوں کی ایک فوج وجود میں آگئی اقتدار میں آنے کے بعد یہ تاثر بھی مِلتا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ پر حصُول زر کے لئے اپنے کُنبے کا دباؤ ہے اسی دباؤ کے تحت انہوں نے اپنے ۴۵ سالہ سیاسی رفیق مرزا افضل بیگ کو نائب وزیر اعلےٰ کے عہدے سے برطرف کر دیا اور اسی دباؤ کے تحت انہوں نے اپنے بڑے بیٹے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو نیشنل کانفرنس کا صدر مقرر کر کے اُن کو اپنا جانشین قرار دے دیا۔ حالانکہ اِقتدار میں آنے سے قبل وہ ہمیشہ مرزا افضل بیگ کو اپنا جانشین قرار دیتے رہے تھے۔ لوگوں نے بھی اُن کے اِس اِقدام کی مُخالفت یا مزاحمت کے بجائے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو ان کا جانشین قبُول کر لیا۔ جو لوگ ایک مُتبادل قیادت فراہم کر سکتے تھے اور لوگوں کے حق میں آواز بُلند کر سکتے تھے وہ سب اپنی عافیت کی تلاش میں گُم ہو کر رہ گئے۔ نئی دہلی نے اِس صورتِ حال کو غنیمت سمجھا کہ اب کشمیر میں ہندوستان کے خلاف کوئی آواز بُلند نہیں ہو رہی ہے۔ مولانا محمد سعید مسعودی، خواجہ غلام محی الدین قرہ، محاذ رائے شماری کا ایک سابق قائمقام صدر غلام رسول کوچک اور وہ دوسرے تمام سیاسی لیڈر جو محض حصُولِ اقتدار کے لئے جنتا پارٹی میں شامل ہو گئے تھے، کشمیر کے سیاسی اُفق پر کسی بھی جگہ دکھائی نہیں دے رہے تھے عوامی ایکشن کمیٹی کے صدر میر واعظ مولانا محمد فاروق بھی جنہوں نے ۱۲ر جولائی ۱۹۷۴ء کو شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان سیاسی مذاکرات اور کشمیر کے کسی امکانی اور داخلی حل کے خلاف سرینگر میں تاریخی مظاہرہ کیا تھا بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ کے سیاسی طور پر تبدیل ہو جانے کے بعد کشمیر میں عوام کے حقوق کی بحالی کی خاطر کوئی تحریک ہی نہیں رہی ہے اور تمام کے تمام معمولی معمولی مفادات حاصل کرنے

کے درپے ہو گئے ہیں۔ وہ سرکاری اعلیٰ افسر جو ۱۹۷۷ء سے پہلے شیخ محمد عبداللہ کے سخت ترین مخالفوں میں شمار ہوتے تھے شیخ محمد عبداللہ کے حاشیہ بردار بن گئے اور حکومت کے ہر غلط اقدام کو جائز ٹھہرانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، ریاستی کانگریس بھی نئی دہلی میں جنتا پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد گمنامی میں جا پڑی تھی اور اُس کا تنظیمی ڈھانچہ بھی شکست خوردہ ہو گیا تھا۔ البتہ ۱۹۸۰ء میں کانگریس کے نئی دہلی میں دوبارہ برسرِ اقتدار آجانے کے بعد مفتی محمد سعید اور اُن کے ساتھیوں نے ریاستی حکومت کے خلاف سرگرمیاں شروع کر دیں۔ لیکن کشمیری عوام نے چونکہ کانگریس کو کبھی مُنہ نہیں لگایا۔ اس لئے اُس کی سرگرمیاں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکیں۔ یہ صورتِ حال نہ صرف ۱۹۸۲ء تک شیخ محمد عبداللہ کے انتقال کر جانے تک برابر جاری رہی بلکہ شیخ محمد عبداللہ کے انتقال کے بعد ڈاکٹر فاروق عبداللہ بھی اپنا کام کاج خوبی سے چلاتے رہے اور شیخ محمد عبداللہ کے حامیوں نے ڈاکٹر فاروق کی قیادت کو ہر طرح مضبوط بنانے کی کوشش کی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۹۸۳ء میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ انتخابات جیت گئے ۱۹۸۳ء کے انتخابات میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو میر واعظ مولانا فاروق کی حمایت بھی حاصل ہو گئی اور اس طرح وہ بلا شرکت غیرے اقتدار کے مالک بن گئے۔ لیکن ۱۹۸۳ء کے انتخابات میں شکست کی تلخی نے نئی دہلی کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو نیچا دکھانے کے لئے اُکسایا۔ اس کے ساتھ ساتھ وزارتی عہدے اور دُوسری مراعات حاصل نہ ہونے کی بنا پر نیشنل کانفرنس کے اندر بھی سیاسی دھڑے بندی اُبھر آئی۔ جس کا مرکزی کردار شیخ محمد عبداللہ کا داماد غلام محمد شاہ تھا۔ غلام محمد شاہ کا خیال تھا کہ مرزا افضل بیگ کو برطرف کرنے اور نیشنل کانفرنس سے نکال دینے کے بعد اُس کو شیخ محمد عبداللہ کا جانشین بنایا جائے گا اور جب ایسا نہیں ہوا اور شیخ محمد عبداللہ نے اپنے بیٹے کو جانشین بنایا۔ تو غلام محمد شاہ نیشنل کانفرنس کے اُن عناصر کے لئے ایک سہارا بن گیا جو یا تو اقتدار سے محرُوم ہو گئے تھے یا وزارتی یا دوسرے عہدے حاصل نہیں کر سکے تھے۔ نئی دہلی کی کانگریسی قیادت بھی اس تاک میں تھی کہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو کسی طرح اقتدار

سے بے دخل کر کے کانگریس کا اقتدار قائم کرنے کی راہ ہموار کی جائے اس لئے کانگریس نے بھی ایک کے بعد دوسرا حربہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ نئی دہلی ویسے بھی کبھی اس بات کے حق میں نہیں رہی کہ کشمیر میں کوئی شخص یا کوئی پارٹی عوام کی حمایت سے اقتدار پر براجمان ہو۔ ہندوستانی قیادت کی ابتداء سے ہی یہ پالیسی رہی کہ کشمیر میں وہی لیڈر برسر اقتدار رہے جسے نئی دہلی اُوپر سے ہی مسلط کر دے۔ ہندوستانی قیادت نے کشمیری رائے عامہ کو کبھی قبول نہیں کیا اور وہ ذہنی طور پر ہر معاملے میں کشمیریوں کے جمہوری حقوق کے خلاف رہی ہے اور اُس نے سیکولرازم کے دعویدار عوامی حمایت رکھنے والے سیاسی لیڈروں کو بھی ہندوستان کا مخالف تصور کیا۔ ہندوستانی قیادت نے ہمیشہ کشمیر کو کمزور اور محتاج بنائے رکھنے کی کوشش کی، صرف غیر پیداواری منصوبوں کے لئے رقومات فراہم کی گئیں اور اقتصادی، سیاسی اور انتظامی طور پر اپنا تسلط بنائے رکھنے کی فکر کی گئی۔ جس کا ہندوستان نواز سیاسی لیڈر اعتراف کرنے کے باوجود اپنی بے بسی کا اظہار کرتے رہے اور پھر بھی وہ برائے نام اقتدار پر قناعت کرنے پر آمادہ ہوتے رہے۔ ۱۹۷۵ء میں اور اس کے بعد ۱۹۷۷ء میں بھی شیخ محمد عبداللہ کو برائے نام ہی اقتدار سونپا گیا، وگرنہ اپنے طویل سیاسی قد و قامت کے باوجود ان کو کوئی ایسا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ جس میں نئی دہلی کا عمل دخل نہ ہو جس کا واضح ثبوت کشمیری مہاجرین کی جائدادوں کے تحفظ کا وہ قانون تھا جو شیخ محمد عبداللہ ریاستی اسمبلی میں منظور کروا کر نافذ کرنا چاہتے تھے۔ کشمیری مہاجرین کی جائدادوں کے تحفظ کے اس قانون کو ہندوستانی قیادت نے دو ٹوک ہندوستان کے خلاف اقدام قرار دیا اور اس کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا۔ ریاستی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی تقرری بھی شیخ محمد عبداللہ کی مرضی اور منشاء سے نہیں ہونے دی گئی اور اس معاملے پر اُن کی دھمکیوں کو بالکل خاطر میں نہیں لایا گیا بلکہ شیخ محمد عبداللہ کی طرف سے دی گئی دھمکی کے فوراً بعد ریاستی ہائی کورٹ کے قائمقام چیف جسٹس مفتی بہاؤ الدین فاروقی کو کشمیر سے سکم تبدیل کر دیا گیا اور کشمیر میں باہر سے لا کر ریاستی ہائی کورٹ کا چیف جسٹس مسلط کر دیا گیا۔ ان واقعات اور حادثات کے باوجود اور وزیر اعلیٰ ہوتے ہوئے بھی شیخ محمد عبداللہ کچھ نہیں

کر سکے اور برائے نام اقتدار ہی پر گذر اوقات کو ترجیح دی لوگ بھی واقعات اور حالات میں تبدیلیوں کے دھارے میں بہہ گئے، ذاتی منفعت، مفاد اور بہبود جیسے واحد مقصد ہو کر رہ گیا۔ ۱۹۷۱ء میں ہند پاک جنگ اور بنگلہ دیش کے قیام کے بعد کشمیر کی عوامی اور سیاسی زندگی میں ایک جمود سا طاری ہو گیا، جس کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ جب کشمیر کے ایک مجاہد آزادی اور تحریک کے ایک اولین لیڈر خواجہ غلام نبی گلکار ۱۹۷۳ء میں پاکستان میں انتقال کر گئے، تو شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹ جولائی ۱۹۷۳ء کو مجاہد منزل میں تعزیتی جلسے کا اعلان کیا تقریباً سارا دن لاؤڈ سپیکروں پر اس جلسے کا اعلان کیا جاتا رہا، جلسے کے لئے ۵ بجے بعد دوپہر وقت مقرر کیا گیا، جب محاذ رائے شماری کے کچھ کارکن ۵ بجے مجاہد منزل پہنچے اور ۶ بجے تک جب کوئی اس جلسے میں شمولیت کے لئے نہیں آیا تو انہوں نے ٹیلی فون پر شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ رابطہ قائم کر کے اُن سے کہا کہ وہ تب تک گھر میں انتظار کریں، جب تک ٹیلی فون پر اُن کو جلسے میں آنے کے لئے نہیں کہا جاتا شیخ محمد عبداللہ جلسے میں جانے کے لئے ۸ بجے شام تک اپنے گھر میں انتظار کرتے رہے اور ۸ بجے شام جب انہوں نے از خود مجاہد منزل ٹیلی فون کر کے اتنی تاخیر کا سبب دریافت کیا تو اُن کو بتایا گیا کہ وہ کچھ دیر مزید انتظار کریں۔ اس کے بعد جب رات کے ۹ بجے تک مجاہد منزل سے کوئی اطلاع نہیں آئی تو شیخ محمد عبداللہ مجاہد منزل سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کئے بغیر ہی گاڑی میں بیٹھ کر مجاہد منزل روانہ ہوئے مجاہد منزل میں جب وہ سٹیج پر نمودار ہوئے تو جلسے میں محاذ رائے شماری کے کارکنوں اور بچوں سمیت پانچسو سے زیادہ لوگوں کا مجمع نہیں تھا۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ نے بڑی مایوسی کے عالم میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ " یہ سرزمین غلام ہے اور میں ایک غلام سرزمین میں دفن بھی نہیں ہونا چاہتا، بلکہ میری وصیت ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری میت بحیرہ عرب کی لہروں کے سپرد کی جانی چاہیئے" اس کے بعد سیاسی حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہونے لگے اور اگست ۱۹۷۳ء میں شیخ محمد عبداللہ نے دوبارہ نئی دہلی جا کر ہندوستان کی وزیر اعظم اندرا گاندھی کے ساتھ طویل ملاقاتیں کیں اس کے بعد ۲۶ ستمبر ۱۹۷۳ء کو ہندوستان کی وزیر اعظم نے کشمیر آ کر پہلگام میں قیام کیا اور شیخ محمد عبداللہ

نے سرینگر سے پہلگام جاکر ہندوستان کی وزیراعظم کے ساتھ دو گھنٹے تک بات چیت کی۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۷۳ء کو کشمیر کے گورنر نے راج بھون میں ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں شیخ محمد عبداللہ کو بھی مدعو کیا گیا اور اس کے اگلے دن شیخ محمد عبداللہ نے ہندوستان کی وزیراعظم اور گورنر کو اپنے گھر پر دعوت پر بُلایا۔ اِن دعوتوں میں کون سے اُمور زیرِ بحث آئے اور بات چیت کی نوعیت کیا تھی اِس کا کسی کو پتہ نہیں چل سکا۔ البتہ پاکستان کو اپنے ذرائع سے شیخ محمد عبداللہ اور ہندوستان کے درمیان ایک اِمکانی سمجھوتے کی جو اِطلاعات موصُول ہو رہی تھیں اُس پر پاکستان میں تشویش کا اظہار کیا جارہا تھا اور غالباً اِن اطلاعات کی بِنا پر ہی پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ اگر شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہوا، تو پاکستان اُس سمجھوتے کو قبول نہیں کرے گا لیکن مسٹر بھٹو کے اِس اعلان کے باوجود شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان ایک ایسا سمجھوتہ طے پاگیا جس کی بِنا پر ۲۵ فروری ۱۹۷۵ء کو اُن کو کشمیر کا وزیراعلےٰ بنادیا گیا۔

واحد مقصد — اقتدار کی کرسی

تین سال تک بیگ پارتھی سارتھی مذاکرات میں کوئی بات طے نہ ہوسکی ہندوستان نے کشمیر میں ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال کرنے یا ریاستی اسمبلی کے لیے نئے سرے سے انتخابات کروانے جیسے مطالبے سرے سے مسترد کر دیئے۔ ہندوستان نے شیخ محمد عبداللہ کو یہ موقع فراہم کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا۔ کہ وہ اور اُنکے رفقاء انتخابات کے ذریعے اقتدار حاصل کرلیں۔ اس کے برعکس ہندوستانی قیادت نے شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء کو کانگریس پارٹی کی تائید و حمایت سے برائے نام اقتدار سونپنے کی کوشش کی۔ جس پر شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء آمادہ ہوگئے اور جس کی بِنا پر ۲۵ فروری ۱۹۷۵ء کو جموں کشمیر کانگریس اسمبلی پارٹی نے سید میر قاسم کی جگہ شیخ محمد عبداللہ کو اپنا لیڈر بنایا اور وہ ۲۲ سال کے وقفے کے بعد اور کانگریس پارٹی کی حمایت سے جموں کشمیر کے وزیراعلیٰ بن گئے۔ اُن کے رفیقِ خاص مرزا محمد افضل بیگ کو بقولِ خود اُن کے ۲۲ سال تک سیاسی آوارہ گردی کے بعد پھر اُسی تنخواہ پر کام کرنا پڑا اور وہ دوبارہ مشیرِ مال ہی بن سکے۔ شیخ محمد عبداللہ کی اس کابینہ میں نصف تعداد کانگریس کے وزیروں کی تھی اور نصف تعداد شیخ محمد عبداللہ کے اُن حامیوں کی تھی جو ۲۰ سالہ اپنی پارٹی محاذ رائے شماری کا کفن دفن کرنے کے بعد پھر سے نیشنل کانفرنسی بن گئے تھے اور جن میں شیخ محمد عبداللہ کا وہ داماد خواجہ غلام محمد شاہ بھی شامل تھا۔ جس نے دو سال قبل ہی محاذ رائے شماری کے جنرل سکریٹری کے عہدے سے مستعفی ہوکر سید میر قاسم کی کابینہ میں شامل ہوجانے کی کوشش کی تھی۔

اُس وقت بظاہر شیخ محمد عبداللہ کا کوئی طاقتور سیاسی حریف موجود نہیں تھا۔ اگرچہ بخشی

غلام محمد اور غلام محمد صادق زندہ ہوتے تو شیخ محمد عبداللہ محض اقتدار کی خاطر ایسی سیاسی قلابازی ہرگز نہ کھاتے جس نے اُن کے پچاس سالہ طویل سیاسی قدوقامت کو اتنا مختصر کردیا کہ نئی دہلی کی اندرا گاندھی حکومت نے شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء کے سیاسی اور سرکاری کام کاج کی نگرانی کے لیے اُن کو سید میر قاسم کے سامنے جواب دہ بنا دیا اور کشمیر میں سیاسی اور انتظامی لحاظ سے اندرا کانگریس کا پلّہ بھاری رکھا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ کی کابینہ میں شامل کانگریسی وزیر، وزیر اعلیٰ کے بجائے کانگریس کی قیادت کے سامنے جواب دہ تھے اور اصل میں حکومت کا سارا کام کاج کانگریس چلا رہی تھی۔ کیوں کہ اُن کے نزدیک شیخ محمد عبداللہ سمیت نیشنل کانفرنس کے وزیر ناتجربہ کار تھے۔

اسی دوران مسز اندرا گاندھی نے جب ہندوستان میں ہنگامی حالات نافذ کیے تو شیخ محمد عبداللہ نے بھی جموں کشمیر میں ایمرجنسی نافذ کر کے نئی دہلی کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی، حالانکہ ہندوستان میں اپوزیشن سے خوفزدہ ہوکر ایمرجنسی کا نفاذ عمل میں آیا تھا جب کہ کشمیر میں کوئی اپوزیشن تھی ہی نہیں۔ شیخ محمد عبداللہ کے اہم اور تاریخی حریف میرواعظ کشمیر نے اگرچہ ۱۲ر جولائی ۱۹۷۴ء کو اندرا عبداللہ ایکارڈ کے خلاف سرینگر میں عوامی مزاحمت کا تاریخی مظاہرہ کیا تھا۔ مگر شیخ محمد عبداللہ کے وزیر اعلیٰ بن جانے کے بعد میرواعظ مولانا فاروق زیادہ تر خاموشی اختیار کر کے سیاسی معاملات میں عدم دلچسپی ظاہر کرتے میں ہی اپنی عافیت خیال کرتے رہے اور اُنہوں نے شیخ محمد عبداللہ کو اُس روایتی سیاسی انتقام گیری کا موقع نہیں دیا۔ جس کا مظاہرہ ۱۹۴۷ء میں برسرِ اقتدار آنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے حامیوں نے ۱۹۵۳ء تک جاری رکھا تھا۔ میرواعظ کشمیر اور دوسرے سیاسی مخالفوں کے میدانِ عمل سے باہر رہنے کے باوجود شیخ محمد عبداللہ نے محض مسز اندرا گاندھی کی پیروی کی خاطر کشمیر میں ایمرجنسی نافذ کی۔ اس ایمرجنسی کے دوران ہندوستان میں جب رائے عامہ مسز اندرا گاندھی کے خلاف ہوگئی تو اُن کو مجبوراً مارچ ۱۹۷۷ء میں ہی پارلیمنٹ کے انتخابات کروانا پڑے۔ ان پارلیمانی انتخابات میں نیشنل کانفرنس نے بھی حصّہ لیا۔ پارلیمانی انتخابات میں

ووٹروں نے ہندوستان میں مسز اندرا گاندھی اور اُن کی پارٹی کو شکست فاش دے دی تھی اور مرارجی ڈیسائی کی جنتا پارٹی انتخابات جیت گئی۔ وزیر اعظم ہوتے ہوئے بھی انتخابات میں مسز اندرا گاندھی کو اپنی نشست پر شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ البتہ کشمیر میں صورت حال مختلف رہی اور یہاں حسبِ روایت حکمراں نیشنل کانفرنس نے اُسی طرح جابرانہ ہتھکنڈے استعمال کر کے کامیابی حاصل کر لی۔ جس طرح وہ ۱۹۴۷ء سے کرتی چلی آئی تھی۔ سرینگر کے پارلیمانی حلقے سے شیخ محمد عبداللہ نے اپنی بیگم کو اُمیدوار بنایا اور اُسے کامیاب بنانے کے لیے سرکاری مشینری کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔

اپوزیشن اُمیدوار مولوی افتخار حسین انصاری کو اس پارلیمانی حلقے میں کسی جگہ انتخابی جلسہ تک نہیں کرنے دیا گیا بلکہ اگر اُس نے ہمّت کر کے کسی جگہ کوئی جلسہ کیا بھی تو اس جلسہ پر دھاوا بول دیا دیا گیا۔ مار پیٹ کی گئی اور خوف و دہشت پھیلانے کے لیے وہ سب کیا گیا جو شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقا کی روایت رہی تھی۔

اُدھر ہندوستان میں مسز اندرا گاندھی کی حکومت کے زوال نے جموّں وکشمیر میں کانگریس پارٹی کو سخت پریشان کر دیا۔ اس کے لیڈروں نے بڑی تیزی کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ کے خلاف عدمِ اعتماد کر کے اقتدار پر قابض ہوجانا چاہا۔ لیکن اُن کو چوں کہ نئی دہلی میں نئی حکومت کی حمایت حاصل نہیں تھی۔ اس لیے کشمیر کے گورنر نے مُرار جی ڈیسائی کی ہدایت پر کشمیر اسمبلی ہی توڑ دی اور جموں کشمیر میں گورنر راج نافذ کر دیا۔ شیخ محمد عبداللہ کو وزیر اعلیٰ کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا اُنہوں نے عبوری دور میں نگراں وزیر اعلیٰ بنے رہنے کی سر توڑ کوشش کی، جسے نئی دہلی نے ناقابلِ قبول قرار دیا۔ اقتدار سے محرومی کے بعد شیخ محمد عبداللہ اقتدار میں آنے والی جنتا پارٹی کے لیڈروں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دہلی گئے۔ اور وہاں جنتا پارٹی کے لیڈروں کے ساتھ ملاقاتوں کے دوران کشمیر میں ہونے والے الیکشن میں جنتا پارٹی اور نیشنل کانفرنس کے انتخابی اتحاد کی تجویز پیش کی اور مشترکہ اُمیدوار کھڑے کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ لیکن جنتا پارٹی کی قیادت نے ان تجویزوں کو نامنظور کر دیا۔ جنتا پارٹی کے لیڈروں کو سرکاری طور پر اُن کے خفیہ اداروں نے بتایا تھا کہ شیخ

محمد عبداللہ اب لوگوں میں اُس طرح مقبول نہیں ہیں جس طرح ۱۹۵۳ء کے بعد اور ۱۹۷۵ء سے پہلے تھے۔ اس لیے انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ کوئی انتخابی اتحاد کرنے کے بجائے کشمیر میں جنتا پارٹی قائم کرنے اور اُسے اقتدار میں لانے کے عزائم باندھ لیے۔ خود شیخ محمد عبداللہ کو بھی انتخابات میں کامیابی کا یقین نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ انتخابات کے سوال پر غور کرنے کے دوران مجاہد منزل کے ایک اجلاس میں الیکشن کا بائیکاٹ کرنے کی تجویز بھی رکھی گئی۔ جس کا مناسب وقت پر اعلان کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء کو یہ بھی معلوم تھا کہ مارچ ۱۹۷۷ء میں شیخ محمد عبداللہ کو وزیر اعلیٰ کے عہدے سے برطرف کر دینے کے خلاف جب سرینگر میں اُن کی کچھ رشتے داروں اور حامیوں نے احتجاجی ہڑتال کروانا چاہی تو لوگوں نے ہڑتال کرنے سے انکار کر دیا اور اُلٹا ہڑتال کروانے کے لیے زور زبردستی کرنے والوں کو مارا پیٹا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ کے سیاسی مخالف بھی تاک میں بیٹھے تھے۔

حصولِ اقتدار کی جنگ

شیخ عبداللہ کے مخالفوں کو جب میسر آیا تو انہوں نے ہندوستان کی جنتا پارٹی کے لیڈروں کے ساتھ رابطہ قائم کر کے ان کو اپنی حمایت کا یقین دلانے کی کوششیں شروع کر دیں کشمیر میں چونکہ یہ روایت رہی تھی کہ یہاں انتخابات میں وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں جن کو نئی دہلی کامیاب کروانا چاہتی ہے۔ اس لیے جب نئی دہلی کے حکمرانوں نے کشمیر میں جنتا پارٹی قائم کی، تو مولانا محمد سعید سعودی، خواجہ غلام محی الدین قرہ، اسلام آباد کا محاذ رائے شماری والا غلام رسول کوچک، خواجہ عبدالغنی لون، مولوی افتخار حسین انصاری، پنڈت پریم ناتھ بزاز سب کے سب جنتا پارٹی میں شامل ہو گئے اور میرواعظ مولانا محمد فاروق نے بھی انتخابات میں جنتا پارٹی کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ کیوں کہ اُن کو بھی یقین تھا کہ کشمیری عوام ووٹ دیں یا نہ دیں جنتا پارٹی کو ہی انتخابات میں کامیاب قرار دیا جائے گا۔ چونکہ جنتا پارٹی کانگریس کی طرح ہی باہر سے درآمد کی گئی تھی۔ اس کی باگ ڈور بھی نئی دہلی کے حکمران جنتا لیڈروں کے ہاتھ میں تھی۔

اس لیے کشمیری عوام نے جنتا پارٹی کی کوئی حمایت نہیں کی حالانکہ خود مُرارجی ڈیسائی چودھری چرن سنگھ، بابو جگ جیون رام اور دوسرے جنتا لیڈروں نے کشمیر آکر عوام سے جنتا پارٹی کو ووٹ دینے کی اپیل کی تھی جس کا بالکل اُلٹا اثر ہوا اور محض اس کے ردِّ عمل کے طور پر کشمیری عوام نے نیشنل کانفرنس کو ترجیح دی۔ شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے رفقاء نے اپنی انتخابی تقریروں میں بھی پاکستان نوازی کے مظاہرے کیے اس کے علاوہ شیخ محمد عبداللہ کی بیماری اور اُن کی زندگی کے آخری اوقات ہونے کا، کارڈ بھی کھیلا گیا۔ اس لیے نیشنل کانفرنس الیکشن میں کامیاب ہو گئی دراصل لوگوں نے ہندوستان کے خلاف ووٹ استعمال کر کے نیشنل کانفرنس کو کامیاب بنا دیا۔ البتہ اُن کو ہرگز یہ یقین نہیں تھا کہ الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے اور اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے

کے بعد نیشنل کانفرنس کے لیڈر اپنے انتخابی وعدے بھول جائیں گے اور ہندوستان نوازی میں اپنے پیش رو حکمرانوں کو بھی پیچھے چھوڑ جائیں گے۔ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے فوراً بعد نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے ہندوستان کی حمایت میں بیان دینے شروع کر دیئے اور نئی دہلی کو اس بات کا یقین دلانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی کہ نیشنل کانفرنس کی قیادت گاندھی جی کو اپنا رہنما اور رہبر تسلیم کرتی ہے۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں بھی سرکاری مشینری اور نیشنل کانفرنس کے عہدیداروں اور حامیوں نے بڑے پیمانے پر دھاندلیاں کیں، بہت سے پولنگ بوتھوں پر قبضہ کر کے نیشنل کانفرنس کے عہدیداروں نے خود ووٹ ڈال کر بیلٹ بکس بھر دیئے۔ تاہم اتنے بڑے پیمانے پر زور زبردستی کے باوجود سوپور کے انتخابی حلقے سے جماعتِ اسلامی کے سید علی گیلانی، ہندواڑہ سے خواجہ عبدالغنی لون اور سرینگر کے صفاکدل انتخابی حلقے سے عبدالرشید کابلی کامیاب ہو گئے۔ انتخابات میں نیشنل کانفرنس کو جموں خطّے کے صرف مسلم انتخابی حلقوں سے ووٹ ملے اور اس کے سوا کوئی بھی اُس کا اُمیدوار کامیاب نہیں ہوا۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ جموں کشمیر میں دو قومی تھیوری پھر برابر عمل ہو رہا ہے۔ چونکہ نیشنل کانفرنس کو الیکشن میں مسلمانوں کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو گئی۔ اس لیے جموّں کے ہندو ووٹروں نے نیشنل کانفرنس کو سرے سے ہی ووٹ نہیں دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کو اپنی نئی کابینہ میں جموّں کے ایسے وزیر شامل کرنا پڑے جو اسمبلی کے ممبر نہیں تھے اور جن کو جموّں والے اپنا نمائندہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔

۱۹۷۷ء کے بعد

اقتدار پر تیسری بار براجمان ہونے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے حسبِ روایت اپنے سیاسی مخالفوں سے انتقام لینا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے ہندوستان کے ساتھ اپنی وفاداری کے غیر معمولی انداز اختیار کر لیے، اپنے سیاسی مخالفوں کو کچلنے کے سلسلے میں اُنہوں نے کشمیر موٹر ڈرائیورز ایسوسی ایشن کے صدر جنتا پارٹی کے ایک لیڈر غلام نبی اور دوسرے کئی افراد کو داخلی سلامتی برقرار رکھنے کے ایکٹ میسا کے تحت گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔ چنانچہ جب عوامی ایکشن کمیٹی کے سربراہ میر واعظ مولانا فاروق نے محسوس کیا کہ شیخ محمد عبداللہ دوبارہ اُسی راہ پر چل پڑے ہیں، جس پر چل کر ۱۹۴۷ء میں اُنہوں نے اپنے مخالفوں کو چُن چُن کر یا تو جیلوں میں بھر دیا یا پھر جلاوطن کر دیا۔ تو مولانا فاروق نے محاذ آرائی کے بجائے تعاون کا راستہ اختیار کر لیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے تیسری بار برسرِ اقتدار آنے پر اپنی ذات کے ساتھ وفاداریوں کو مستحکم بنانے کی وہی روایت دہرائی جو ابتدا سے اُن کی سرشت رہی تھی۔ چنانچہ [illegible] کے تمام وزیروں سے اس بات کا حلف اُٹھوایا گیا کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کے وفادار

[illegible] ان نے اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لیے مرارجی ڈیسائی کی حمایت اور خوشامد شروع کر دی۔ [illegible] مسٹر ڈیسائی کشمیر کے دورے پر سری نگر آئے، تو شیخ محمد عبداللہ نے اُن کا پُرجوش [illegible] کیا اور مسٹر ڈیسائی کے استقبال کے لیے منعقد کئے گئے جلسے میں مرارجی ڈیسائی کو [illegible] ستارہ قرار دیا۔ دوسری طرف اُنہوں نے اندرا گاندھی کے ساتھ بھی سیاسی اتحاد قائم [illegible] کی ہر ممکن کوشش کی، جو مرارجی ڈیسائی کے خلاف اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہی

تھی۔ یہاں تک کہ شیخ محمد عبداللہ نے آئندہ ہونے والے انتخابات میں اندرا گاندھی کو یہ پیشکش
کی کہ وہ سری نگر کے انتخابی حلقے سے پارلیمنٹ کے لیے انتخاب لڑے۔ حالاں کہ اندرا گاندھی
ریاست کی پشتنی باشندہ نہیں تھی اور اسٹیٹ سبجکٹ قانون کے تحت کوئی بھی غیر ریاستی
مرد یا خاتون اس ریاست میں نہ تو ووٹر بن سکتا ہے اور نہ الیکشن لڑ سکتا ہے۔ لیکن شیخ محمد
عبداللہ ہمیشہ خود کو قانون سے بالاتر اور کشمیر کے معاملات میں خود کو مختار کل خیال کرتا رہا۔
لوگوں میں بڑی حد تک سیاسی مایوسی پیدا ہو چکی تھی اور پاکستان کے اندر واقعات نے
اس مایوسی کو مزید بڑھایا، جس کی وجہ سے لوگ شیخ محمد عبداللہ کی من مانیوں کے خلاف
مزاحمت سے گریز کرتے رہے کشمیر میں ۱۹۷۷ء میں انتخابات کے دوران ہی پاک فوج کے
سربراہ جنرل ضیاء الحق نے مسٹر بھٹو کی منتخب سیاسی حکومت کا تختہ الٹ کر وہاں مارشل لاء
نافذ کر دیا اور اس کے باوجود کہ بیرونی ممالک کے دباؤ کے تحت برطرف کیے گئے وزیر اعظم ذوالفقار
علی بھٹو کو رہا کر کے دوبارہ انتخابات میں حصہ لینے پر آمادہ کر دیا گیا۔ جب مارشل لاء انتظامیہ
کو محسوس ہوا کہ الیکشن میں دوبارہ مسٹر بھٹو کی پارٹی کامیاب ہوگی تو مسٹر بھٹو ۱۶ سنگین الزامات
میں دوبارہ گرفتار کر لیے گئے۔ جن میں لاہور کے ایک وکیل کو قتل کروانے کا الزام بھی
شامل تھا۔

کشمیر میں تاریخی مظاہرے

پاکستان میں جب بھی نئے واقعات رونما ہوئے کشمیر کی سیاست کو بری طرح متاثر
کرتے رہے، چنانچہ جب لاہور ہائی کورٹ نے ۱۸ مارچ کو پاکستان کے اس سابق وزیر اعظم
مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت کا حکم سنایا تو سارے کشمیر میں اس کا شدید مخالفانہ
رد عمل ہوا۔ لوگ بڑی بیباکی اور سرکشی کے عالم میں سڑکوں پر آ گئے اور بھٹو کے حق میں
مظاہرے کیے۔

سارا کشمیر غم و غصے کی لپیٹ میں آ گیا اور شیخ محمد عبداللہ کی سخت گیر تاناشاہی کے
باوجود کشمیری عوام نے مسٹر بھٹو کی حمایت کر کے اپنے فطری رجحان کو واضح کر دیا۔ اس
مسئلے پر اتنے وسیع پیمانے پر مظاہرے کیے گئے کہ شیخ محمد عبداللہ کی حکومت مرعوب اور
بے بس ہو کر رہ گئی اور شیخ محمد عبداللہ اور ان کے حامی اس عوامی ابھار اور جوش و جذبے
کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔

وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اور ان کی کابینہ کے رفقاء ایمرجنسی حالات میں جموں سے
سری نگر آئے اور یہاں امن و قانون کی مشینری کے ساتھ حالات پر تبادلۂ خیال کیا۔ حکام
نے ان کو بتایا کہ عوامی احتجاج اتنا ہمہ گیر ہے کہ احتجاجی ہڑتال کے دوران کوئی پرندہ بھی پر
نہیں مار سکتا۔ وزیر اعلیٰ نے خانیار میں عرس کی تقریب پر لوگوں کو اگرچہ خوب ڈرایا، دھمکایا
اور ہڑتال اور مظاہروں سے باز رہنے کے لیے کہا۔ لیکن صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں
ہوئی اور عوامی احتجاج جاری رہا۔

کئی مقامات پر جنرل ضیاء الحق کے پتلے جلائے گئے اور کچھ مقامات پر جانوروں کے گلے

میں جنرل ضیاء کی تصویر لٹکائی گئی۔ پاکستان میں بیگم نصرت بھٹو نے اگرچہ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کردی تھی، تاہم اس کا بھی کشمیر میں کوئی اثر نہیں ہوا اور مسٹر بھٹو کے حق میں مظاہرے جاری رکھے گئے، جس کے دوران بہت سے افراد کو گرفتار کیا گیا اور بہت سے علاقوں میں نیم فوجی دستے متعین کیے گئے۔

پاکستان میں حالات کے زیر وزبر ہو جانے اور ان حالات کی وجہ سے کشمیری عوام میں پھیلی ہوئی مایوسی کا نیشنل کانفرنس کے حکمراں طبقے نے ہر ممکن فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اسی دوران انھوں نے غیر ریاستی باشندوں اور اداروں کو کشمیر میں زمین منتقل کرنے کا سلسلہ شروع کردیا جس پر تب تک قانونی پابندی عائد تھی۔ نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے LANDGRANTACT میں مزید ترمیم کرکے کشمیر میں زمین وجائیداد حاصل کرنے کی خاطر غیر ریاستی لوگوں کے لیے دروازے کھول دیئے اور اسمبلی میں اکثریت کے بل بوتے پر آئین میں ترمیم کرکے غیر ریاستی باشندوں کو یہ قانونی حق دیا گیا کہ وہ نوّے سال تک پٹے پر یہاں زمین حاصل کر سکتے ہیں اور جائیداد بنا سکتے ہیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے دور میں صرف پانچ سال کے لیے کوئی غیر ریاستی باشندہ یا ادارہ کشمیر میں زمین یا جائیداد پٹے پر حاصل کر سکتا تھا۔

بخشی غلام محمد نے اپنے دورِ حکومت میں پانچ سال کی مدّت میں توسیع کرکے ۲۵ سال کردی۔ جبکہ غلام محمد صادق نے اس مدّت میں مزید توسیع کرکے اسے ۴۵ سال کردیا اور شیخ محمد عبداللہ کے دورِ حکومت میں اس مدّت میں مزید پچاس سال کی توسیع کرکے اسے نوّے ۹۰ سال کردیا گیا۔ اور جب آئین میں ترمیم کا یہ بل ریاستی اسمبلی میں پیش کیا گیا تو جماعتِ اسلامی کے سیّد علی گیلانی اور جنتا پارٹی کے مسٹر عبدالغنی لون نے اس بل پر سخت اعتراضات کیے۔ جس پر بحث کے دوران وزیر مال مرزا افضل بیگ نے گیلانی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا:

" ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے بارے میں آپ کے دل میں چور ہے۔ کشمیر

ہندوستان کا اٹوٹ انگ ہے، آپ کو اس معاملے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے۔ کیا آپ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے؟ میں نے بھی اس معاملے پر ۲۲ سال آوارہ گردی کی ہے۔ لیکن اب اس معاملے پر میرا دل اور دماغ بالکل صاف ہے۔"

یہ بحث و تکرار اسمبلی میں ۱۴ ستمبر ۱۹۷۸ء کو ہوئی۔ جس کے فوراً بعد ۲۴ ستمبر کو شیخ محمد عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کے اسمبلی ممبروں سے اپنی وفاداری کا حلف لیا اور پھر ۲۶ ستمبر ۱۹۷۸ء کو مرزا افضل بیگ کو کابینہ سے برطرف کیا گیا۔

مرزا افضل بیگ کے خلاف یہ الزام عائد کیا گیا کہ انھوں نے بعض ممبران اسمبلی کو ورغلا کر اپنے داماد مرزا یعقوب بیگ کے حق میں کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ حاصل کیے۔ ان پر یہ بھی الزام تھا کہ انھوں نے ریاستی اسمبلی کے اسپیکر اور کچھ ممبرانِ اسمبلی کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ جبکہ مرزا افضل بیگ نے یہ الزام عائد کیا کہ شیخ محمد عبداللہ نے اپنے داماد غلام محمد شاہ کو کونسل کا ممبر منتخب کروانے کے لیے اسمبلی ممبروں پر دباؤ ڈالا۔ جس پر شیخ محمد عبداللہ نے ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ نیشنل کانفرنس میں ۱۹۵۳ء کے حالات پیدا کیے گئے اور اگر مرزا افضل بیگ کو برطرف نہیں کیا جاتا تو مجھ کو ہی برطرف کیا جاتا اور مجھے اقتدار سے بے دخل کرکے مرزا افضل بیگ خود وزیراعلیٰ بن جاتے۔ چنانچہ اگلے دن مرزا افضل بیگ اور اُن کے داماد یعقوب بیگ کو نیشنل کانفرنس سے خارج کردیا گیا۔ نیشنل کانفرنس سے اپنے اخراج کے بعد مرزا افضل بیگ نے ایک پریس کانفرنس طلب کی جس میں انھوں نے شیخ محمد عبداللہ پر خاندانی راج قائم کرنے کا الزام عائد کیا اور اعلان کیا کہ نیشنل کانفرنس کے ۱۵ سے زیادہ ممبرانِ اسمبلی اُن کے ساتھ ہیں۔

نیشنل کانفرنس سے اخراج کے بعد مرزا افضل بیگ کے اسلام آباد میں جلسے پر پابندی لگائی گئی اور جب وہ سرینگر کے جلسے سے خطاب کرنے پہنچے تو اس جلسے پر زبردست پتھراؤ کروایا گیا۔ اسی طرح اُن ممبرانِ اسمبلی پر بھی زبردست دباؤ ڈالا گیا، جو مرزا افضل بیگ کی حمایت کر رہے تھے۔ اُن کے گھروں پر بھی پتھراؤ کروایا گیا اور ان میں سے کئی ایک

کو پولیس کے ذریعے مجاہد منزل لایا گیا، جہاں اُن سے وفاداریاں تبدیل کرنے کے لیے کہا گیا اور اُن کو دوبارہ شیخ محمد عبداللہ کے کیمپ میں لایا۔ اسی دوران سرینگر میونسپل کونسل کے لیے جب انتخابات کا مرحلہ آگیا۔ تو شیخ محمد عبداللہ نے الیکشن میں مقابلے کے خوف سے عوامی ایکشن کمیٹی کے میر واعظ مولانا فاروق کے ساتھ انتخابی اتحاد کر لیا اور عوامی ایکشن کمیٹی کو کونسل کی ۲۸ نشستوں میں سے آٹھ عوامی ایکشن کمیٹی کو دی گئیں۔ اس انتخابی اتحاد کے باوجود جب مولانا فاروق گول باغ میں عوامی جلسے سے خطاب کر رہے تھے اور حکومت کی نکتہ چینی کر رہے تھے تو اُس جلسے پر بھی پتھراؤ کیا گیا اور وہ جلسہ بھی فساد کی نذر ہو گیا۔

نیشنل کانفرنس سے اخراج کے بعد مرزا افضل بیگ نے انقلابی نیشنل کانفرنس کے نام سے ایک نئی پارٹی قائم کرتے ہوئے خاندانی راج کے خلاف جدوجہد کا اعلان کیا۔ نیشنل کانفرنس کے بعض حلقوں کا یہ خیال تھا کہ مرزا افضل بیگ نئی دہلی میں مرکزی وزارتِ داخلہ کے بہت قریب ہیں۔ اور وہ مرکزی حکام کی حمایت سے شیخ محمد عبداللہ کو اقتدار سے بے دخل کر کے خود وزیر اعلیٰ بن سکتے ہیں۔ اس کا اظہار ریاستی اسمبلی کے اسپیکر ملک محی الدین نے بھی ایک بار کھل کر کہا۔ مسٹر ملک اکثر نئی دہلی جاتے آتے رہتے تھے اور ان کی وہاں خوب خاطر تواضع بھی کی جاتی تھی۔ تاہم نیشنل کانفرنس پارٹی نے مصلحت کی بنا پر اُن کو اسپیکر کی کرسی سے اُتارنے کا فیصلہ ملتوی رکھا۔ اس دوران کشمیر میں امن و قانون کی صورتِ حال بگڑ گئی۔ جموں میں حکومت کے خلاف ایک ایکشن کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جس نے حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کر دیا۔ اس ایجی ٹیشن پر قابو پانے کے لیے اُس طرح طاقت کا استعمال نہیں کیا گیا۔ جس طرح وادی میں لوگوں کے معمولی احتجاج کو کچلنے کے لیے طاقت کا بے دریغ کیا جاتا ہے۔ بلکہ ہوا یوں کہ وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ ایجی ٹیشن کرنے والوں کے سامنے جھک گئے۔ اُن کو مذاکرات کی دعوت دی جس کے دوران اُن کے تمام اہم مطالبے تسلیم کر لیے گئے۔ اس کے باوجود جموں میں اُتھل پتھل جاری تھی کہ وادی میں ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں نے پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو

پھانسی دینے کے خلاف زبردست اور تشدد آمیز مظاہرے شروع کر دیئے۔

مسٹر بھٹو کو ۳ / اور ۴ / اپریل ۱۹۷۹ء کی درمیانی رات کو دو بجے پھانسی پر لٹکایا گیا۔ اور ان کی میت راتوں رات اُن کے آبائی قصبے گڑھی خدا بخش لے جا کر ان کو دفن کر دیا گیا۔ ۴/ اپریل صبح جب ریڈیو پر بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کی خبر نشر کی گئی تو ساری وادی میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ تشدد آمیز مظاہروں پر قابو پانے کے لیے فوج طلب کر لی گئی، لیکن صورتحال کو قابو میں نہیں لایا جاسکا، تشدد آمیز مظاہروں پر اندھا دھند فائرنگ کی گئی جس میں کئی لوگ ہلاک اور زخمی ہو گئے، ساری وادی میں مکمل ہڑتال اور جگہ جگہ جلوس نکالے گئے اور جماعت اسلامی کے حامیوں کی جائیداد تباہ کر دی گئی۔

جنرل ضیاء الحق کے درجنوں پتلے جلائے گئے۔ صرف کولگام میں جماعتِ اسلامی کے پچاس سے زیادہ مکان جلا کر خاکستر کیے گئے۔ دوسرے قصبوں میں بھی جماعتِ اسلامی کے حامیوں کے مکانوں کو آگ لگادی گئی۔ ضلع ڈوڈہ میں بھی بھٹو کو پھانسی دینے کے خلاف مظاہرے کیے گئے اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ یہ حالت کئی دن تک جاری رہی اور شہر کے علاوہ قصبہ جات میں بھی فوج کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ جس کے باوجود مظاہروں کے دوران تشدد کی رُونگٹے کھڑے کر دینے والی وارداتیں رونما ہوتی رہیں۔ مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے کے خلاف کشمیری عوام کے غیظ و غضب۔ اظہار ناراضگی اور پاکستان میں ہوئے اس واقعہ پر کشمیری عوام کے جذبات بے قابو ہو جانے سے نیشنل کانفرنس کی حکومت اور شیخ محمد عبداللہ کا اقتدار لرزہ براندام ہو کر رہ گیا اور کشمیری عوام کی پاکستان کے ساتھ یک جہتی کے اس مظاہرے نے شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان اُس سمجھوتے کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ جس میں شیخ محمد عبداللہ نے ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو جائز قرار دینے کی کوشش کی تھی اور جسے ان ہمہ گیر مظاہروں سے کشمیری عوام نے مسترد کر دیا۔

اس صورتِ حال پر نئی دہلی کو بھی زبردست تشویش لاحق ہو گئی چنانچہ کئی اعلیٰ

سرکاری افسر حالات کا جائزہ لینے سرینگر آئے اور اندرا گاندھی نے جموں آکر شیخ محمد عبداللہ کو حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ وادی میں تشدد آمیز مظاہروں کے دوران آٹھ سو سے زیادہ مکان نذرِ آتش کیے گئے۔ اور بہت سے مقامات پر پاکستان کے حق میں اور کشمیر کے مسئلے کا حل نکالنے اور کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے لیے مسٹر بھٹو کی کوششوں کو اُجاگر کیا گیا اور لوگوں میں جیسے یہ یقین ظاہر کیا جا رہا تھا کہ مسٹر بھٹو زندہ رہتے تو وہ کشمیری عوام کی صحیح ترجمانی کرتے اور کشمیر کا تنازعہ طے کروانے میں ضرور کامیاب ہو جاتے، اسی لیے کشمیری عوام ایک مدت تک ذوالفقار علی بھٹو کا ماتم کرتے رہے اور اس پرنیشنل کانفرنس کے لیڈروں کو اگرچہ بار بار غصہ آتا رہا، لیکن وہ پاکستان کے حق میں آئی ہوئی اس لہر کے مقابلے میں کھڑے ہو جانے کی جرأت نہیں کر سکے۔

چنانچہ مرزا محمد افضل بیگ نے جو اقتدار سے محروم ہو چکے تھے اس اضطراب اور ہیجان کو محض وقتی اُبھار قرار دیا اور کہا:

"میں ۲۲ سال تک سیاسی آوارہ گردی کے بعد اب کسی ایسے جوش اور ولولے میں شرکت نہیں کر سکتا۔ جو ہندوستان کے خلاف اور پاکستان کے حق میں ہو"۔ اُن کے ان ریمارکس سے اُن کے بعض مشیروں کی وہ بات صحیح ثابت ہو گئی جنہوں نے بقول اُن کے اقتدار سے نکال دیئے جانے کے بعد بیگ صاحب کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ محاذِ رائے شماری کو دوبارہ زندہ کریں اور عوام کے ساتھ دوبارہ اپنی یک جہتی کا اہتمام کر کے ہی شیخ محمد عبداللہ کا مقابلہ کریں، لیکن مرزا محمد افضل بیگ نے غالباً اس لیے ایسا کرنے سے انکار کر دیا ہوگا۔ کیونکہ ان کو نئی دہلی میں حکمران پارٹی کے بعض لیڈروں نے اس بات کا یقین دلایا تھا کہ کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ کو ایک خاندان کی حکومت قائم رکھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور ان کو کسی بھی وقت برطرف کر کے بیگ صاحب کو اقتدار سونپ دیا جائے گا چونکہ معاملہ کرسی حاصل کرنے کا تھا، اور ۱۹۳۱ء میں شیخ محمد عبداللہ سمیت اُبھرنے والی سیاسی قیادت کا ہر فرد صرف سیٹ کا بھوکا تھا۔ اس لیے بیگ صاحب کے سامنے بھی صرف سیٹ حاصل کرنے کا

مقصد تھا۔

یہ بات شیخ محمد عبداللہ کے پھر سے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اُن کے اور اُن کی پارٹی نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے بھی بار بار ثابت کر دی کہ وہ کرسی حاصل کرنے اور پھر اس کے دفاع کی خاطر ہر دن نیا سیاسی پینترا بدل سکتے ہیں۔ چنانچہ وزیر اعلیٰ کی کرسی حاصل کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے جس انداز سے کبھی بھارتی جنتا پارٹی اور کبھی کانگریس آئی کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی اُسے سیاسی موقع پرستی ہی سمجھا جاتا رہا ہے اسی سیاسی موقع پرستی سے وہ اپنی کرسی بچانے اور خاندانی راج قائم رکھنے کے لیے دن رات ہاتھ پاؤں مارتے رہے اور پھر ایک ایسا مرحلہ بھی آیا جب جنوری ۱۹۸۰ء کے پارلیمانی انتخابات میں شیخ محمد عبداللہ نے اپنے بیٹے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کروالیا۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ کشمیر میں واحد ایسے اُمیدوار تھے جن کو بلا مقابلہ کامیاب کروا لیا گیا۔ اس طرح کی کامیابی حاصل کرنے کے لیے وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے جہاں سرکاری مشینری کا ناجائز استعمال کیا وہاں ڈاکٹر فاروق کے مقابلے میں کھڑے ہونے والے اُمیدواروں کو بھاری رقومات دے کر مقابلے سے دستبردار ہو جانے پر مجبور کیا گیا۔ ۱۹۸۰ء کے پارلیمانی انتخابات میں ہندوستان میں برسرِ اقتدار جنتا پارٹی کا اقتدار ختم ہو گیا۔

نئے مرحلے نئے تقاضے

انتخابات میں مسز اندرا گاندھی نے دوبارہ کامیابی حاصل کرکے وزیر اعظم کی کرسی سنبھال لی۔ نئی دہلی میں سیاسی قیادت کی تبدیلی کے فوراً بعد کشمیر کے وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے کانگریس پارٹی کو اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلانے کے لیے وہ سب کچھ کیا جس کا تقاضا نئی دہلی کی نئی قیادت کر رہی تھی، اس کے باوجود مسز اندرا گاندھی کی کانگریس پارٹی اور نیشنل کانفرنس کے درمیان مفاہمت پیدا نہیں کی جا سکی حالانکہ شیخ محمد عبداللہ نے قدم قدم پر کانگریس آئی کے ساتھ سمجھوتے کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کا اقتدار قایم رہ سکے۔

اسی دوران ۲۶ جولائی ۱۹۸۰ء میں ایک معمولی حادثے کی بنا پر سیکڑوں فوجی سادہ لباس میں شکتی مان گاڑیوں میں سوار ہو کر سرینگر میں داخل ہو گئے اور عام شہریوں کو تشدد کا نشانہ بنانا شروع کر دیا جس کی بنا پر ساری آبادی مشتعل ہو گئی اور احتجاج کے لیے سڑکوں پر نکل آئی، مسلح فوجیوں نے اندھا دھند گولیاں چلا کر نصف درجن شہریوں کو ہلاک کر دیا۔ پولیس افسروں کو مارا پیٹا گیا اور کئی عمارتیں نذر آتش کر دی گئیں۔ جس کے خلاف ساری وادی میں احتجاجی ہڑتال اور مظاہرے شروع ہو گئے۔

کشمیریوں کی بے دریغ ہلاکتوں، مار پیٹ اور آتش زنی کی وارداتوں پر شیخ محمد عبداللہ کی حکومت محض تماشائی بن کر رہ گئی اور عوام کی جان و مال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا جا سکا۔

فوجیوں کی فائرنگ میں ہلاک ہونے والوں میں گگری بل کا ۲۲ سال کا محمد فاروق ڈار

اور چھتہ بل کا ۱۶ سالہ مشتاق احمد وانی بھی شامل تھے۔

ان واقعات نے کشمیر میں معمول کی زندگی درہم برہم کر دی اور ساری وادی میں اضطراب اور عدم تحفظ کا احساس پیدا کر دیا۔ عوام کے اس غم و غصے کو طاقت کا استعمال کرکے دبا دیا گیا۔ تاہم ۲۶ جولائی کے واقعات اس پوری قوم کے لیے تازیانۂ عبرت بن گئے۔

لال چوک سرینگر کے ٹیکسی اسٹینڈ میں فوجیوں نے آفتاب احمد نامی اس لڑکے کو بھی ہلاک کر دیا جو راولپنڈی سے پاسپورٹ پر اپنے بھائی کی شادی میں شرکت کے لیے کشمیر آیا تھا۔ ان واقعات کی بنا پر سرینگر میں طلب کی گئی اس بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کو منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، جو اسلامی جمعیتہ الطلبا نامی پارٹی نے طلب کی تھی۔ بلکہ الٹا اس پارٹی کے صدر کے خلاف مقدمہ رجسٹرڈ کر لیا گیا۔ جس نے ایک پریس کانفرنس میں یہ کہا تھا کہ کشمیر ہندوستان کا حصّہ نہیں ہے۔

جمعیتہ الطلبا پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ کشمیر میں ایرانی طرز کا اسلامی انقلاب بپا کرنا چاہتے ہیں۔

کشمیر میں رونما ہونے والے ان واقعات کی بنا پر پاکستان نے کشمیر کا سوال اقوام متحدہ میں اٹھانے کا اعلان کیا جس پر نئی دہلی نے شدید ردّ عمل کا اظہار کیا۔ دہلی کے خلاف اور پاکستان کے حق میں سرینگر میں اسلامیہ کالج کے طلبہ نے احتجاجی مظاہرے شروع کر دیئے۔ طلبا نے ایک احتجاجی جلوس نکالا، جب یہ جلوس خانیار پہنچا تو اس پر گولی چلا دی گئی جس میں کئی طلبا ہلاک اور زخمی ہو گئے۔ ان میں چوٹہ بازار کا الطاف احمد، عالی کدل کا عبدالرشید گوجوارہ کا سیف الدین، نائد کدل کا غلام حسن، بتلی پورہ چھتہ بل کا بشیر احمد، حول کا گلزار احمد، حبہ کدل سونہ مسجد کا غلام قادر اور کاؤ ڈارہ کا غلام حیدر اور محمد اشرف وغیرہ شامل تھے۔ طلبہ کے اس ایجی ٹیشن کو شیخ محمد عبداللہ کی حکومت نے طاقت کے بے دریغ استعمال سے دبانے کی کوشش کی۔ جس پر عوام احتجاج کرنے سڑکوں پر آ گئے۔ کئی پولس تھانوں پر دھاوا بول دیا گیا۔ فائرنگ سے تقریباً نصف درجن نوجوان، جن میں ممبر اسمبلی

عبدالرشید کابلی بھی شامل تھے شدید زخمی ہو گئے اور نصف درجن سے زیادہ نوجوان ہلاک کر دیئے گئے۔

جب ایجی ٹیشن پھیل گیا تو وادی میں تمام تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے۔ سوپور، بارہمولہ اور اسلام آباد میں بھی تشدد کی وارداتیں ہوئیں اور ساری وادی میں امن و قانون درہم برہم ہو کر رہ گیا۔

درجنوں نوجوانوں اور طلبا کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا اور شہر و قصبات میں نیم فوجی دستے تعینات کر دیئے گئے۔ کشمیر میں گڑبڑ اور تشدد کی وارداتوں پر شیخ محمد عبداللہ نے اپنا وہ پرانا موقف دہرایا کہ کشمیر میں مذہب کے نام پر لوگوں کو اکسایا جا رہا ہے اور پاکستان ریاست میں گڑبڑ کروانے کے درپے ہے۔

اور پھر ۲۹ر دسمبر ۱۹۸۰ء کو ریاستی اسمبلی کا اجلاس سرینگر میں طلب کیا گیا۔ باقاعدہ اجلاس شروع ہونے سے قبل ہی نیشنل کانفرنس نے اپنے اجلاس میں اسپیکر ملک محی الدین کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک منظور کی۔ آئینی مشکلات کے پیش نظر اسمبلی کا اجلاس ۹ر ستمبر کے بجائے ۲ر اکتوبر کو منعقد کرنا قرار پایا۔ تاکہ آئین کے مطابق ۱۴ دن کی وہ میعاد پوری کر لی جائے جو اسمبلی کے اسپیکر کے خلاف تحریکِ عدم اعتماد کے لیے ضروری ہوتی ہے اور جس کے لیے نیشنل کانفرنس کے ۴۱ ممبرانِ اسمبلی نے ۱۸ر ستمبر کو نوٹس دیا تھا۔

اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے سے ایک دن پہلے اسپیکر نے عدم اعتماد کی تحریک خلافِ قاعدہ قرار دیتے ہوئے مسترد کر دی، اور اسے ایجنڈے میں شامل نہیں کیا۔ اور جب اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو ایوان میں ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی۔ اور نیشنل کانفرنس کے ممبروں نے اسپیکر کے خلاف احتجاج شروع کر دیا، اس کے ساتھ ہی ایک ممبر اسمبلی بھیم سنگھ نے اسپیکر کے انتخاب کے سوال پر سپریم کورٹ میں رٹ دائر کر دی۔

دوسری طرف دن دہاڑے اُس عمارت ہی کو نذرِ آتش کر دیا گیا جس میں اسمبلی کا اجلاس ہونے والا تھا۔ حکام نے اگرچہ اسے آتش زدگی کی واردات بتایا، لیکن اصل میں حکمراں پارٹی

کے خلاف برسرِ پیکار نوجوانوں نے اسمبلی بلڈنگ کو نذرِ آتش کر کے ریاستی اسمبلی کے خلاف عدم اعتماد کا جاندار مظاہرہ کیا۔

حکمراں نیشنل کانفرنس نے ایک دوسری سرکاری عمارت میں اسمبلی کا اجلاس طلب کیا۔ جس میں ملک محی الدین کی جگہ جموں کے باو پرمانند کو نیا اسپیکر منتخب کیا گیا۔ سابق اسپیکر ملک محی الدین نے اس کے جواب میں اندرا کانگریس میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ مرزا افضل بیگ اور اندرا کانگریس کی طرف سے کشمیر میں خاندانی راج قائم کرنے کے خلاف بار بار کے احتجاج کے باوجود شیخ محمد عبداللہ نے ۲۳ر جنوری ۱۹۸۱ء کو اپنے بڑے بیٹے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا اعلان کر دیا اور پھر ۲۵ر مارچ ۱۹۸۱ء کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ نیشنل کانفرنس کے صدر بنا دیئے گئے۔ جس کے بعد ۲۱ر اگست ۱۹۸۱ء کو ڈاکٹر فاروق کی تاجپوشی کی گئی۔

تاج پوشی کا جشن منانے کے لیے مجاہد منزل سرینگر سے اقبال پارک تک ڈاکٹر فاروق کا جلوس نکالا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اس جلوس پر امیرا کدل میں لالہ رُخ ہوٹل کی بالکونی سے پھول برسائے اور لوگ خاموش تماشائی بن کر شیخ محمد عبداللہ کے بیٹے کی تاجپوشی کا جشن دیکھتے رہے۔

تاہم کشمیر میں بداعتمادی کی فضا برابر قائم رہی اور نیشنل کانفرنس کی قیادت کو بھی برابر یہ خدشہ لاحق رہا کہ نئی دہلی کسی بھی وقت مداخلت کر کے شیخ محمد عبداللہ کو اقتدار سے بے دخل کر دے گی۔

نئی دہلی تقریباً ہر معاملے میں شیخ محمد عبداللہ کو نیچا دکھانے کے لیے ایک کے بعد دوسرا اقدام کر رہی تھی اور شیخ محمد عبداللہ ہر نئے اقدام پر اپنی سیاست کا پینترا بدلتے اور سمجھوتے کرتے رہے۔ انھوں نے کشمیر ہائی کورٹ کے قائم مقام چیف جسٹس مفتی بہاؤالدین فاروقی کو چیف جسٹس کے عہدے پر کنفرم کرنے کے لیے جو سخت موقف اختیار کیا۔ اُسے بھی نئی دہلی نے مسترد کر دیا۔ اور جب نئی دہلی نے

جسٹس بہاؤالدین فاروقی کو کشمیر سے تبدیل کر کے سکم بھیجنے کا اعلان کیا تو شیخ محمد عبداللہ پھر ایک بار نئی دہلی کے سامنے جُھک گئے۔

تاہم جسٹس فاروقی نے نئی دہلی کے احکامات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مستعفی ہو گئے لوگوں میں اس کا نہایت شدید ردِ عمل ہوا کہ نئی دہلی کشمیر میں ایک مسلمان چیف جسٹس کا تقرر بھی نہیں چاہتی۔!

کرسی کے لیے گھریلو فساد

صورتِ حال ویسے بھی مخدوش تھی، کیونکہ عوام یا ان کے نمائندوں کو اُبھرنے کا موقع ہی نہیں دیا جا رہا تھا، اپوزیشن کا وجود ہی نہیں تھا۔ اندرا کانگریس اگرچہ اپوزیشن کا رول ادا کر رہی تھی، لیکن کشمیری عوام کے لیے کانگریس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اور انھوں نے کبھی بھی اور کسی بھی دور میں کانگریس کو قبول نہیں کیا۔ شیخ محمد عبداللہ اور کانگریس کے درمیان جو سیاسی کشمکش ہو رہی تھی، عوام اُس سے بالکل بے تعلق تھے اور بیشتر حلقے کانگریس اور نیشنل کانفرنس کو ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے قرار دیتے تھے۔ نیشنل کانفرنس تمام اہم معاملات میں اندرا کانگریس کے ساتھ تعاون کر رہی تھی۔ البتہ مقامی کانگریس کے لیڈر شیخ محمد عبداللہ کے خلاف برسرِ پیکار رہے جس کی وجہ سے سیاسی استحکام ناپید ہو گیا تھا۔

اسی دوران ریاستی اسمبلی میں مہاجرین کی جائیداد کا وہ بل پاس کیا گیا جس کا مقصد اُن ریاستی مسلمانوں کی جائیداد محفوظ رکھنا تھا جو ۱۹۴۷ء اور اُس کے بعد ترکِ وطن کر کے پاکستان جانے پر مجبور کیے گئے تھے، ایک طرف شیخ محمد عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان ذاتی نوعیت کے اختلافات پرورش پا رہے تھے۔ اور دوسری طرف ان کے داماد خواجہ غلام محمد شاہ نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا اور ۱۷ اگست ۱۹۸۲ء کو کابینہ سے مستعفی ہونے کا اعلان کیا۔

غلام محمد شاہ نے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو شیخ محمد عبداللہ کا جانشین اور نیشنل کانفرنس کا صدر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ ان کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا اور اس کے چند روز کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو اپنی کابینہ میں شامل کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی شیخ

محمد عبداللہ کے بیمار پڑ جانے کی اطلاعات پھیلنا شروع ہوگئیں اور نیشنل کانفرنس کے اعلیٰ حلقوں میں تشویش کا اظہار کیا جانے لگا۔

وزیر اعلیٰ کی بیماری سے سرکاری انتظامیہ میں جمود طاری ہوگیا۔ جس کا تمام تر خمیازہ غریب عوام بھگت رہے تھے۔ اور پھر جب وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو اس بارے میں باخبر کیا گیا تو وہ ۵ ستمبر ۱۹۸۲ء کو اچانک، ہنگامی حالات میں سرینگر آگئیں اور ان کی واپسی کے صرف دو دن بعد ۸ ستمبر ۱۹۸۲ء کی شام کو شیخ محمد عبداللہ انتقال کر گئے۔

جب اُن کی موت کی خبر نئی دہلی پہنچی تو وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اور صدر گیانی ذیل سنگھ تعزیت کے لیے سرینگر آئے۔ شیخ محمد عبداللہ کے انتقال کے فوراً بعد سرکاری ٹرانسپورٹ ایس، آر، ٹی، سی کے کنٹرولر غلام جیلانی پنڈت کو ٹیلی فون پر ہدایت دی گئی کہ وہ سرینگر سے وادی کے اطراف و اکناف میں سرکاری گاڑیاں راتوں رات بھیجیں تاکہ لوگوں کو سرینگر لایا جائے چنانچہ سرکاری ٹرانسپورٹ کی سینکڑوں گاڑیاں بار بار مختلف علاقوں کو بھجوا کر لوگ سرینگر لائے گئے اور اس طرح لاکھوں لوگ سرینگر پہنچائے گئے۔ شیخ محمد عبداللہ کے انتقال کرتے ہی راتوں رات ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو وزیر اعلیٰ کا حلف دلوایا گیا، جس کے بعد انھوں نے اپنے باپ کی ساری کی ساری کابینہ کو کرپشن میں ملوث ہونے کی بنا پر چلتا کر دیا اور ایک نئی کابینہ تشکیل دی۔

درگاہ حضرت بل کے متولیوں نے بلا تاخیر شیخ محمد عبداللہ کے بیٹے کو ان کا جانشین تسلیم کر لیا اور درگاہ میں اُن کی دستار بندی انجام دی گئی اور اُن کو مسلم اوقاف ٹرسٹ کا صدر بھی بنا دیا گیا۔

اسی اثنا میں سرینگر میں ریاستی اسمبلی کا اجلاس طلب کیا گیا جس میں یہ انکشاف ہوا کہ جائیداد مہاجرین کو محفوظ رکھنے کا وہ بل گورنر نے منظور نہیں کیا جسے اسمبلی پاس کر چکی تھی۔ تاہم نیشنل کانفرنس نے معاملہ ٹال دیا اور کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے وزیر اعلیٰ بنائے جانے کے تقریباً دو ہفتے کے بعد انھوں نے سرینگر کے سرکردہ

علما پر مشتمل ایک رویتِ ہلال کمیٹی قایم کر دی۔ جس نے اتفاق رائے سے اعلان کیا کہ عید الاضحیٰ ۲۹ ستمبر کو منائی جائے گی۔ لیکن جب پاکستان کی رویتِ ہلال کمیٹی نے اعلان کیا کہ عید الاضحیٰ کی تقریب ۲۸ ستمبر کو منائی جائے گی، تو لوگوں نے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی بنائی گئی رویتِ ہلال کمیٹی کا فیصلہ مسترد کر دیا اور عید کی تقریب ۲۸ ستمبر کو منانے کا اعلان کر دیا۔ جس پر نہ صرف ڈاکٹر فاروق عبداللہ بلکہ مفتی صاحبان اور علمائے کرام کو خفت اُٹھانا پڑی اور اسی کے ساتھ ان کی بنائی ہوئی رویتِ ہلال کمیٹی بھی مر گئی۔

مہاجرین کی جائیداد کے تحفظ کے بل پر جب عوام نے غم و غصے کا اظہار شروع کر دیا تو ریاستی اسمبلی نے اسے دوبارہ پاس کر دیا، جس کے بعد یہ باقاعدہ قانون بن گیا۔

اسی دوران صوفی محمد اکبر نے جنہوں نے محاذِ آزادی بنا رکھا تھا۔ سرینگر میں ایک پریس کانفرنس کے دوران کشمیر کی خود مختاری کا مطالبہ کر دیا۔ جس کا نئی دہلی میں سخت نوٹس لیا گیا اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ پر محاذِ آزادی پر پابندی عائد کرنے اور صوفی صاحب کو گرفتار کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جانے لگا۔

تاہم صوفی صاحب نے حسن تدبیر کے ساتھ عوام میں مقبولیت حاصل کی اس کے پیشِ نظر اُن پر ہاتھ ڈالنے سے گریز کیا گیا۔ البتہ مولانا مسعودی نے حسبِ روایت پھر ایک بار سیاسی پینترا بدل کر ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی حمایت شروع کر دی اور وہ نیشنل کانفرنس کے جلسے میں جہاں کبھی تقریر کرتے، ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو "قائدِ ثانی" کہتے اور انکی خوب خوشامد کرتے تھے۔ اس پر بھی مولانا کو نیشنل کانفرنس میں کوئی اہم عہدہ نہیں دیا گیا۔

دریں اثنا پاکستان کی وزارتِ خارجہ کے ایک سابق آفیسر کے حوالے سے انکشاف کیا گیا کہ ۱۹۶۵ء میں جب شیخ عبداللہ حج کرنے کے سلسلے میں لندن گئے اور وہاں سینٹ جیمز ہوٹل میں ٹھہرے تو لبریشن فرنٹ کے ساتھ وابستہ میرپور کے تین باشندوں نے انہیں ہلاک کرنے کا قصد کیا، لیکن لندن میں متعین پاکستانی سفیر آغا ہلالی نے پاکستان کے اس وقت کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کی ہدایت پر برطانوی حکومت سے

رابطہ قائم کیا اور شیخ محمد عبداللہ کے لیے نہایت سخت حفاظتی انتظامات کروائے گئے۔ لندن میں ایک موقع پر ان تین نوجوانوں نے جب اُس عمارت میں گھسنے کی کوشش کی جس میں شیخ محمد عبداللہ ایک تقریب میں شرکت کر رہے تھے تو ان تینوں کو گرفتار کر لیا گیا اور ان سے ایک ریوالور برآمد کر کے اُن تینوں کو جیل بھیج دیا گیا۔

اِن اطلاعات کے بعد سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں نوجوانوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ گرفتار کیے جانے والوں میں محمد اعظم انقلابی بھی شامل تھے۔ جن کے خلاف یہ الزام لگایا گیا کہ وہ کشمیر کو ایک اسلامی ریاست بنانا چاہتے ہیں۔

بہت سے ایسے نوجوانوں کو بھی گرفتار کیا گیا، جو مقبول بٹ کو سزائے موت سنانے کے خلاف اِکّا دُکّا مظاہرے کر رہے تھے اور دوسری طرف گورنر نے ریاستی اسمبلی توڑ دی اور ۵ رجون ۱۹۸۳ء کو انتخابات کروانے کا اعلان کر دیا۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اپنی پارٹی کے جو اُمیدوار نامزد کیے ان میں شیخ محمد عبداللہ کے بعض قریبی ساتھی شامل نہیں کیے گئے اور غلام محمد شاہ کو بھی انتخابی میدان سے باہر دھکیل دیا گیا۔

انتخابات میں شامل نیشنل کانفرنس کے علاوہ اندرا کانگریس، جماعتِ اسلامی اور پیپلز کانفرنس بھی حصہ لے رہی تھیں۔

جماعتِ اسلامی نے ریاستی اسمبلی کے ۲۵، اور سرینگر اور اسلام آباد کے لیے پارلیمانی امیدوار کھڑے کر دیئے۔ الیکشن میں کھڑے ہونے والے آزاد امیدواروں کو حکمران پارٹی اور سرکاری انتظامیہ نے یا تو میدان سے بھگا دیا، یا پھر ان کو روپیہ پیسہ دے کر مقابلے سے دست بردار ہونے پر آمادہ کر لیا گیا۔

البتہ چاڈورہ حلقے سے مصطفیٰ میر اور ترال سے علی محمد نائک آزاد امیدوار میدان میں ڈٹ گئے۔ کانگریس نے جن لوگوں کو انتخابات میں کھڑا نہیں کیا۔ اُن میں سے

کئی ایک کانگریس سے فرنٹ ہو کر نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے۔ ان میں خانیار کا محمد شفیع شیدا اور آنچار کا محمد سلطان عاصم بھی شامل تھا۔ انتخابات کے ابتدائی مرحلے پر ہی عوامی ایکشن کمیٹی کے صدر میر واعظ مولانا فاروق نے اقبال پارک کے جلسے میں نیشنل کانفرنس کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے پھر ایک بار اس بات پر زور دیا کہ کشمیری عوام کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے۔ مولانا فاروق کے اس اعلان سے نیشنل کانفرنس کی پوزیشن انتخابی میدان میں مستحکم ہو گئی جبکہ الیکشن میں جماعتِ اسلامی کے لیڈر سید علی گیلانی نے اگلے دن اسی اقبال پارک میں اپنی پارٹی کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق حتمی نہیں ہے اور کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے کشمیریوں سے جو وعدے کیے گئے ہیں ان کو پورا کیا جائے۔ اپنی پارٹی کی انتخابی مہم چلانے کے سلسلے میں وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی بھی کشمیر آئیں اور انھوں نے بھی سرینگر کے اقبال پارک میں انتخابی جلسے سے خطاب کیا۔ اُدھر محاذِ آزادی کے صوفی محمد اکبر نے انتخابات کو ڈھونگ قرار دیتے ہوئے کشمیری عوام کو حقِ خود ارادیت دینے کا مطالبہ کیا۔

اور عوامی ایکشن کمیٹی کے صدر میر واعظ مولانا محمد فاروق نے نیشنل کانفرنس کی حمایت کرنے کے لیے وضاحت پیش کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے کشمیر کے مسئلے کو حل طلب قرار دیتے ہوئے اسے حل کرنے کا مطالبہ کر کے اُس جمود کو توڑا ہے جس کو عام لوگ یہاں محسوس کر رہے ہیں۔

میر واعظ کی بھرپور حمایت نے چونکہ نیشنل کانفرنس کو مستحکم بنا دیا تھا اس لیے نیشنل کانفرنس نے انتخابات میں کامیابی حاصل کر لی۔ اپوزیشن پارٹیوں نے انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلیاں کرنے اور سرکاری مشینری کے بے دریغ ناجائز استعمال کے خلاف احتجاج کیا، جس کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ البتہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ۱۰ رجون ۱۹۸۳ء کو جامع مسجد سرینگر میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور میر واعظ مولانا فاروق نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور متحد رہنے کا اعلان کر دیا جس پر

کشمیر میں "ڈیل فاروق" کے نعرے بلند کیے گئے۔ جبکہ دوسری طرف اپوزیشن پارٹیوں نے انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلیوں کے خلاف سپریم کورٹ میں جانے کا اعلان کر دیا۔

انتخابات میں کامیابی کے بعد ڈاکٹر فاروق عبداللہ دوبارہ برسر اقتدار آ گئے۔ تاہم کشمیر میں تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ کئی علاقوں میں عوامی احتجاج پر قابو پانے کے لیے کرفیو نافذ کر دیا گیا اور اپوزیشن کے لاتعداد حامی تھانوں میں بند کر دیئے گئے۔

احتجاج کرنے والوں نے انتخابات کو کالعدم قرار دینے اور جبر و زیادتیوں کی عدالتی تحقیقات کا مطالبہ کیا اور کہا کہ کشمیر میں گورنر راج نافذ کیا جائے، جس کے لیے کئی مقامات پر احتجاجی دھرنا لگایا گیا۔ کچھ علاقوں میں لوٹ مار کی وارداتیں شروع ہو گئیں جس کے بعد سرینگر اور قصبہ جات میں نیم فوجی دستے متعین کیے گئے۔

انتخابات کے بعد کشمیر میں سیاسی محاذ آرائی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ نئی دہلی میں برسر اقتدار کانگریس پارٹی اور وزیر اعظم نے عوامی ایکشن کمیٹی کے سربراہ مولانا محمد فاروق کی تقریروں کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار شروع کر دیا اور ان کے خلاف کشمیر کا متنازعہ مسئلہ اُبھارنے کا الزام عائد کیا گیا۔

سیاسی حلقوں میں قیاس آرائیاں کی جانے لگیں کہ نئی دہلی ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی حکومت کو گرانے کی کوشش کر سکتی ہے۔

نئی دہلی کی ہدایت پر کشمیر میں کانگریس کے لیڈر غیر معمولی طور پر سرگرم ہو گئے انھوں نے اسمبلی کے اندر اور باہر ڈاکٹر فاروق کے خلاف پاکستان نواز عناصر کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے کا الزام عائد کرنا شروع کر دیا اور ڈاکٹر فاروق اور میر واعظ مولوی فاروق کے باہمی اتحاد کو ایک سنگین خطرہ قرار دیا جانے لگا۔ کانگریس پارٹی نے اسمبلی میں جب کوئی کارروائی نہیں ہونے دی تو سپیکر نے تمام کے تمام کانگریسی ممبرانِ اسمبلی کو، ایوان سے خارج کر دیا۔ اس کے ردعمل کے طور پر اندرا کانگریس کے لیڈروں نے سنسنی خیز انکشافات شروع کر دیئے۔ جن میں بتایا کہ پاکستان کشمیر میں مسلح بغاوت کروانے کے لیے ایک منصوبہ بنا چکا ہے۔

ایک اور انکشاف یہ کیا گیا کہ کشمیر کی آزادی کی تحریک چلانے والوں کو ایران کی پشت پناہی حاصل ہو گئی ہے، جس کے لیے بڈگام میں گڑبڑ کو ایک ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا۔ بڈگام میں احتجاج کرنے والے ایک مشتعل ہجوم کو بے دریغ طاقت استعمال کر کے کچل دیا گیا تھا کانگریس آئی کی طرف سے مخالفانہ محاذ کے ساتھ ساتھ شیخ محمد عبداللہ کے داماد خواجہ غلام محمد شاہ بھی جنکو اقتدار سے بے دخل کر دیا گیا تھا اور جو ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے سخت ترین مخالفوں میں شمار کیے جاتے تھے اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوششوں سے دست بردار نہیں ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے جس انداز سے سرینگر میں اپنے بیٹے کی شادی کی تقریب پر اندرا کانگریس کے لیڈروں کو مدعو کیا اور وہ سب تقریب میں شامل بھی ہوئے۔ اس کی بنا پر مختلف قیاس آرائیوں نے جنم لیا اور شیخ محمد عبداللہ کے گھرانے میں اقتدار کیلئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کو خارج از امکان نہیں سمجھا جانے لگا۔

غلام محمد شاہ اپر ہاؤس کونسل کے ممبر تھے اور کونسل اور اسمبلی دونوں ایوانوں کے ممبروں کے ساتھ رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے اور وہ نیشنل کانفرنس کی حکومت اور نئی دہلی کے درمیان سیاسی محاذ آرائی کا فائدہ اُٹھانے کی تاک میں تھے۔

نئی دہلی کو بھی کشمیر میں پائے جانے والے حالات کی وجہ سے تشویش پیدا ہو رہی تھی، جس میں اُس وقت مزید اضافہ ہو گیا جب سرینگر اور وادی کے دوسرے قصبوں میں ۱۴ر اگست کو پھر جوش و خروش کے ساتھ یومِ استقلالِ پاکستان پر جشن منایا اور ۱۵ر اگست کو ہندوستان کے یومِ آزادی کی تقریب پر سرینگر اسٹیڈیم میں بم پھٹے۔ جس میں چھ افراد زخمی ہو گئے۔

وادی کے بہت سے علاقوں میں پاکستانی قومی پرچم لہرانے کے خلاف ہندوستان کی پارلیمنٹ میں بڑا شور برپا ہوا۔

۱۵ر اگست کو سرینگر کے بخشی اسٹیڈیم میں بم دھماکے کے سلسلے میں اقبال قریشی نامی ایک نوجوان کو گرفتار کر لیا گیا۔ جو بظاہر نوہٹہ سرینگر میں ریڈیو مرمت کرنے کی ایک دُکان

چلا رہا تھا، لیکن اصل میں ایک ایسی خفیہ تنظیم کا رکن تھا جو کشمیر کو پاکستان میں شامل کرنے کے لیے کام کر رہی تھی۔

اس کے بعد ۱۳ اگست کو سرینگر کے کافی ہاؤس میں بم کا دھماکا ہوا جس میں محاذِ آزادی کے سربراہ محمد اعظم انقلابی، محمد یعقوب شیخ، پیپلز لیگ کے محمد اشرف، بشیر احمد طوطا اور شفیق احمد اور جمعیتہ الطلباء کے شیخ نجم الاسلام اور دوسرے کئی افراد کو گرفتار کیا گیا۔ سیاسی لحاظ سے کشمیر میں صورتِ حال جس غیر یقینی کا شکار تھی اس میں مزید اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

نئی دہلی کی اندرا کانگریس ذاتی پسند اور ناپسند کی بنا پر ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو چلتا کر دینے کے لیے تمام حربے استعمال کر رہی تھی، جس کی وجہ سے ڈاکٹر فاروق عبداللہ ہندوستان کی اپوزیشن پارٹیوں کے قریب ہوتا چلا جا رہا تھا۔ کشمیر کے اندر غلام محمد شاہ نے نیشنل کانفرنس میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے مخالفوں کو اپنے ساتھ ملا کر اقتدار کے لیے جدوجہد شروع کر دی تھی، اس گروپ میں شیخ محمد عبداللہ کا ایک قریبی ساتھی اور سابق وزیر جموں کا دیوی داس ٹھاکر اور کچھ دوسرے سابق وزیر شامل تھے، انھوں نے بھی ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور نئی دہلی کے درمیان اختلافات بڑھانے میں اپنا رول ادا کیا۔ چنانچہ جب ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے ہندوستان کی تمام اپوزیشن پارٹیوں کو سرینگر میں اجتماع منعقد کرنے کی دعوت دی تو نئی دہلی میں مسز اندرا گاندھی کی حکومت نے اسے اپنے خلاف غیر معمولی اقدام قرار دیا۔

کشمیر میں بھی غلام محمد شاہ نے نئی دہلی کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو اپوزیشن لیڈروں کا سرینگر میں اجتماع ہوا، اور اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے غلام محمد شاہ اور اس کے ساتھی سابق وزراء کو نیشنل کانفرنس سے خارج کر دیا، اس موقع پر صوفی محمد اکبر نے ہندوستان کے اپوزیشن لیڈروں کو ایک میمورنڈم پیش کیا، جس میں کشمیر کے لیے حقِ خود ارادیت کا مطالبہ کیا گیا۔ اسی دوران سرینگر میں تعمیر کیے گئے کرکٹ اسٹیڈیم میں جب ہندوستان اور ویسٹ انڈیز کے درمیان ایک روزہ

بین الاقوامی کرکٹ میچ کھیلا گیا تو اسٹیڈیم میں تماشائیوں نے کہرام مچا دیا۔ ہندوستانی ٹیم کے خلاف نعرے بلند کیے گئے۔ سٹیڈیم میں پاکستانی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی عمران خاں کی قدِ آدم تصویروں کی نمائش کی گئی اور سبز جھنڈے لہرائے گئے، جس کی پاداش میں ایک سو سے زیادہ افراد کو گرفتار کیا گیا۔ نئی دہلی نے اس صورتِ حال کے خلاف سخت ترین ردِ عمل کا اظہار کیا۔ کشمیر میں سیاسی رجحان کا تعین ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کرکٹ میچ میں ہار جیت سے بھی ہوتا رہا ہے۔ جب ہندوستان اور پاکستان کسی دوسرے ملک کے ساتھ کوئی میچ کھیلتے ہیں تو کشمیری عوام اس میں زیادہ دلچسپی ظاہر نہیں کرتے۔

سیاست اور کرکٹ میچ

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کرکٹ یا ہاکی میچ جب بھی ہوتا ہے اس میں کشمیری عوام غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں اور جب بھی پاکستان میچ جیت لیتا ہے تو کشمیر میں کھلے عام جشن منایا جاتا ہے اور لوگ ایک دوسرے کو پاکستانی ٹیم کی کامیابی پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

سرینگر سٹیڈیم میں ہندوستانی ٹیم کے خلاف مظاہروں پر جب نئی دہلی نے احتجاجی بیانات جاری کیے۔ تو ان بیانات کا سرینگر میں شدید ردعمل ہوا اور تشدد کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سرکاری املاک نذر آتش کی گئی، اور تشدد آمیز مظاہروں پر قابو پانے کے لیے طاقت کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ جماعت اسلامی کے سید علی گیلانی سمیت درجنوں لوگ گرفتار کیے گئے۔ اور جماعت اسلامی کے دفاتر پر چھاپے مار کر تمام ریکارڈ ضبط کیا گیا۔ کشمیر میں ان ہنگاموں کا الزام پاکستان پر عائد کیا گیا اور حسب روایت کانگریس آئی اور بھارتیہ جنتا پارٹی نے پاکستان مخالف بیانات جاری کیے، ادھر جب پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں اسلامی ملکوں کی کانفرنس نے پہلی بار کشمیر پر ایک قرارداد منظور کی۔ جس میں اسلامی کانفرنس کے ممبر ملکوں نے کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کہا تو اس پر نئی دہلی کی اس تشویش میں مزید اضافہ ہو گیا جو اسے کشمیر کے اندر حالات کی وجہ سے لاحق تھی اور جس کی وجہ سے کشمیر میں پے در پے بم دھماکے ہو رہے تھے اور امن و قانون کی صورتِ حال بڑی حد تک مخدوش ہو کر رہ گئی تھی۔

ظلم و جبر کی پے در پے کارروائیوں سے جماعتِ اسلامی اور محاذِ آزادی کے لیڈر

احتجاج پر مجبور کر دیئے گئے اور انھوں نے اعلان کر دیا کہ بلا امتیاز گرفتاریوں اور خوف و دہشت کی وجہ سے وہ خوف زدہ نہیں ہوں گے اور جدوجہد ترک نہیں کریں گے، شیخ محمد عبداللہ کے گھرانے میں بھی فساد کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی، گھرانے کے ہر فرد نے اقتدار کی خاطر ایک دوسرے کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

شیخ عبداللہ کے بیٹے طارق عبداللہ نے اندرا کانگریس کے راجیو گاندھی کے ساتھ ایک ملاقات کے فوراً بعد ایک اخباری بیان داغ دیا جس میں انھوں نے اپنے بھائی ڈاکٹر فاروق کے خلاف زوردار حملے کیے اور مسز اندرا گاندھی کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا رہا تھا کہ مسٹر راجیو گاندھی نے طارق عبداللہ کو بتایا ہو گا کہ نئی دہلی ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی جگہ طارق عبداللہ کو وزیر اعلیٰ بنانا پسند کرتی ہے۔ اور طارق عبداللہ نے اس پہ ناچنا شروع کر دیا۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی بہن بھی اپنے خاوند کے حق میں اور اپنے بھائی ڈاکٹر فاروق کے خلاف سیاسی میدان میں آگئی اور اس نے اپنے بھائی ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے لیے اندرا کانگریس کے لیڈروں کے ساتھ میل ملاپ بڑھا لیا۔

شیخ عبداللہ کے گھرانے میں بعض لوگ بیگم عبداللہ کو اس کے بیٹے ڈاکٹر فاروق کی جگہ وزیر اعلیٰ کی کرسی پر بٹھانا چاہتے تھے اور خود ڈاکٹر فاروق نئی دہلی کے ساتھ مفاہمت کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے اور اندرا کانگریس کی طرف سے چونکہ ڈاکٹر فاروق کے خلاف پاکستان نواز عناصر کو ڈھیل دینے کا الزام لگایا جا رہا تھا، اس لیے اس الزام کا توڑ کرنے کے لیے ۲۸ جنوری ۱۹۸۴ء کو پھر سید علی گیلانی سمیت جماعت اسلامی کی پوری قیادت سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے نظر بند کر دی گئی جس کے خلاف عوامی سطح پر غم و غصہ پھیل گیا۔

بارہمولہ اور سوپور میں احتجاجی ہڑتال کی گئی اور مظاہرین پر قابو پانے کے لیے اندھا دھند فائرنگ بھی کی گئی۔ جماعتِ اسلامی کے علاوہ پیپلز لیگ، جمعیتہ طلبا، اور محاذِ آزادی

کے درجنوں حامیوں کو بھی سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ کشمیر پولیس نے الفتح نامی ایک خفیہ تنظیم کی سرگرمیوں کا بھی انکشاف کیا اور کہا کہ وادی کے مختلف علاقوں میں الفتح والوں نے بم دھماکے کیے ہیں۔

ڈاکٹر فاروق ہر قیمت پر نئی دہلی سے مفاہمت کے لیے کوشش کر رہے تھے اور اسمبلی کے اندر اور باہر بار بار یہ اعلان کرتے پھرتے تھے کہ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق چیلنج کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، لیکن اُن کی اِن تمام تر کوششوں اور خواہشات کا بالکل کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا تھا اور محض ذاتی وجوہات کی بنا پر اور کشمیر میں اقتدار پر قابض ہونے کے لیے اندرا کانگریس ڈاکٹر فاروق کے ساتھ مفاہمت کو تیار نہیں تھی۔ واقعات اور حالات ڈرامائی انداز میں تبدیل ہو رہے تھے اور جب ۴ فروری ۱۹۸۴ء کو لندن میں لبریشن فرنٹ نے ہندوستانی سفارت خانے کے اسسٹنٹ کمشنر آر، ایچ، ماتھرے کو ہلاک کر دیا۔ تو اسکے خلاف اندرا کانگریس نے شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا۔ انھوں نے اپنی کابینہ کے ہنگامی اجلاس میں لندن میں ہندوستانی سفارت کار کے قتل کا انتقام لینے کے لیے مقبول بٹ کو جو تہاڑ جیل (دہلی) میں نظر بند تھے پھانسی پر لٹکانے کا فیصلہ کر لیا۔

رفتارِ زمانہ کو تیز کرنے کے لیے کشمیر میں موجود لبریشن فرنٹ کے کارکن اور حامی روپوش ہو گئے۔

مقبول بٹ تختۂ دار پر

لبریشن فرنٹ کے سربراہ مقبول بٹ کو سزائے موت سے بچانے کی خاطر بار بار اپیلیں کی جاتی رہیں اُن کو سزائے موت دینے کے خلاف سپریم کورٹ سے حکمِ امتناعی بھی حاصل کیا گیا۔ سعودی عرب، مصر اور دوسرے کئی اسلامی ملکوں نے ہندوستان کے صدر سے مقبول بٹ کو پھانسی دینے کے فیصلے پر نظرِ ثانی کے لیے اپیلیں کیں۔ لیکن سب کچھ اکارت گیا۔

آخری وقت پر بھی محمد مظفر بیگ ایڈوکیٹ سپریم کورٹ نے مقبول بٹ کو سزائے موت دینے کے خلاف حکم امتناعی کی ایک اور درخواست پیش کی جسے عدالت نے مسترد کر دیا۔

مقبول بٹ کو سرینگر کے ایک سپیشل جج نے سینٹرل جیل میں بٹ صاحب کے خلاف عائد کیے گئے الزامات کی سرسری سماعت کے بعد کوئی چھ سال قبل سزائے موت کا حکم سنایا تھا جسے بعد میں کشمیر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے بحال رکھا تھا۔ مقبول بٹ کو پہلی بار ۱۹۶۸ء میں گرفتار کر کے نظر بند رکھا گیا تھا۔ اُن کے خلاف الزام تھا کہ انھوں نے نادی ہل بارہمولہ میں ایک کشمیری پنڈت سی، آئی، ڈی والے کو گولی مار دی تھی، جس پر سپیشل عدالت کے جج مسٹر گنجو کی عدالت میں ان پر مقدمہ چلا گیا، اور ان کو سزائے موت دلوائی گئی۔ لیکن مقبول بٹ ۱۹۷۰ء میں سینٹرل جیل سرینگر سے ڈرامائی انداز میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور پاکستان جا کر اپنی سرگرمیاں پھر شروع کر دیں۔

اپنی تحریک کو پانچ سال تک منظم کرنے کے بعد مقبول بٹ ۱۹۷۶ء میں دوبارہ کشمیر کے لنگیٹ قصبے میں گرفتار کر لیے گئے۔ مقبول بٹ ترہگام کپوارہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے بارہمولہ کے سینٹ جوزف کالج میں تعلیم حاصل کی تھی اور وہ پہلے کشمیری انقلاب

سند لیڈر تھے، جنھوں نے کشمیر کو مسلح جدوجہد کے ذریعے آزاد کروانے کے عمل اور عزم کا اظہار کیا۔ ۴ فروری ۱۹۸۴ء کو برطانیہ میں متعین ہندوستانی سفیر کو ہلاک کیے جانے کے صرف تین دن کے اندر جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ سے مقبول بٹ کے بلیک وارنٹ پر دستخط کروا لیے گئے اور پھر ۱۱ فروری ۱۹۸۴ء کو صبح ساڑھے سات بجے مقبول بٹ کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اور ان کو تہاڑ جیل کے احاطے میں ہی سپرد خاک کیا گیا۔ مقبول بٹ کی میّت لینے کے لیے تین سرکردہ وکیل مظفر حسین بیگ، آر ایس پاٹھک اور مسٹر طفیل تہاڑ جیل کے دروازے پر انتظار کرتے رہ گئے۔

اطلاعات کے مطابق مقبول بٹ کو ۹ فروری کو جیل کی کال کوٹھری میں منتقل کیا گیا تھا۔ جہاں ۱۱ فروری صبح سویرے اُن کو جگایا گیا اور غسل وغیرہ کے بعد اُن کو ناشتہ پیش کیا گیا۔ جس کے بعد ان کو پھانسی دے دی گئی۔ تختۂ دار پر مقبول بٹ نے کہا کہ:

"میں اپنے عوام سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے زندگی سے محبت کی ہے اور آج موت کے ساتھ بھی خوشی سے گلے مل رہا ہوں۔"

اُن کو جیل کی کال کوٹھری سے باہر نکال کر جب سزائے پھانسی کا حکم پڑھ کر سنایا گیا تو وہ مسکرا رہے تھے۔ اُن کو سیاہ کرتا اور پاجامہ پہنا کر ان کے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دیئے گئے تھے۔ مقبول بٹ نے وصیت کی تھی کہ اُن کی میّت ان کے آبائی قصبے ترہگام لے جا کر سپرد خاک کی جائے، لیکن حکام نے ایسا نہیں ہونے دیا اور اُن کی اس آخری وصیت کو بھی پورا نہیں کیا گیا۔

۱۱ فروری ۱۹۸۴ء جب مقبول بٹ کو پھانسی دی جا رہی تھی کشمیر میں نیم فوجی دستے متعین کر دیئے گئے اور شہر و قصبات میں بڑے پیمانے پر شو آف فورس کیا گیا، اس کے باوجود کئی مقامات پر احتجاجی مظاہرے ہوئے، سرکاری عمارتوں پر پتھراؤ کیا گیا۔ بطور احتجاج ہڑتال کی گئی اور پولیس کے ساتھ جھڑپوں میں درجنوں افراد زخمی ہوئے۔

۱۱ فروری ۱۹۸۴ء سے قبل ہی ہندوستان میں تمام ہوائی اڈوں پر سخت

حفاظتی انتظامات کیے گئے۔ کشمیر میں کنٹرول لائن پر فوج کو چوکنا رکھا گیا۔ مقبول بٹ کو پھانسی دینے کے بعد فوراً بعد کشمیر لبریشن فرنٹ کے حامیوں اور کارکنوں نے مسلح جدوجہد کے لیے بہت سے علاقوں میں پوسٹر چسپاں کیے اس کے علاوہ سوپور، ہندواڑہ، کپواڑہ، ترہگام اور دوسرے علاقوں میں کئی دن تک احتجاجی مظاہرے ہوتے رہے اور مقبول بٹ کی میّت کشمیر بھیجنے کا مطالبہ کیا جاتا رہا۔

عوامی ایکشن کمیٹی کے سربراہ میر واعظ مولانا فاروق نے بھی مقبول بٹ کو پھانسی دیئے جانے کے خلاف احتجاج کیا اور اسے انتقامی کارروائی قرار دیا۔ کمیٹی کے اہتمام سے جامع مسجد میں ایک تعزیتی اجتماع بھی ہوا۔ لبریشن فرنٹ، پیپلز کانفرنس اور بعض طلبا انجمنوں نے احتجاجی ہڑتال کروائی اور کئی علاقوں میں مظاہرے بھی کیے گئے۔ مقبول بٹ کو پھانسی دینے کے خلاف پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق نے بھی احتجاج کیا اور اُن کو ایک عظیم مجاہدِ آزادی کے طور پر خراجِ عقیدت ادا کیا۔ مقبول بٹ کو پھانسی پر لٹکانے جماعتِ اسلامی، پیپلز لیگ، لبریشن فرنٹ اور محاذِ آزادی کے کارکنوں اور حامیوں کو جیلوں میں بند کرنے اور دوسرے تمام معاملات میں نئی دہلی کی کاسہ لیسی کے باوجود اندرا کانگریس ڈاکٹر فاروق کو اقتدار سے برطرف کرنے کے اپنے ارادوں پر قائم رہی نئی دہلی کی خوشامد میں ان کا دیا گیا ہر بیان مسترد کیا جاتا رہا اور کشمیر میں رونما ہونے والے واقعات کی آڑ میں ڈاکٹر فاروق کی ہر طرح حوصلہ شکنی کی جاتی رہی۔

ویسے کشمیر میں بھی حالات نئی دہلی کے لیے حوصلہ شکنی کا باعث بنے ہوئے تھے، جس کا تذکرہ اُس وقت کے وزیر خارجہ مسٹر نرسمہا راؤ نے پارلیمنٹ میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ لبریشن فرنٹ کشمیر کی آزادی کا مطالبہ کر رہا ہے۔ فرنٹ کے حامی کشمیر کے علاوہ آزاد کشمیر، پاکستان، برطانیہ، امریکہ اور دوسرے کئی ملکوں میں سرگرم ہیں۔

کشمیر میں کانگریس آئی نے بھی مہم جاری رکھی ہوئی تھی اور جب اندرا کانگریس نے اسلام آباد میں جلسہ منعقد کیا، تو کچھ نوجوانوں نے جن کی قیادت کھپرن پہنے ہوئے

ایک نوجوان عباس ڈار کر رہا تھا، اندرا کانگریس کے جلسہ میں داخل ہوکر سٹیج پر قبضہ کرلیا اور
مقبول بٹ کو پھانسی دیئے جانے کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔ اس موقع پر جلسہ گاہ میں کئی
مرکزی وزیر بھی موجود تھے اور سیکورٹی کا سخت انتظام بھی کیا گیا تھا۔

اندرا کانگریس نے غلام محمد شاہ کے ساتھ مل کر ڈاکٹر فاروق کے خلاف متحدہ محاذ قائم
کرلیا تھا اور اس کے ساتھ ہی بی۔ کے نہرو کو گورنر کے عہدے سے سبکدوش کرکے قاعدے
اور کنونشن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اور جموں کشمیر سے مشورہ کیے بغیر اندرا کانگریس کی
مرکزی حکومت نے اپنے ایک آئی، کار سرکاری افسر جگ موہن کو جموں و کشمیر کا گورنر بنا کر
بھیج دیا

جگموہن کی غیر آئینی تقرری

ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اس پر بھی نئی دہلی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور گورنر کی
تقرری کے سلسلے میں آئین کو یکسر نظرانداز کرنے کے معاملے پر اسمبلی میں پیش کی گئی تحریکِ
التوا، سپیکر نے وزیر اعلیٰ سے مشورہ کرکے مسترد کر دی۔

اندرا کانگریس کی طرف سے کشمیر کی صورتِ حال پر بار بار تشویش ظاہر کی جانے لگی
اور سرینگر میں پے در پے دھماکوں کا عمل بھی شروع ہو گیا۔ کشمیر یونیورسٹی کے علاوہ مقبول
بٹ کو سزائے پھانسی سنانے والے جج نیل کنٹھ گنجو کو بھی بم دھماکے میں ہلاک کرنے کی کوشش
کی گئی۔ ان دھماکوں کے سلسلے میں بھی بہت سے افراد گرفتار کیے گئے اور محاذِ آزادی اور دوسری
ہندوستان مخالف جماعتوں نے بڑے پیمانے پر گرفتاریوں کے خلاف احتجاج کیا۔
جس کے جواب میں کشمیر پولیس نے انکشاف کیا کہ پاکستان سے ہتھیار یہاں لائے گئے
ہیں اور اس سلسلے میں مشتبہ افراد کو گرفتار کیا جا رہا ہے۔

پولیس نے بتایا کہ ہوائی اڈے پر نواکدل کے ایک نوجوان منیر احمد خان کو گرفتار
کیا گیا ہے، جو بظاہر ایمپوریم میں ملازم ہے۔

اسلام آباد میں ممتازہ نامی ایک اُستانی کو بھی گرفتار کیا گیا۔ جس کے بارے میں پولیس
نے بتایا کہ وہ ہتھیار در آمد کرنے کے سلسلے میں مطلوب تھی۔ پولیس نے دعویٰ کیا کہ اُس نے
دوسرے کئی افراد سے دستی بم، ریوالور اور دوسرے ہتھیار برآمد کیے ہیں اور پولیس کے مطابق
پیپلز لیگ کے شبیر احمد شاہ بھی بم دھماکوں کے سلسلے میں گرفتار کیے گئے ہیں، اسی دوران سیاسی
سین تبدیل ہونے لگا اور ۲۳ مئی ۱۹۸۴ء کو سرینگر کے اقبال پارک میں غلام محمد شاہ اور اُن کے

ساتھی کھُل کر سامنے آگئے اور انھوں نے متوازی نیشنل کانفرنس قائم کرکے ڈاکٹر فاروق کی بہن خالدہ کو ڈاکٹر فاروق کے مقابلے میں اپنا صدر منتخب کر لیا۔ جس کے خلاف ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے ۲۶ مئی ۱۹۸۴ء کو مجاہد منزل سے ایک جلوس نکال کر اقبال پارک میں اپنا جلسہ منعقد کیا جس میں اندرا کانگریس پر الزام لگایا کہ وہ کشمیر اسمبلی کے ممبروں کو خرید کر یہاں کانگریس کی حکومت قائم کرنے کے درپے ہے۔

اس کے دو دن بعد سرینگر میں الحاق مخالف قوتوں نے زبردست مظاہرہ کیا، مکمل ہڑتال کروائی گئی اور طلبہ کے ایک بڑے مظاہرے کو منتشر کرنے کے لیے گولی چلادی گئی۔

وادی کے دوسرے علاقوں سوپور، بڈگام اور چرار شریف میں بھی طلباء نے مظاہرے کیے اور سرینگر میں تمام کالجوں پر مسلح پولس بٹھادی گئی۔ درجنوں افراد گرفتار بھی کیے گئے اور پوری وادی تشدد کی لپیٹ میں آگئی۔ سوپور میں طلبا اور پولیس کے درمیان جھڑپوں میں کئی افراد ہلاک ہوگئے۔ صفاکدل کے قریب دریائے جہلم سے ایک سٹوڈنٹ کی لاش برآمد کی گئی جس کے خلاف سخت غم و غصّہ پھیل گیا۔ ایک اندازے کے مطابق اس موقع پر چھ سو سے زیادہ افراد کو گرفتار کیا گیا۔

پنجاب میں ۷ جون ۱۹۸۴ء کو جب فوج دربار صاحب میں داخل ہوگئی تو وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق نے حکومتِ ہند کے اس فیصلے کی تائید و حمایت کی جس کے خلاف سرینگر میں تشدد کی وارداتوں اور فائرنگ کے دوران گیارہ افراد ہلاک ہوگئے۔ اس کے اگلے دن پولیس نے مہاراج بازار میں دو مسلمانوں کو بلا پوچھے گولی مار دی۔ ان میں سے ایک شخص اپنی بیمار بیوی کو للہ دید ہسپتال میں کھانا دے کر خالی ٹفن کیریر لے کر واپس گھر جا رہا تھا اور دوسرا حبہ کدل کا خورشید احمد بٹ سڑک پر پیدل چل رہا تھا۔ ان سفّاکانہ وارداتوں کے خلاف وادی میں سخت غم و غصّے کا اظہار کیا گیا۔ لیکن ڈاکٹر فاروق کی حکومت نے ایسی کسی بھی واردات کی تحقیقات کا مطالبہ مسترد کر دیا اور عوامی احتجاج کو طاقت استعمال کر کے دبا دیا گیا۔

اُدھر اندرا کانگریس، نیشنل کانفرنس کے ممبران اسمبلی کو توڑنے کی کاروائیاں جاری رکھے ہوئے

تھی۔ ان میں سے جو ممبران اسمبلی دن کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے ہاں جا کر ان کے ساتھ وفاداری کی قسمیں کھاتے تھے وہ رات کے کھانے پر اندرا کانگریس کے ریاستی صدر مفتی محمد سعید کے ہاں دیکھے جاتے تھے۔

کانگریس نے نیشنل کانفرنس کے بارہ ممبرانِ اسمبلی کو ورغلا لیا اور عید الفطر کے دو دن بعد ۲ جولائی ۱۹۸۴ء کو بارہ کے بارہ باغی ممبرانِ اسمبلی نے گورنر جگموہن کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔ ڈاکٹر فاروق نے گورنر سے ملاقات کر کے ان کو آئین کے مطابق اقدام کرنے کا مشورہ دیا لیکن جگموہن کو چونکہ کارِ خاص کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس لیے اس نے آئین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے غلام محمد شاہ کو وزیرِ اعلیٰ کا حلف دلوا دیا۔

کانگریس نے دراصل عبوری مدّت کے لیے یہ انتظام کیا تھا، ورنہ ۷۶ ممبروں کی اسمبلی میں صرف دس یا بارہ ممبروں کی حمایت پر غلام محمد شاہ وزیرِ اعلیٰ نہیں بن سکتے تھے۔ نئی دہلی کے اس اقدام کے خلاف جب سرینگر میں لوگوں نے مظاہرے شروع کر دیئے۔ تو شہر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ اندرا کانگریس کی حمایت سے ۷۶ ممبروں کی اسمبلی میں دس بارہ ممبروں کو اپنے ساتھ ملا کر غلام محمد شاہ وزیرِ اعلیٰ تو بن گئے۔ لیکن لوگوں نے ان کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اسی دوران صورہ میں شیخ محمد عبداللہ کے آبائی مکان کو نذرِ آتش کر کے خاکستر کر دیا گیا۔ اس کارروائی میں الحاق مخالف عناصر کا ہاتھ بتایا گیا۔ اندرا کانگریس سے سازباز کرنے اور ڈاکٹر فاروق سے باغی ہونے والے ممبرانِ اسمبلی میں حسام الدین بانڈے، جموں کے طالب حسین اور گر بچن کماری، حبہ کدل سرینگر کی کھیم لتا وکھلو، رفیع آباد کا دلاور میر، کرگل کا منشی حبیب اللہ، بانڈی پور کا محمد خلیل جوہر، ٹنگمرگ کا غلام حسن میر، پلوامہ کا ثناء اللہ ڈار، بڈگام کا حکیم یاسین، گاندربل کا شیخ عبدالجبار اور مرزا افضل بیگ کا بیٹا محبوب بیگ شامل تھے۔ ان سب کے سب کو وزارت میں شامل کر لیا گیا۔ سرینگر میں کرفیو نافذ کرنے کے ساتھ ہی شہر میں نیم فوجی دستے متعین کیے گئے۔

اقتدار کی اس جنگ میں شیخ محمد عبداللہ کا گھرانہ ایک دوسرے کے خلاف برسرِپیکار ہو گئے۔ بیگم عبداللہ نے اپنے بیٹے کا ساتھ دیا۔ ثریا عبداللہ غیر جانبدار رہی۔

مشتاق احمد زرگر
العمر مجاہدین کے سربراہ

طارق عبداللہ نے غلام محمد شاہ کا ساتھ دیا۔ بیگم عبداللہ اپنی بیٹی خالدہ کے خلاف پبلک طور پر کھلے عام یہ الزام لگانے لگیں کہ وہ رات کے اندھیرے میں پُراسرار طور پر ممبرانِ اسمبلی کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے اُن کے گھروں میں دیکھی جاتی رہی ہے، شیخ محمد عبداللہ کے کنبے کے افراد ایک دوسرے کے خلاف گالی گلوچ پر اُتر آئے اور پھر ۶ر جولائی کو ہندوستان مخالف عناصر نے سرینگر سے نئی دہلی جانے والا طیارہ ہائی جیک کر کے لاہور پہنچا دیا۔

سرینگر میں مسلسل کرفیو نافذ رکھنے کی وجہ سے غلام محمد شاہ کو عام لوگ "گلہ کرفیو" کے نام سے پکارنے لگے۔

۱۳ر جولائی ۱۹۸۴ء کو یوم شہدا پر جلسے جلوس کی اجازت نہیں دی گئی اور شہر میں برابر کرفیو نافذ رکھا گیا۔ نئے وزیر اعلیٰ غلام محمد شاہ پر اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے لیے جب ریاستی اسمبلی کا اجلاس طلب کیا گیا تو اسمبلی کے باقاعدہ اجلاس سے ایک دن پہلے سپیکر نے غلام محمد شاہ کی حمایت کرنے والے ۱۳ر ممبرانِ اسمبلی کو ایوان کی رکنیت سے خارج کر دیا۔ چنانچہ جب ۳۱ر جولائی ۱۹۸۴ء کو اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو اندرا کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے باغی ممبرانِ اسمبلی نے سپیکر ولی محمد ہتو کو مار پیٹ کر زبردستی صدارت کی کرسی سے اُتار کر ایوان کے باہر پھینک دیا اور جموں کے سردار رنگیل سنگھ کو سپیکر کی کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ اس مرحلے پر فریقین کے درمیان مُکّے بازی، مار دھاڑ، ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔ اور ایوان سے باہر کے درجنوں لوگوں نے اسمبلی ہال میں داخل ہو کر ڈاکٹر فاروق اور اس کے حامیوں کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔

پولیس نے ڈاکٹر فاروق کے تقریباً پچاس حامیوں کو گرفتار کر لیا اور غلام محمد شاہ کی ہدایت پر عبدالغنی لون اور بھیم سنگھ کو سینٹرل جیل سرینگر پہنچا دیا۔ ہنگامہ آرائی کے بعد اندرا کانگریس والوں نے بڑے آرام کے ساتھ اپنے ایک ممبر لالہ منگت رام شرما کو سپیکر بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی سرینگر میں دوبارہ کرفیو نافذ کر کے تشدد کی وارداتوں پر قابو پانے کی کوشش کی گئی۔

ماسٹر محمد احسن ڈار

جو ابتدا میں حزب المجاہدین نامی تنظیم کے چیف کمانڈر تھے اور جنہوں نے حزب المجاہدین سے سبکدوش کئے جانے کے بعد اپنی الگ تنظیم "مسلم مجاہدین" قایم کی، جس کے وہ سربراہ بنے

بٹہ مالو سرینگر کے مشتاق احمد بٹ المعروف مشتاق الاسلام

جنہوں نے کشمیر میں مسلح جدوجہد کیلئے "حزب اللہ" نام کی تنظیم قایم کی اور جن کو ۱۹۹۲ء میں اُن کے گھر سے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا

بیروہ کشمیر کے ہلال احمد المعروف ناصر الاسلام
جو پہلے حزب المجاھدین میں امیر تھے۔ اور بعد میں اپنی الگ تنظیم "جمیعت المجاہدین"
قائم کر کے اُس کے سربراہ بنے

بخشی غلام محمد
جو ۱۹۴۷ء میں نائب وزیر اعظم بنائے گئے اور جنہوں نے ۹ راگست
۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ کی حکومت کا تختہ الٹ کر خود وزیر اعظم
کا منصب سنبھالا

خواجہ عبدالغنی لون
پیپلز کانفرنس کے بانی سربراہ

شیخ محمد عبداللہ کے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ
جو کشمیر میں مسلح جدوجہد شروع ہوتے ہی اقتدار سے مستعفی ہو کر
کشمیر سے فرار ہو گئے

اندرا کانگریس کی اس زبردستی کے خلاف احتجاجی ہڑتال کی گئی اور نیم فوجی دستوں کی فائرنگ کے دوران کئی لوگ ہلاک ہو گئے، جن کو پولیس لائن میں اجتماعی طور پر دفن کر دیا گیا۔

سرینگر کے علاوہ سوپور، کپواڑہ اور دوسرے قصبوں میں احتجاج کرنے والوں نے کئی سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی اور سرکاری اسٹور لوٹ لیے گئے، عوام کے غم و غصّے کو دیکھتے ہوئے نئی دہلی نے غلام محمد شاہ کی حکومت کو پے در پے مراعات سے نوازنا شروع کر دیا اور مالی امداد میں بھی اضافہ کیا گیا۔ اس کے باوجود کشمیر میں نئی دہلی کے خلاف احتجاجی مہم جاری رہی۔

اسی دوران ۱۳ اگست ۱۹۸۴ء کو لاس اینجلز میں ہاکی کے اولمپک مقابلوں میں جب مغربی جرمنی نے فائنل میچ میں پاکستان کے خلاف گول کر دیا تو اس پر چوٹہ بازار میں غلام محمد نامی ایک شخص کا ہارٹ فیل ہو گیا اور پھر جب پاکستان نے مغربی جرمنی کے ایک گول کے مقابلے میں دو گول کر کے فائنل جیت لیا تو پوری وادی میں پاکستان کی کامیابی پر جشن منایا جانے لگا۔ اور سرینگر میں جشن منانے والوں اور پولیس کے درمیان جھڑپوں کے دوران درجنوں افراد زخمی ہو گئے۔ اور تقریباً ۲۵ نوجوان گرفتار کر لیے گئے۔

اس کے اگلے دن ۱۴ اگست کو یوم استقلالِ پاکستان پر سرینگر اور وادی کے دوسرے بہت سے علاقوں میں تقریبات منعقد کی گئیں اور پوری وادی میں نیم فوجی دستوں کے زبردست پہرے کے باوجود متعدد مقامات پر سبز ہلالی پرچم لہرائے گئے اور اس کے اگلے دن ہندوستان کے یوم آزادی پر وزیر اعلیٰ غلام محمد شاہ نے سرینگر کے بخشی اسٹیڈیم میں فوجی پریڈ کی سلامی لے کر اپنی دیرینہ تمنّا پوری کر لی۔

اُدھر غلام محمد شاہ سرینگر اسٹیڈیم میں فوجی پریڈ کی سلامی لے رہے تھے اور اِدھر سرینگر میں ہندوستان مخالف مظاہرے ہو رہے تھے اور جب مظاہرین نے لال چوک، بڈشاہ چوک اور دوسرے اہم علاقوں میں احتجاجی جلوس نکالے تو سرینگر میں دوبارہ کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ اور نئی دہلی میں کشمیر کی صورتِ حال پر روایتی تشویش ظاہر کی گئی۔ جس کے بعد
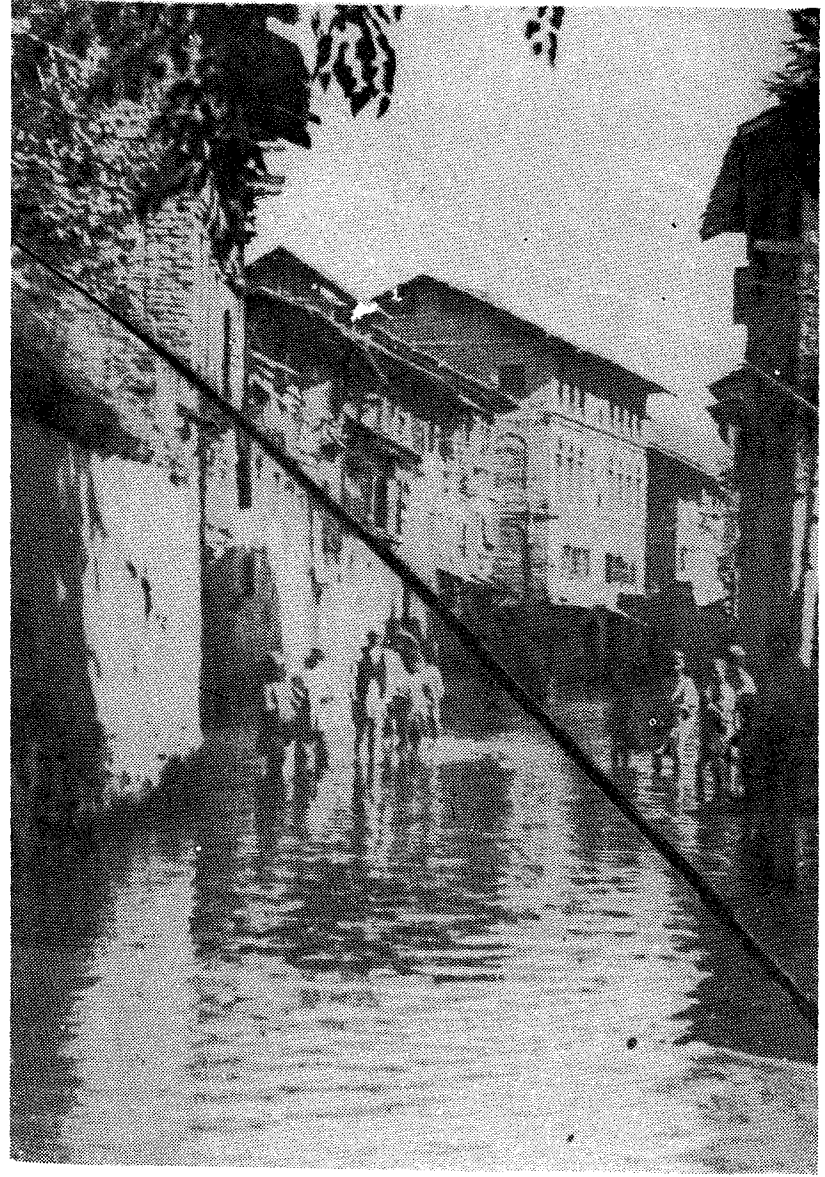
۱۸۳۵ء میں سرینگر شہر کی ایک جھلک

۲۴ اگست ۱۹۸۴ء کو انڈین ایئرلائنز کا نئی دہلی سے سرینگر آنے والا طیارہ ہائی جیک کر لیا گیا۔ طیارے میں ۸۶ مسافر سوار تھے اور اسے جب لاہور کے ہوائی اڈے پر اتارنے کی کوشش کی گئی۔ تو ایک گھنٹے تک اسے وہاں اترنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ لیکن جب پائلٹ نے ہوائی اڈے کے حکام کو بتایا کہ جہاز کا ایندھن ختم ہو رہا ہے جس پر اسے ہوائی اڈے پر اترنے کی اجازت دی گئی۔ اور جب ہوائی اڈے کے حکام نے طیارے کے لیے ایندھن دینے سے انکار کر دیا۔ تو ہائی جیکروں نے جہاز کے تمام مسافروں کو ہلاک کرنے کی دھمکی دی۔ جس پر جہاز میں ایندھن بھر دیا گیا۔ اور ہائی جیک کیا گیا طیارہ لاہور سے روانہ ہونے کے بعد کراچی ہوائی اڈے پر اتر گیا۔

ہائی جیک کیا گیا طیارہ وہاں سے پرواز کرنے کے بعد دوبئی ہوائی اڈے پر جا اترا، جہاں ہائی جیکروں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

کشمیر میں آزادی کی تحریک برابر جاری تھی، تھوڑے تھوڑے وقفے سے سرینگر کے علاوہ وادی کے قصبہ جات میں طلباء اور نوجوانوں کے مظاہرے ہوتے تھے۔ ہڑتالوں کا سلسلہ بھی جاری تھا اور سرکاری طور پر زیادہ سے زیادہ نیم فوجی دستے منگوا کر حالات پر قابو پانے کی کوششیں بھی جاری تھیں اس کے ساتھ ہی وزیر اعلیٰ غلام محمد شاہ، اُن کی بیگم خالدہ شاہ اور اُن کی پارٹی کا جنرل سکریٹری غلام نبی کوچک اندرا کانگریس کی حمایت میں نعرے بلند کرتے تھے اور کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا دفاع کرنے کی قسمیں کھاتے تھے۔ غلام محمد شاہ اور ڈاکٹر فاروق بیک وقت دونوں شیخ محمد عبداللہ کی حمایت کا دم بھرتے تھے، چنانچہ دونوں دھڑوں نے شیخ محمد عبداللہ کی برسی پر ۱۲ ستمبر ۱۹۸۴ء کو جلسے منعقد کیے۔

غلام محمد شاہ نے اپنے سرکاری بنگلے پر اور ڈاکٹر فاروق نے اپنے باپ کے مزار پر جلسے منعقد کیے، ڈاکٹر فاروق کے جلسے میں میرواعظ مولانا فاروق اور عبدالغنی لون نے بھی شرکت کی۔ اسی موقع پر اندرا کانگریس کے جنرل سکریٹری راجیو گاندھی سرینگر آئے اور یہاں بیگم خالدہ شاہ اور غلام محمد شاہ سے ملے اور اُن کو اندرا کانگریس کی طرف سے اقتدار میں شرکت کیے بغیر اندرا کانگریس کی حمایت جاری رکھنے کا یقین دلایا۔ حالانکہ اندرا کانگریس نے صرف

تیرہ ووٹوں کی حمایت کے مالک غلام محمد شاہ کو محض دکھاوے کے لیے وزیر اعلیٰ بنایا تھا اور موقع ملنے پر وہ خود اقتدار پر قبضہ جمانے کے عزائم کا اعلانیہ اظہار کر رہے تھے۔ اس مقصد کے لئے ان کا نیشنل کانفرنس کے اُن بارہ باغی اسمبلی ممبروں سے برابر رابطہ قائم تھا، جو غلام محمد شاہ کے حامی تھے، تاکہ ان کو دوبارہ غلام محمد شاہ سے الگ کر کے کانگریس حکومت کی حمایت پر آمادہ کر لیا جائے، البتہ اندرا کانگریس کے لیڈر اس مہم سے خوفزدہ تھے جو الحاق مخالف عناصر چلا رہے تھے۔ اس سلسلے میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے اُن پوسٹروں کے ذریعے کھلبلی مچا دی تھی جن میں کشمیر کو آزاد کروانے کے لیے مسلح جدوجہد کے عزائم ظاہر کیے جاتے تھے۔ ان پوسٹروں کے منظرِ عام پر آنے اور بار بار احتجاجی مظاہروں کی وجہ سے کشمیر کے تعلیمی اداروں پر مسلح پولیس بٹھا دی گئی تھی، جس کے باوجود کالجوں اور دوسرے تعلیمی اداروں میں امن وسکون ناپید ہو چکا تھا۔ ان حالات میں ۱۵ ستمبر ۱۹۸۴ء کو سرینگر میں دوبارہ کرفیو نافذ کر دیا گیا اور دیکھتے ہی گولی مار دینے کا اعلان کیا گیا۔ جس کے باوجود زینہ کدل کو نذرِ آتش کرنے کی کوشش کی گئی۔

۲ اکتوبر کو پھر سرینگر میں کرفیو نافذ کیا گیا، فائرنگ سے کئی افراد ہلاک کیے گئے اور غلام محمد شاہ نے قانون ساز کونسل کا یک طرفہ اجلاس طلب کیا جو صرف ۳۵ منٹ تک جاری رہ سکا اور جس میں زور زبردستی کے ذریعے کونسل کا نیا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ حالت اس قدر خراب تھی کہ کشمیر میں مختلف درجوں کے سالانہ امتحانات بار بار ملتوی کیے جاتے رہے اور حکمراں ٹولے نے قانون ساز کونسل کی آٹھ خالی نشستوں کے لیے الیکشن کروانے کا اپوزیشن کا مطالبہ بھی مسترد کر دیا۔ پورا کشمیر تشدد کی لپیٹ میں تھا۔

گولی لاٹھی بار بار

نوجوانوں کی گرفتاریاں جاری تھیں، گولی اور لاٹھی حکومت کر رہی تھی اور سرینگر میں ہر دوسرے یا تیسرے دن کرفیو نافذ کرنا ایک معمول بن گیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب سرینگر میں محرّم کا جلوس نکالنے کی اجازت نہیں دی گئی اور یوم عاشورہ پر بھی کرفیو نافذ کیا گیا اور ١٠ اکتوبر ١٩٨۴ء کو کشمیر کے ایک مشہور عالم دین مولانا نورالدین جو سعودی عرب میں انتقال کر گئے تھے، اُنکی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی اُدھر ضلع ڈوڈہ میں بھی الحاق مخالف عناصر سرگرم ہو گئے اور انھوں نے ١١ اکتوبر ١٩٨۴ء کو ریاستی اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر کو ہلاک کرنے کے لیے کشتواڑ کے ڈاک بنگلے پر بم پھینکے، جبکہ اُسی روز سرینگر میں غلام محمد شاہ کی نیشنل کانفرنس کے صدر دفتر کو نذر آتش کر دیا گیا اور ساری وادی میں لبریشن فرنٹ کے پوسٹر بھر تقسیم کیے گئے جن میں کشمیر کی آزادی کا مطالبہ کیا گیا۔ جب ٢٧ اکتوبر ١٩٨۴ء کو ہندوستان کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کشمیر کے دورے پر سرینگر آئیں تو اُسی رات نواکدال پل کو نذر آتش کر دیا گیا

اور الحاق مخالف قوتوں نے مظاہرے کیے، جس پر امن و قانون کی مشینری کی جواب طلبی کی گئی۔ مسز اندرا گاندھی نے سرینگر میں اپنے قیام کے دوران اندرا کانگریس کے مقامی لیڈروں کو ہدایت دی کہ وہ اپنا اقتدار قائم کرنے کے معاملے میں کچھ دیر اور انتظار کریں اور نیشنل کانفرنس میں اختلافات بڑھانے کی کوششیں تیز کر دیں تاکہ غلام محمد شاہ کا دھڑا اور ڈاکٹر فاروق کا دھڑا دوبارہ متحد نہ ہو سکیں۔

٣١ اکتوبر ١٩٨۴ء کو نئی دہلی میں ہندوستان کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو اُس کے اپنے محافظوں نے اس کے جسم میں ٢٨ گولیاں پیوست کر کے ہلاک کر دیا اور مسز اندرا گاندھی کے قتل

کے بعد اُن کے بیٹے راجیو گاندھی کو ہندوستان کا وزیر اعظم مقرر کر دیا گیا۔ جب اندرا گاندھی کی استھیاں سرینگر لائی گئیں تو غلام محمد شاہ اور بیگم خالدہ شاہ نے اُن پر پھول چڑھائے اور خراج عقیدت ادا کیا۔

ہندوستان کے نئے وزیر اعظم راجیو گاندھی نے فوری طور پر لوک سبھا کے لیے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ جس پر جموں و کشمیر میں بھی مختلف سیاسی پارٹیاں انتخابی محاذ پر سرگرم ہو گئیں۔ نئی دہلی میں ہندوستان کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو ہلاک کرنے کے بعد، اندرا کانگریس اور غلام محمد شاہ کے درمیان اختلافات کی خلیج بڑھنے لگی۔ اور بہت سے لوگ جن میں کچھ اہم کارکن اور سابق وزیر بھی شامل تھے۔ خالدہ نیشنل کانفرنس سے الگ ہونے لگے۔ پارلیمانی انتخابات کے سلسلے میں بھی غلام محمد شاہ اور اندرا کانگریس کے درمیان مفاہمت نہیں ہو سکی۔ کیونکہ کانگریس کے لیڈر بڑے چالاک تھے اُن کو قبل از وقت اس بات کا اندازہ تھا کہ الیکشن میں اندرا کانگریس یا غلام محمد شاہ کا کوئی ایک امیدوار بھی کامیاب نہیں ہو پائے گا۔ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی نیشنل کانفرنس نے سرینگر، اسلام آباد اور بارہ مولہ کے تینوں پارلیمانی حلقوں سے اپنے امیدوار کھڑے کیے۔

اسلام آباد سے بیگم عبداللہ، سرینگر سے عبدالرشید کابلی اور بارہ مولہ سے پروفیسر سیف الدین سوز کو کھڑا کیا گیا۔ طارق عبداللہ سرینگر پارلیمانی حلقے سے خالدہ نیشنل کانفرنس کے امیدوار تھے۔ لیکن اُس کی جگہ خالدہ شاہ نے بعد میں اپنے بیٹے مظفر شاہ کو کھڑا کر دیا۔ جماعتِ اسلامی نے انتخاب میں حصّہ لینے سے انکار کر دیا اور کسی بھی حلقے سے اپنا امیدوار کھڑا نہیں کیا۔

ڈبل فاروق اور انتخابی اتحاد

اس الیکشن کے موقع پر بھی عوامی ایکشن کمیٹی کے سربراہ میرواعظ مولانا فاروق نے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی طرف سے نامزد کیے گئے امیدواروں کی حمایت کا اعلان کیا، وزیراعلیٰ غلام محمد شاہ نے اپنے بیٹے مظفر شاہ کو انتخابات میں کامیاب کروانے کے لیے سرکاری انتظامیہ کا ناجائز استعمال شروع کردیا، جو بڑے افسر وزیراعلیٰ کے دباؤ میں نہیں آئے اُن کو اُن کے عہدوں سے سبکدوش کردیا گیا۔ اصل میں غلام محمد شاہ اور اُن کے کیمپ کو اس بات کا یقین تھا کہ اُن کا اُمیدوار وزیراعلیٰ کا بیٹا ہونے کے باوجود کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ البتہ کشمیر میں حکمراں ٹولے کی طرف سے روائتی ووٹ چوری اور دھاندلیوں کے تجربات کی بنا پر غلام محمد شاہ نے اپنے بیٹے کو انتخابی میدان میں جھونک دیا اور شیخ محمد عبداللہ کی بیٹی خالدہ شاہ نے اپنے باپ کے نام پر مظفر شاہ کو ووٹ دینے کی اپیل کردی۔ اِدھر انتخابی مہم عروج پر تھی اور اُدھر سرینگر سے نئی دہلی جانے والا ایک اور طیارہ ہائی جیک کرنے کی کوشش کی گئی، جسے بعض مسافروں نے کامیاب نہیں ہونے دیا اور اس کے ساتھ ہی پیپلز لیگ کے جنرل سکریٹری شبیر احمد شاہ نے سینٹرل جیل سرینگر سے اخبارات کے نام اپنے ایک بیان میں لوگوں کو خبردار کیا کہ الیکشن کی آڑ میں اُن کے ساتھ پھر ایک بار دھوکہ کیا جارہا ہے۔

انتخابات میں اندرا کانگریسی اور غلام محمد شاہ کی حمایت کے لیے ہندوستان کے وزیراعظم مسٹر راجیو گاندھی بھی کشمیر آئے اور انتخابات میں اپنی پارٹی اور غلام محمد شاہ کے امیدواروں کو ووٹ دینے کی اپیل کی، جبکہ اُن کی آمد کے موقع پر بھی سرینگر اور وادی کے دوسرے قصبوں میں سبز ہلالی پرچم لہرائے گئے۔ یہی حال اُن انتخابی جلسوں میں بھی دیکھا گیا، جن میں

شیخ محمد عبداللہ کی بیٹی خالدہ شاہ نے اپنے بیٹے کے لیے ووٹ کی اپیل کی۔ انتخابات کے دوران بڑے پیمانے پر اندرا کانگریس اور وزیراعلیٰ غلام محمد شاہ کی طرف سے دھاندلیوں، سرکاری مشینری کے بے پناہ ناجائز استعمال کے باوجود ڈاکٹر فاروق کی نیشنل کانفرنس کے تینوں امیدوار الیکشن جیت گئے اور اندرا کانگریس اور اس کی حمایت کرنے والے وزیراعلیٰ غلام محمد شاہ کے امیدواروں کو شکست ہوگئی اور بڑے پیمانے پر ووٹ چوری کے بعد بھی غلام محمد شاہ کے بیٹے کے بیلٹ بکسوں میں صرف دس بارہ ہزار ووٹ ڈلوائے جاسکے۔

انتخابات میں شکست کے ساتھ ہی اندرا کانگریس اور غلام محمد شاہ کے درمیان باہمی میل ملاپ کمزور پڑنے لگا اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے بعض درمیانہ دار مرکزی افسروں کے ذریعے ہندوستان کے نئے وزیراعظم مسٹر راجیو گاندھی کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوششیں تیز کردیں۔

کشمیر میں غلام محمد شاہ نے انتخابات میں اپنی شکست کا انتقام اعلیٰ سرکاری افسروں سے لینا شروع کردیا۔ ڈائریکٹر جنرل پولیس پیر غلام حسن شاہ کو یک جنبشِ قلم اُن کے عہدے سے ہٹا دیا گیا، اور جموں کے منموہن کھجوریہ کو اس عہدے پر فائز کیا گیا۔ پیر غلام حسن شاہ نے وزیراعلیٰ غلام محمد شاہ کے احکامات ماننے سے انکار کرتے ہوئے ملازمت سے مستعفی ہوجانے کا اعلان کردیا، دوسرے کئی اعلیٰ افسروں کو بھی انکے عہدوں سے سبکدوش کردیا گیا۔

آزادی کے لیے عزائم

غلام محمد شاہ کو ویسے بھی اس بات کا کوئی اطمینان نہیں تھا کہ ان کو برسرِ اقتدار رہنے دیا جائے گا ایک طرف کشمیر میں الحاق مخالف سرگرمیاں فروغ پا رہی تھیں اور دوسری طرف اندرا کانگریس غلام محمد شاہ کو ہٹا کر اقتدار پر خود قبضہ کرنے کے لیے پر تول رہی تھی۔

الحاق مخالف قوتوں نے ۱۱ رفروری کو مقبول بٹ کی برسی پر سرینگر اور قصبہ جات میں ہڑتال کروائی، احتجاجی مظاہرے ہوئے، کئی سرکاری گاڑیاں نذرِ آتش کر دی گئیں، نیم فوجی دستوں کو صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے گولی چلانا پڑی جس میں ایک نوجوان ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے۔ سرینگر میں بم دھماکوں کی کئی وارداتیں بھی ہوئیں اور پچاس سے زیادہ افراد زخمی کیے گئے، کئی دن تک مظاہرے ہوتے رہے اور بھاری تعداد میں نیم فوجی طلب کیے جانے کے بعد بھی امن و قانون بحال نہیں کیا جا سکا۔ اندرا کانگریس نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے مفتی محمد سعید کو جموں کے رنبیر سنگھ پورہ انتخابی حلقے سے ضمنی انتخاب کے لیے کھڑا کیا، وہ وادی کے کسی بھی انتخابی حلقے سے کامیاب نہیں ہو سکتے تھے، اُن کے جموں کے رنبیر سنگھ پورہ انتخابی حلقے سے منتخب ہو جانے کو غلام محمد شاہ کی حکومت کے لیے ڈیتھ وارنٹ سے تعبیر کیا گیا۔

اندرا کانگریس نے غلام محمد شاہ کو پبلک طور پر کوسنا شروع کر دیا۔ نئی دہلی میں بھی چونکہ غلام محمد شاہ کو چلتا کرنے کے ارادے باندھے جا رہے تھے، اس لیے گورنر جگ موہن نے اندرا کانگریس کے مقامی لیڈروں کے ساتھ سازباز شروع کر دی، جس پر وزیرِ اعلیٰ غلام محمد شاہ برہم ہونے لگے اور اُن کے کچھ حامی اندرا کانگریس کے مقابلے میں سرگرم ہو گئے۔

غلام محمد شاہ اب بیک وقت دو سیاسی محاذوں پر برسرِ پیکار ہو گئے۔ وہ ایک طرف اپنے برادر نسبتی ڈاکٹر فاروق سے خائف تھے۔ اور دوسری طرف اندرا کانگریس کے طرزِ عمل کی وجہ سے اقتدار کا تختہ اُن کے پاؤں تلے سے کھسکنے لگا تھا۔

اندرا کانگریس کی طرف سے دباؤ کے تحت غلام محمد شاہ نے جماعتِ اسلامی کے سید علی گیلانی اور اُن کے تمام ساتھیوں کو جن کی تعداد تقریباً پچاس بتائی گئی پھر گرفتار کر کے نظربند کر دیا۔ پیپلز لیگ اور جمعیۃ الطلباء کے حامیوں اور کارکنوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا، ایک اندازے کے مطابق جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ اُن کی تعداد دو سو سے زیادہ تھی تاہم سرکاری طور پر اس کی تصدیق نہیں کی گئی۔ گرفتار کیے جانے والوں میں پیپلز لیگ کے جنرل سکریٹری شبیر احمد شاہ بھی شامل بتائے گئے۔

کشمیر میں الحاق مخالف قوتوں کی سرگرمیوں میں اضافے کی پے در پے اطلاعات پر نئی دہلی نے وزیرِ اعلیٰ غلام محمد شاہ اور گورنر کو نئی دہلی طلب کیا، جہاں ان کی جواب طلبی کی گئی اور اُن کو ڈانٹ پلائی گئی۔ اس موقع پر غلام محمد شاہ سے مستعفی ہونے کو بھی کہا گیا اور اُن کی جگہ ان کی بیوی اور شیخ محمد عبداللہ کی بیٹی خالدہ شاہ کو وزیرِ اعلیٰ بنانے کی تجویز پیش کی گئی، جسے غلام محمد شاہ نے ناقابلِ قبول قرار دیتے ہوئے یہ ریمارکس پاس کیے کہ جب میں نئی کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوں، تو میری بیوی کو کیوں قابلِ قبول سمجھا جانے لگا ہے۔

غلام محمد شاہ کے ساتھ تبادلۂ خیال کے بعد ہندوستان کے وزیرِ اعظم مسٹر راجیو گاندھی نے ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور جموں و کشمیر میں اپنی پارٹی کے صدر مفتی سعید کو نئی دہلی بلایا اور ان کے ساتھ غلام محمد شاہ کی حکومت کو سبکدوش کرنے اور کشمیر میں کوئی متبادل حکومت قائم کرنے کے معاملے پر بات چیت کی۔ تاہم کوئی فوری فیصلہ نہیں کیا گیا۔ کیوں کہ ڈاکٹر فاروق اندرا کانگریس کے ساتھ مخلوط وزارت بنانے کے لیے اُن سخت شرائط پر آمادہ نہیں ہوئے جو اندرا کانگریس کی طرف سے پیش کی گئی تھیں۔ نئی دہلی کشمیر میں حالات کے بارے میں چونکہ تشویش میں مبتلا تھی، اس لیے

وہ اقتدار کی منتقلی کا کوئی راستہ نکالنا چاہتی تھی۔ کیونکہ نئی دہلی کے حکمرانوں کو مسلسل ایسی اطلاعات پہنچ رہی تھیں کہ کشمیر میں الحاق مخالف قوتیں مضبوط ہو رہی ہیں۔ اس کا مظاہرہ ۱۴ اگست کو ہوا۔ جب وادی کے تقریباً ہر علاقے میں پاکستان کا پرچم لہرایا گیا۔

ہندوستان کے خلاف مظاہرہ کرنے والوں پر لاٹھی چارج کیا گیا، ٹیئر گیس پھینکی گئی، گولی چلائی گئی، پھر بھی حالات قابو میں نہیں آسکے۔ یہاں تک کہ کشمیر یونیورسٹی اور شیخ عبداللہ کے مزار پر بھی پاکستانی پرچم لہرائے گئے اور ہندوستان کے ساتھ الحاق کے خلاف احتجاجی نعرے بلند کیے گئے۔

شالہ ٹینگ کے قریب ایک پٹرول پمپ لوٹ لیا گیا۔ سرینگر کے کئی علاقوں میں مکانوں پر پتھراؤ کیا گیا اور سرکاری طور پر بتایا گیا کہ سرینگر اور کچھ دوسرے علاقوں میں دھماکے کرنے میں ریاستی انتظامیہ کے بعض اعلیٰ سرکاری افسروں کا ہاتھ ہے۔ دگرگوں حالات کا جائزہ لینے کے لیے نئی دہلی سے مرکزی وزیر داخلہ دوڑتے ہوئے سرینگر پہنچے اور یہاں اعلیٰ حکّام کے ساتھ ملاقاتوں میں حالات کے بارے میں پوچھ گچھ کی اور نئی دہلی کے لیے واپسی کے موقع پر کشمیر کے حالات کو سنگین قرار دے دیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ پچھلے ایک سال کے دوران دس ہزار سے زیادہ لوگ گرفتار کیے جا چکے ہیں اور اس کے باوجود صورتحال سنگین دکھائی دے رہی ہے۔

کشمیر میں کوئی بھی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جب کہ الحاق مخالف قوتیں اپنی سرگرمیوں کا ثبوت فراہم نہیں کرتی تھیں۔ مرکزی وزیر داخلہ کی سرینگر میں موجودگی کے دوران بھی نمائشگاہ میں پے در پے دھماکے ہوئے، جن میں متعدد افراد شدید طور پر زخمی ہو گئے۔ ان میں سے لڑہ مسجد کا اویس محمد ہلاک ہو گیا اور نمائش گاہ میں ایسی بھگدڑ مچی کہ سب کچھ درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ کشمیر میں ان واقعات پر پاکستان نے بھی تشویش کا اظہار کیا اور صدر پاکستان جنرل ضیاء نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کشمیر کا سوال پیش کرتے ہوئے کشمیری عوام کو حق خود ارادیت کا وہ موقع فراہم کرنے کے لیے کہا جس کا اقوام متحدہ نے کشمیری عوام سے وعدہ کر رکھا ہے۔

سرینگر میں صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد مرکزی وزیر داخلہ نے ہندوستان کے وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی کو حالات سے آگاہ کر دیا، جس کی بنا پر نئی دہلی نے کشمیر میں فوری اقدام کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ ایک بار پھر شارجہ میں ہندوستان کے خلاف کرکٹ میچ میں پاکستان کی جیت پر جب سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں جشن منایا گیا تو اس کے خلاف نئی دہلی نے پھر اظہارِ برہمی کیا۔

سرینگر میں بار بار دھماکے ہو رہے تھے۔ مہاراج گنج پولیس اسٹیشن کو بھی دھماکے سے اُڑانے کی کوشش کی گئی اور ہندوستان کی پارلیمنٹ میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا جانے لگا کہ کشمیر میں لبریشن فرنٹ کی سرگرمیاں بڑھ رہی ہیں اور جموں کشمیر کی حکومت نے اگرچہ بہت سے انتہاپسندوں کو گرفتار کیا ہے لیکن حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں جس کے ثبوت کے طور پر ۱۱ فروری ۱۹۸۶ء کے دن مقبول بٹ کو تہاڑ جیل میں پھانسی دینے کی تیسری برسی پر احتجاج کے طور پر کی گئی ہڑتال کا حوالہ دیکر پیش کی گئی۔ ۱۱ فروری ۱۹۸۶ء کو احتجاجی ہڑتال کے بعد سرینگر اور وادی کے قصبہ جات میں مسلسل احتجاجی مظاہرے کیے گئے اور تشدد آمیز وارداتوں کے بعد سرینگر، سوپور اور اسلام آباد میں غیر معینہ عرصے کے لیے کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

وزیر اعلیٰ غلام محمد شاہ کی درخواست پر بارڈر سیکورٹی فورس کی مزید دس کمپنیاں سرینگر لائی گئیں۔ اسلام آباد میں حالات کو قابو میں رکھنے کے لیے فوج طلب کر لی گئی۔ شہر میں دیکھتے ہی گولی مار دینے کے احکامات جاری کیے گئے اور پانچ سے زیادہ افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔

جماعت اسلامی کے حامی درجنوں اساتذہ کو غلام محمد شاہ نے ملازمتوں سے سبکدوش کر دیا۔ تاکہ وہ ہندوستان کے ساتھ اپنی وفاداری کا مزید ثبوت فراہم کر سکے۔ لیکن ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے اٹوٹ الحاق کی رٹ لگانے اور اندرا کانگریس کے ساتھ پیار اور محبت نبھانے کے لیے "سو سال پہلے مجھے تم سے پیار تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا"۔ کا اسٹیج پر گانا گانے

والے وزیرِاعلیٰ غلام محمد شاہ نئی دہلی میں ہندوستانی وزیرِاعظم مسٹر راجیو گاندھی کی منّت سماجت کر کے اقتدار میں رہنے کی جب کوئی گارنٹی حاصل نہیں کر سکے تو نئی دہلی سے بذریعہ طیارہ واپس جموں آئے تو ایرپورٹ پر طیارے سے باہر آتے ہی ان کو اقتدار سے برخاست کرنے کا پروانہ پیش کیا گیا۔

غلام محمد شاہ کو برطرف کر کے ریاستی اسمبلی معطّل رکھی گئی اور اندرا کانگریس کے لیڈر بھی لٹک کر رہ گئے اور اُن کو بھی فوری اقتدار نہیں مل سکا۔ غلام محمد شاہ کی حمایت کرنے والے نیشنل کانفرنس کے ممبران اسمبلی میں سے سات ممبروں نے دوبارہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی حمایت کر کے اپنے مخصوص مفادات کا دفاع کرنے کی کوشش کی لیکن ان کو کوئی کامیابی نہیں ہو سکی۔

غلام محمد شاہ کے اقتدار سے نکال باہر کرنے کے دوسرے دن ڈاکٹر فاروق کے حامی تقریباً ڈیڑھ سو لوگوں کے ہجوم نے لال چوک میں اسٹیٹ سنٹر لیبر یونین کے دفتر پر دھاوا بول دیا اور شاہ صاحب کے بیٹے مظفر شاہ کو، جس نے اپنے باپ کے اقتدار میں آنے کے بعد یونین پر قبضہ کر لیا تھا۔ یونین سے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ خود غلام محمد شاہ نے بھی پھر ایک بار سیاسی پینترا بدل کر اپنے ساتھیوں سمیت ڈاکٹر فاروق کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے اپنی بیوی اور فاروق عبداللہ کی بہن خالدہ شاہ کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے پاس بھیجا، تاکہ دوبارہ مفاہمت کے ذریعے اقتدار اسی خاندان کے پاس رہے، جب کہ ان کی حمایت کرنے والے نیشنل کانفرنس کے باغی ممبرانِ اسمبلی نے اقتدار سے محرومی کے فوراً بعد غلام محمد شاہ کے خلاف عدم اعتماد کا اعلان کر دیا۔ اور اپنا ایک الگ آزاد گروپ قائم کیا۔ گورنر جگ موہن نے غلام محمد شاہ کو برطرف کر کے گورنر راج نافذ کرتے ہی۔

"ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت"

کے طور پر غلام محمد شاہ سے قربت رکھنے والے تمام اعلیٰ سول اور پولیس آفیسروں کو اُن کے عہدوں سے سبکدوش کر کے اپنی پسند کے افسروں کو اہم عہدوں پر تعینات کر دیا تھا، جنھوں نے

گورنر جگموہن کے اردگرد رقصِ بسمل شروع کر دیا۔ کشمیر میں بڑے سرکاری افسروں کا رول ہمیشہ موقع پرستانہ رہا ہے، وہی اعلیٰ افسر جو ڈاکٹر فاروق کے نزدیک بڑے قابلِ اعتماد تھے، غلام شاہ کے برسرِ اقتدار آتے ہی ان کے حواری بن گئے۔ اور غلام محمد شاہ کے اقتدار سے بے دخل ہوتے ہی وہ سارے افسر گورنر جگموہن کے پرستار بن گئے۔ کشمیر میں ان ڈرامائی واقعات کے بعد ڈاکٹر فاروق نے نئی دہلی کے چکّر لگانے شروع کر دیئے اور اندرا کانگریس کے ساتھ مفاہمت اور اشتراک و تعاون کی کوششیں تیز کر دیں۔ دوسری طرف کشمیر میں مختلف مذہبی اور سیاسی جماعتوں نے ایک مسلم متحدہ محاذ قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ ابتدائی طور پر بتایا گیا کہ مسلم متحدہ محاذ قائم کرنے کا مقصد کشمیری عوام کے تشخّص کا تحفّظ کرنا ہے۔

مولانا عبّاس انصاری کو مسلم متحدہ محاذ کا عبوری صدر بنایا گیا، اُدھر اندرا کانگریس کے سربراہ مسٹر راجیو گاندھی نے کشمیر میں اپنی پارٹی کے صدر مفتی محمد سعید کو کشمیر کی داخلی سیاست سے بے دخل کر کے مرکزی کابینہ میں وزیر بنا دیا۔ اس اقدام کا مقصد کشمیر کی سیاست سے ڈاکٹر فاروق کے ایک اہم مخالف کو میدان سے ہٹا دینا تھا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا۔ کہ کشمیر میں مستقبل کی سیاست کے سلسلے میں اندرا کانگریس اور ڈاکٹر فاروق کے درمیان ایسی سودے بازی ہو رہی ہے۔ جس کی بنا پر ڈاکٹر فاروق کو دوبارہ وزیرِاعلیٰ بنا دیا جائے اور اندرا کانگریس کی ریاستی شاخ کے ساتھ ڈاکٹر فاروق کی مفاہمت کے لیے راستہ ہموار کر دیا جائے۔

کشمیر میں الحاق مخالف قوّتوں کا زور برابر بڑھ رہا تھا۔ اسی دباؤ کے تحت پیپلز لیگ کے جنرل سکریٹری شبیر احمد شاہ کو اڑھائی سال نظر بند رکھنے کے بعد جب ہیرانگر جیل سے رہا کر دیا گیا تو پولیس نے اُن کو دوبارہ گرفتار کر لیا اور جماعتِ اسلامی کے سیّد علی شاہ گیلانی نے اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں پیرول پر رہا ہونے سے انکار کر دیا، تو صورتِ حال اور زیادہ مخدوش ہو گئی۔

تاریخ ساز تبدیلیاں

پولیس نے بہت سے مقامات پر چھاپے مارے اور سولہ سے زیادہ افراد کو گرفتار کر لیا، حالات جس انداز سے بگڑ رہے تھے اور نئی دہلی میں جس تیزی کے ساتھ تشویش بڑھ رہی تھی۔ اس کے پیشِ نظر ہندوستان کے وزیرِ اعظم راجیو گاندھی نے اپنی والدہ اندرا گاندھی کی پالیسی اپنالی اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے ساتھ ایکارڈ کرنے کے لیے اقدامات شروع کر دیئے۔ چنانچہ نئی دہلی کی ہدایت پر کشمیر میں تشکیل دیئے گئے متحدہ محاذ کے لیڈروں اور پی پلز کانفرنس کے صدر عبدالغنی لون سمیت درجنوں افراد کو راتوں رات ان کے گھروں سے گرفتار کر کے جموں کی ریاستی جیل میں پہنچا دیا گیا۔

حکومت کے اس اقدام کے خلاف عوامی سطح پر شدید ردِّعمل کا اظہار کیا گیا اور احتجاج کے طور پر ہڑتال کی گئی۔ ہڑتال کے دوران سرینگر اور اسلام آباد قصبے میں مظاہرین اور پولیس کے درمیان پے درپے جھڑپیں ہونے لگیں اور دباؤ اور جبر کی پالیسی کے خلاف ساری وادی میں غم و غصّے کی لہر دوڑ گئی۔ ہڑتال کے دوران مظاہروں پر قابو پانے کے لیے نوہٹہ میں پولس نے گولی چلادی، جس سے متعدد افراد ہلاک اور زخمی ہوگئے۔ احتجاج ساری وادی میں پھیل گیا اور لوگ گرفتار کیے گئے لیڈروں کی رہائی کا مطالبہ کرتے رہے۔ اسلام آباد اور سوپور کے قصبوں کو فوجی چھاؤنیوں میں تبدیل کر دیا گیا، پولیس والوں کی چھٹّیاں منسوخ کر دی گئیں، اور مزید نیم فوجی دستے لا کر وادی میں بٹھا دیئے گئے۔ سرینگر اور قصبہ جات میں کئی دن تک مسلسل ہڑتال رہی اور ہتھیار بند پولیس کے خلاف عوام پر جبر و زیادتیوں کے سنگین الزامات لگائے جاتے رہے۔ بیجبہاڑہ، اسلام آباد اور دوسرے قصبہ جات میں عوامی

احتجاج کا لاٹھی چارج اور ٹیئر گیس سے جواب دیا جاتا رہا۔ اس کے باوجود وادی میں ایجی ٹیشن پھیلتا گیا۔

چنانچہ ۱۶ ستمبر ۱۹۸۶ء سرینگر اور قصباجات میں طلباء اور طالبات احتجاج کے لیے سڑکوں پر آگئے۔ سرینگر میں زیرِ تعلیم طالبات نے سرینگر کی نمائش گاہ کے قریب گورنر جگ موہن کی کار کا عین اُس وقت گھیراؤ کیا جب وہ سیکریٹریٹ جا رہے تھے۔ گورنر کے سکیورٹی اہلکاروں اور سڑک پر متعین دستوں نے گورنر کو بچانے کے لیے فائر کر دیا۔ حالات اس حد تک دگرگوں ہوگئے کہ ہندوستان نواز عناصر کو رُوپوش ہو جانا پڑا۔
ڈاکٹر فاروق عبداللہ بھی خوف زدہ ہو کر سرینگر سے فرار ہو کر دِلّی جا بیٹھے۔ پولیس نے سرینگر کے انجینئرنگ کالج، کشمیر یونیورسٹی، اسلامیہ کالج اور دوسری درسگاہوں میں ظلم و بربریت کی انتہا کر دی اور بہت سے طلباء کے خلاف پولیس تھانوں میں مقدمات رجسٹرڈ کر لیے۔ طلباء اور عوام پر جبر و زیادتیوں کے خلاف وادی کے ہسپتالوں میں تمام سرکردہ ڈاکٹر بطور احتجاج مستعفی ہوگئے۔ مستعفی ہونے والے ڈاکٹروں کی تعداد نوّے سے تجاوز کر گئی۔
عوام پر ظلم و ستم ڈھانے والے حکمراں اور فوج کے خلاف مسلم متحدہ محاذ کی اپیل پر ۲۶ ستمبر کو سارے کشمیر میں "کشمیر بند" ہوا، جس کی وجہ سے ساری زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔
"کشمیر بند" کے دوران سوپور اور بارہ مولہ میں بڑے پیمانے پر احتجاج مظاہرے کیے گئے اور جب صورتِ حال قابو سے باہر ہو گئی تو دونوں جگہ غیر معیّنہ عرصہ تک کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ کرفیو نافذ کیے جانے کے باوجود مشتعل مظاہرین کی طرف سے املاک کو نذرِ آتش کرنے کی کارروائیوں پر قابو پانے کے لیے پے درپے فائرنگ کی گئی، جس سے کئی افراد ہلاک ہو گئے۔

سرینگر میں فتح کدل اور دوسرے کئی علاقوں کے مکانوں پر رات کے اندھیرے میں دھاوا بول دیا گیا اور بہت سے نوجوانوں کو ان کے بستروں سے اُٹھا کر گرفتار کر لیا گیا۔ بڑے پیمانے پر گرفتاریوں کے خلاف ۳ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو وادی میں پھر ایک زبردست

احتجاجی ہڑتال کی گئی۔ ہڑتال کے دوران سرینگر اور قصبہ جات میں پولیس اور مظاہرین کے درمیان جھڑپوں میں درجنوں افراد زخمی ہوگئے۔ کرفیو کی پابندی کے باوجود بارہ مولہ میں مسجد بیت المکرم کے صحن میں سیکڑوں لوگ جمع ہوگئے۔ نماز جمعہ ادا کی گئی اور کرفیو نافذ کرنے کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔

سوپور میں بھی کرفیو اور زبردست فوجی پہرے کے ہوتے ہوئے نصف شب قصبے میں احتجاجی جلوس نکالا گیا، مظاہرے کیے گئے، پولیس سٹیشن اور دوسری عمارتوں پر پتھراؤ کیا گیا۔ وادی کے مختلف علاقوں میں آتش زنی کی کئی وارداتیں ہوئیں۔ اس دوران چھ سے زیادہ افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔ ان افراد کی ہلاکت کے علاوہ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ لوگ گرفتار کرکے انہیں پوچھ گچھ کے مرکزوں میں یا جیل بھیج دیا گیا۔

۱۰ر اکتوبر ۱۹۸۶ء کو دوبارہ وادی میں ہڑتال کی گئی۔ مظاہرے ہوئے اور مزید کئی علاقوں میں کرفیو نافذ کیا گیا۔ جسے بغیر کسی وقفے کے جاری رکھا جاتا رہا۔ سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں پل اور سرکاری عمارتیں نذر آتش کرنے اور پے در پے دھماکے ہونے کی وارداتیں ہورہی تھیں۔ حضرت بل علاقے میں نصف شب کو دھماکے سے لرزہ طاری ہوگیا۔ براڈوے سینما اور دوسرے سینما ہالوں میں بھی دھماکے ہوئے اور امن و قانون کی مشینری غیر موثر اور بے بس ہوکر رہ گئی۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ حالات اور وقت کی رفتار نہیں پہچان سکے۔ انھوں نے عوام کو دھمکیاں دینا شروع کردیں اور اپنی تقریر میں کہا کہ وہ کشمیر میں بقول اُن کے پنجاب جیسے حالات پیدا نہیں کرنے دیں گے۔ نئی دہلی میں ہندوستان کے وزیر اعظم کے ساتھ متواتر ملاقاتوں کے بعد ۳۰ر اکتوبر کو ڈاکٹر فاروق ایک مرکزی وزیر راجیش پائلٹ اور اندرا کانگریس کے دو جنرل سکریٹریوں اے، کے انتھونی اور نجمہ ہفت اللہ کے ہمراہ اچانک نئی دہلی سے سرینگر آئے، اسی روز شام کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اندرا کانگریس کے لیڈروں کو کھانے کی دعوت پر بلایا، جس پر کشمیر کے عوامی حلقوں میں تشویش بڑھنے لگی

اور اس کے اگلے دن اندرا کانگریس کے مرکزی وزیر راجیش پائیلٹ نے جموں میں یہ اعلان کردیا کہ الحاق مخالف اور پاکستان نواز طاقتوں کے خلاف نیشنل کانفرنس اور اندرا کانگریس کا مشترکہ محاذ قائم کرلیا گیا ہے۔

راجیش پائیلٹ کے اس اعلان کا کشمیر میں شدید ردِعمل ہوا اور اس دوسرے کشمیر ایکارڈ کی اعلانیہ نکتہ چینی کی جانے لگی اور اسے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی موقع پرستانہ سودے بازی سے تعبیر کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی الحاق مخالف قوتوں نے اپنی صفیں مضبوط بنانے کی کوششیں شروع کردیں۔

۶ر نومبر ۱۹۸۶ء کو ہندوستان کے وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی نے سرینگر آکر اقبال پارک کے جلسے میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے ساتھ اپنے اتحاد کا باقاعدہ اعلان کردیا۔ ۶ر نومبر کو ایک طرف اقبال پارک کے جلسے میں ہندوستانی وزیر اعظم راجیو گاندھی اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ دوسرے کشمیر ایکارڈ کا اعلان کررہے تھے تو دوسری طرف سرینگر میں عوامی مظاہرے ہورہے تھے، پولیس مظاہرین پر تشدد ڈھا رہی تھی اور دھڑا دھڑ گرفتاریاں بھی عمل میں آرہی تھیں۔ ہندوستان کے وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی کی اقبال پارک میں تقریر کے دوران بھی زبردست ہنگامہ آرائی ہوئی اور نیشنل کانفرنس اور اندرا کانگریس کے درمیان اس سیاسی اتحاد کو کشمیری عوام کے خلاف سازش سے تعبیر کرتے ہوئے اس کے خلاف احتجاجی نعرے بلند کیے گئے۔

۷ر نومبر کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی قیادت میں اندرا کانگریس اور نیشنل کانفرنس کی ملی جلی وزارت نے جموں میں حلف اٹھالیا۔ کابینہ میں اندرا کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے وزیروں کی تعداد برابر رکھی گئی۔ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی سفارش پر کشمیر اسمبلی توڑ دی گئی۔ جس کا غالباً اس نام نہاد ایکارڈ سے پہلے ہی فیصلہ کرلیا گیا تھا۔

اس نئے ایکارڈ کی بھی عوامی سطح پر مزاحمت شروع ہوگئی، عوامی ایکشن کمیٹی کے سربراہ میر واعظ مولانا محمد فاروق نے اس ایکارڈ کے خلاف اپنے ردِعمل کا اظہار کرتے

ہوئے کہا کہ کشمیری عوام کے ساتھ پھر ایک بار دھوکہ کیا گیا ہے، اور مسلّمہ جمہوری اصولوں، سیاسی آداب اور اخلاقی قدروں کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے۔

انھوں نے کہا جو کچھ ہو رہا ہے وہ اُسی سوچ کا ایک حصّہ ہے جس کا مقصد کشمیری عوام کو بھیڑ بکریاں سمجھنا اور اُن کو تمام جمہوری حقوق سے محروم رکھنا ہے۔

ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے بہنوئی اور برطرف کیے گئے وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد شاہ نے اس ایکارڈ کی نکتہ چینی کرتے ہوئے، اپنے برادر نسبتی پر الزام عائد کیا کہ اُس نے سب کچھ فروخت کر دیا ہے، لیکن ڈاکٹر فاروق عبداللہ ان تمام باتوں سے بے نیاز ہو کر وزیر اعلیٰ کے عہدے کا حلف اُٹھانے کے فوراً بعد ویشنو دیوی مندر پر حاضری دینے گئے اور وہاں پوجا پاٹھ بھی کی۔ راجیو فاروق ایکارڈ کے خلاف مسلم متحدہ محاذ نے منظم جد و جہد کا اعلان کر دیا۔ مسلم متحدہ محاذ نے اس ایکارڈ کو ایک ایسا گٹھ جوڑ قرار دیا۔ جس میں نئی دہلی نے پھر ایک بار کشمیری عوام کے ساتھ سیاسی فریب کی کوشش کی ہے، لوگوں کی ناراضگی محسوس کرتے ہوئے جموں کشمیر کے ایڈوکیٹ جنرل مظفر حسین بیگ نے بھی اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا۔

کشمیری وکیلوں نے بھی اس نئے کشمیر ایکارڈ کو مسترد کرتے ہوئے اسے کشمیری عوام اور جمہوریت کے خلاف ایک غیر پسندیدہ اقدام بتایا اور اس کے خلاف جد و جہد کا اعلان کر دیا۔ خود نیشنل کانفرنس پارٹی کے ایک بڑے گروپ نے بھی ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے ایکارڈ کو مسترد کر دیا۔ انھوں نے اس ایکارڈ کو کشمیر کی انفرادیت اور داخلی خود مختاری کے خلاف ایک ایسا اقدام قرار دیا، جسے بقول اُن کے وہ نہیں چلنے دیں گے۔

جماعتِ اسلامی کے قائد سیّد علی گیلانی نے پھر ایک بار اُوپر سے ٹھونسی گئی حکومت کو ناقابلِ قبول قرار دیتے ہوئے کشمیری عوام سے اپیل کی کہ وہ متحد اور منظم ہو کر نئی دہلی کی تازہ سازش کو ناکام بنا دیں۔

اندرا کانگریس اور نیشنل کانفرنس میں اقتدار کی اس بندر بانٹ کو اگرچہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے بعض قریبی ساتھیوں نے دل سے قبول نہیں کیا تاہم کرسیوں کے لالچ میں انھوں نے

پبلک طور پر خرید و فروخت کے اس تازہ سمجھوتے کے خلاف کچھ نہیں کہا اور سرکاری انتظامیہ اور پولیس کے وہ افسر جو گورنر جگ موہن کے گیت گاتے پھرتے تھے۔ یکایک بدل کر ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے اسے اپنی وفاداری کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے۔ اقتدار میں آنے کے بعد ڈاکٹر فاروق کے وہ بہن بھائی بھی دوبارہ اُن کے ساتھ شیر و شکر ہو گئے، جو ڈیڑھ سال قبل غلام محمد شاہ کے ساتھ مل گئے تھے اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی مذمّت میں بیان جاری کرتے تھے۔

۱۲؍نومبر ۱۹۸۶ء کو مسلم متحدہ محاذ کے لیڈروں نے بارہ مولہ میں اپنا جلسہ منعقد کر کے کشمیر کو ایک متنازعہ علاقہ اور حل طلب مسئلہ قرار دے دیا۔ اور کہا کہ کشمیر کے ایک بین الاقوامی مسئلہ ہونے کا واضح ثبوت یہاں اقوام متحدہ کے مبصرین کی موجودگی ہے، جلسہ میں اعلان کیا گیا کہ کشمیری غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کو غلامی کا لباس شیخ محمد عبداللہ، غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد، غلام محمد شاہ اور ڈاکٹر فاروق نے پہنایا ہے۔ جلسے میں اعلان کیا گیا کہ سوشلزم اور سیکولرزم کے نام پر کشمیریوں کو غلام بنایا گیا ہے، اور اب یہاں کے لوگ غلامی کا یہ لباس اتار کر اُسے تار تار کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

مسلم متحدہ محاذ کے لیڈروں کے اس اعلان پر جلسہ گاہ میں غیر معمولی جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گیا اور ساری وادی میں اس اعلان کی صدائے بازگشت گونج اُٹھی، جس کے بعد ۵؍دسمبر ۱۹۸۶ء کو شیخ محمد عبداللہ کے جنم دن پر سرینگر میں بڑے پیمانے پر حکومت کے خلاف مظاہرے کیے گئے۔ اور ایک مشتعل ہجوم نے عین اس وقت جبکہ مجاہد منزل کے اندر تقریب ہو رہی تھی، مجاہد منزل کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی۔ جہاں پہلے سے ہی بھاری تعداد میں نیم فوجی دستے متعین کیے گئے تھے۔ نیم فوجی دستوں نے مجاہد منزل میں لگائی گئی آگ پر قابو پا لیا اور مظاہرین اور نیم فوجی دستوں میں جھڑپوں کے بعد درجنوں افراد گرفتار کیے گئے۔ جن میں نابالغ لڑکے بھی شامل تھے۔ وادی کے دوسرے علاقوں میں بھی احتجاجی مظاہرے ہو رہے تھے، بانڈی پور میں مظاہرین نے ایک سرکاری اہلکار کو ہلاک کر کے اس کی لاش بوری میں بند کر کے سڑک پر پھینک دی

اور بیجبہاڑہ میں اندرا کانگریس کے ایک حامی کو پھانسی پر لٹکا کر ہلاک کر دیا گیا۔ جبکہ سرینگر میں اولڈ سکریٹریٹ کی عمارت کو نذرِ آتش کر دیا گیا جس میں اس عمارت کا ایک بڑا حصّہ جل کر خاکستر ہو گیا اور فائر بریگیڈ پورے بارہ گھنٹے کی جد و جہد کے باوجود آگ پر قابو نہیں پا سکا۔ اسی دوران ۱۲ ردسمبر ۱۹۸۶ء کو کشمیر میں غیر معمولی برفباری سے پیدا شدہ صورتِ حال کا مشاہدہ کرنے کے لیے جب ہندوستان کے وزیرِ اعظم مسٹر راجیو گاندھی سرینگر آئے تو انھوں نے برفباری کے نتیجے میں ہوئی تباہی کا ازالہ کرنے کے لیے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی حکومت کو دس ارب روپے دینے کا اعلان کیا۔ لیکن بقول ڈاکٹر فاروق دس ارب روپے امداد دینے کے اعلان کے باوجود کشمیر کو ایک پائی تک نہیں دی گئی۔ البتہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اس بات کا اعتراف تقریباً تین سال بعد وزیرِ اعلیٰ کے عہدے سے دوبارہ برطرف کیے جانے کے بعد کیا۔

۱۲ ردسمبر ۱۹۸۶ء کی ہولناک برفباری کے نتیجے میں جس بڑے پیمانے پر نقصانات ہوئے ان سے چشم پوشی کرنے پر پیپلز کانفرنس کے چیرمین عبدالغنی لون نے کہا کہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ بھی اپنے باپ ہی کی طرح کشمیری عوام کو تسخیر شدہ لوگ سمجھتا ہے، اس لیے ریاستی حکومت اور انتظامیہ کی طرف سے عوام کو کوئی معمولی سا ریلیف تک مہیا نہیں کیا جا سکا۔ جسے بدترین طرز کی غلامانہ ذہنیت قرار دیتے ہوئے انھوں نے حکومت سے فوری طور پر استعفیٰ داخل کرنے کا مطالبہ کیا۔ صورتِ حال برابر بگڑ رہی تھی، چنانچہ کشمیر میں ولر بیراج کی تعمیر کے منصوبے کے خلاف ۲۶ ردسمبر ۱۹۸۶ء کو بطورِ احتجاج ہڑتال کی گئی اور کئی علاقوں میں مظاہرے ہوئے۔ لوگوں نے ولر بیراج کے منصوبے کو کشمیری عوام کے مفادات کے منافی قرار دیتے ہوئے اس کی تعمیر کے خلاف مزاحمت کا اعلان کیا اور کہا کہ اس بیراج کا مقصد پاکستان کو دریائے جہلم کے پانی سے محروم کرنا ہے۔

۳۱ ردسمبر ۱۹۸۶ء ریاستی سرکار نے سرینگر اور گرد و نواح کے تمام پلوں پر زبردست پہرہ بٹھا دیا جس کی یہ وجہ بتائی گئی کہ لوگوں نے سرینگر میں دو اہم پلوں کو رات کے اندھیرے میں نذرِ آتش کرنا چاہا تھا۔ تاہم پولیس نے آتشزنی کی ان وارداتوں پر قابو پا لیا۔ دریں اثنا سابق

وزیرِ اعلیٰ اور شیخ محمد عبداللہ کے داماد غلام محمد شاہ نے پھر سیاسی پینترا بدل کر مسلم متحدہ محاذ میں شامل ہونے کی کوششوں کا آغاز کر دیا اور اس مقصد کے لیے عبدالغنی لون اور مولانا عباس انصاری کے ساتھ ملاقات کر کے اُن کو اپنے ارادوں سے آگاہ کرتے ہوئے مسلم متحدہ محاذ سے شیخ محمد عبداللہ کی بیٹی خالدہ شاہ اور اس کی پارٹی کو محاذ میں مدغم کرنے کی اجازت مانگی جس کا مسلم متحدہ محاذ نے کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دیا۔

مسلم متحدہ محاذ انتخابی میدان میں

نیشنل کانفرنس نے آنے والے اسمبلی انتخابات ۱۹۸۷ء کے لیے مشترکہ امیدوار کھڑے کرنے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ وہ مسلم متحدہ محاذ کے مقابلے میں سیکولر پارٹیوں کا متحدہ محاذ قائم کر رہے ہیں تاکہ آنے والے انتخابات میں اس مسلم متحدہ محاذ کا مقابلہ کیا جائے جو بڑی تیزی کے ساتھ کشمیری عوام میں مقبولیت حاصل کر رہا تھا اور جسے نئی دہلی ایک چیلنج سے تعبیر کر رہی تھی نئی دہلی کی ہدایات پر ریاستی انتظامیہ نے مسلم متحدہ محاذ کے حامیوں کو خوف زدہ کرنا شروع کر دیا۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کو باقاعدہ نوٹیفکیشن کے ذریعے کشمیر میں ۲۳ر مارچ ۱۹۸۷ء کو انتخابات کروانے کا اعلان کر دیا گیا۔

چنانچہ انتخابی نوٹیفکیشن جاری ہونے کے ساتھ ہی مسلم متحدہ محاذ کے حامی سرگرم ہو گئے اور انھوں نے مختلف علاقوں میں جا کر مسلم متحدہ محاذ کے لیے کام کرنا شروع کر دیا۔

برسرِ اقتدار کانگریس اور نیشنل کانفرنس نے ریاستی اسمبلی کے انتخابی حلقے آپس میں بانٹ لیے۔ اس بندر بانٹ کے مطابق وادی میں اندرا کانگریس کو چھ انتخابی حلقے الاٹ کیے گئے جبکہ وادی کے ۴۲، انتخابی حلقوں میں سے کسی ایک حلقے میں بھی اندرا کانگریس کی کامیابی کا بالکل کوئی امکان نہیں تھا اور تب تک کسی ایک انتخابی حلقے میں بھی کبھی اندرا کانگریس کامیابی نہیں حاصل کر سکی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے ریاستی صدر مفتی محمد سعید تین بار اپنے آبائی انتخابی حلقے بیجبہاڑہ سے الیکشن لڑنے کے باوجود کبھی کامیاب نہیں ہوئے تھے، جس کے بعد مفتی محمد سعید ریاستی اسمبلی میں داخل ہونے کے لیے جموں کے ہندو ووٹروں کے ایک انتخابی حلقے سے الیکشن لڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ کانگریس اور

نیشنل کانفرنس کے حکمراں اتحاد کو اس وقت سخت خفت اٹھانا پڑی جب کلکتہ میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کرکٹ میچ میں پاکستان جیت گیا اور سرینگر اور وادی کے تمام قصبوں میں پاکستان کی کامیابی پر زبردست جشن منایا گیا اور مسلم متحدہ محاذ کے حق میں اور حکمراں اتحاد کے خلاف انتخابی نعرے بلند کیے گئے۔ اس سلسلے میں محاذ آزادی کے اعظم انقلابی کو سینٹرل جیل بھیج دیا گیا۔ ان کے خلاف الزام عائد کیا گیا کہ وہ لبریشن فرنٹ کے مقبول بٹ کی برسی پر لوگوں کو احتجاجی ہڑتال کی ترغیب دے رہے تھے۔ حکمراں اتحاد انتخابات سے اس قدر خوف زدہ ہو رہا تھا کہ اس نے بہت سے طاقتور انتخابی حریفوں کے کاغذاتِ نامزدگی مسترد کروانے کی کوشش بھی کی اور مسلم متحدہ محاذ کے کئی امیدواروں کے کاغذاتِ نامزدگی مسترد کروائے گئے۔ ان میں مسلم متحدہ محاذ کا زڑی بل حلقے سے امیدوار غلام نبی نوشہری بھی شامل تھا۔ سرکاری طور پر مسلم متحدہ محاذ کے لیڈروں پر یہ الزام عائد کیا جا رہا تھا کہ وہ ہندوستان کے ساتھ الحاق تسلیم نہیں کرتے۔ انتخابی میدان میں اس وقت زبردست ہلچل پیدا ہو گئی، جب سرینگر اور وادی کے قصبہ جات میں جگہ جگہ سبز ہلالی پرچم لہرانے لگے اور اس طرح کشمیری عوام نے اپنے فطری رجحان کا کھلم کھلا اظہار کر دیا۔

حکمراں اتحاد نے پولیس کو ہدایت دی کہ وہ فضا میں لہرانے والی سبز ہلالی پرچم اتار دے اور اس کے ساتھ ہی مسلم متحدہ محاذ کے کچھ امیدواروں کو گرفتار کر لیا گیا اور بہت سے دوسرے ایسے افراد کو بھی گرفتار کیا گیا، جنہوں نے ۲ر فروری ۱۹۸۷ء کو نمازِ جمعہ پر سرینگر کی تاریخی جامع مسجد میں مسلم متحدہ محاذ کے حق میں نعرے بلند کیے۔

حالات کا رُخ دیکھ کر اندرا کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے لیڈر نئی دہلی جا پہنچے اور مسلم متحدہ محاذ کے خلاف کارروائی کے لیے اصرار کیا۔ مسلمہ انتخابی قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ریڈیو اور ٹیلیویژن حکام کو حکم دیا گیا کہ وہ مسلم متحدہ محاذ کے کسی بھی امیدوار کو ریڈیو اور ٹی وی پر تقریر کرنے کی اجازت نہ دیں اور مسلم متحدہ محاذ کی انتخابی سرگرمیوں کو بلیک آؤٹ کیا جائے۔ یہاں تک کہ چیف الیکٹورل آفیسر نے اپنے منصب کے لوازمات

اور غیر جانبداریت کو یکسر ترک کر کے مسلم متحدہ محاذ کے خلاف ایک پریس کانفرنس میں یہ الزام عائد کیا کہ وہ لوگ مذہب کے نام پر منافرت پھیلا رہے ہیں۔

مسلم متحدہ محاذ کو انتخابی جلسے کرنے اور جلوس نکالنے کی بھی اجازت نہیں دی جا رہی تھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سرینگر نے نہایت کڑی شرائط کے تحت ہی مسلم متحدہ محاذ کو سرینگر کے اقبال پارک میں صرف ایک دن جلسہ کرنے کی اجازت دی اور اس پر یہ پابندی بھی عائد کی گئی کہ مجوزہ جلسے میں سبز ہلالی پرچم نہیں لہرائے جائیں گے، چنانچہ ۴ر مارچ ۱۹۸۷ء کو مسلم متحدہ محاذ کے اس جلسہ میں انسانی سروں کا ایک سمندر اُمڈ آیا جس میں سیّد علی گیلانی، ڈاکٹر قاضی نثار، مولانا عباس انصاری، پروفیسر عبدالغنی اور دوسرے کئی لوگوں نے تقریریں کیں۔ جلسے میں مسلم متحدہ محاذ کے تمام انتخابی امیدواروں جو سب کے سب کفن پہنے ہوئے تھے، عوام سے تعارف کروایا گیا۔

جلسے میں اندرا کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے حکمراں اتحاد کو الیکشن میں شکست دینے کے عزم کا اظہار کیا گیا اور عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ بے خوف ہو کر انتخابات میں حصّہ لیں اور اپنے ووٹ استعمال کر کے مسلم متحدہ محاذ کے امیدواروں کو کامیاب بنائیں۔

اقبال پارک میں مسلم متحدہ محاذ کے لیڈروں کی تقریروں پر اُن کے خلاف تھانہ شیرگڑھی میں دہشت گردی ایکٹ کے تحت مقدمہ رجسٹر کیا گیا۔ یہ بات خاص طور پر بعض حلقوں میں بحث کا موضوع بنی ہوئی تھی کہ پیپلز کانفرنس اور اس کے لیڈر عبدالغنی لون کو مسلم متحدہ محاذ میں شامل نہیں کیا گیا اور اس کی یوں وضاحت کی گئی کہ پیپلز کانفرنس کا آئین سیکولر ہے۔ البتہ سابق وزیر اعلیٰ غلام محمد شاہ نے مسلم متحدہ محاذ کے ایک انتخابی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے اپنے پچھلے گناہوں کی معافی مانگ لی اور جلسے میں اعلان کیا کہ وہ پاکستان کا حامی ہے۔

انتخابات میں سرکاری مشینری کا بے دریغ اور بڑے پیمانے پر ناجائز استعمال کے خلاف عوام نے جب احتجاج کیا تو حکمراں اتحاد نے اس احتجاج کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ

کشمیر میں پنجاب جیسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور الحاق مخالف قوتیں تقویت پکڑ رہی ہیں اور اسی آڑ میں درجنوں افراد کو رات کے اندھیروں میں ان کے گھروں سے گرفتار کر کے نظر بند کیا جانے لگا۔ مسلم متحدہ محاذ کو ڈرانے دھمکانے اور دبانے کے لیے باہر سے بھاری تعداد میں نیم فوجی دستے لا کر ساری وادی میں متعیّن کر دیئے گئے۔ اسلام آباد کے ایک انتخابی حلقے میں جب ایک نوجوان کو نیشنل کانفرنس کا مخالف ہونے کی بناء پر گرفتار کیا گیا تو اسکی جواں سال والدہ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکی اور جوں ہی اسے بتایا گیا کہ اس کا بیٹا گرفتار کیا گیا ہے تو اسکا ہارٹ فیل ہو گیا اور اُسکے جاں بحق ہو جانے پر سارے علاقے میں غم و غصّے کی لہر دوڑ گئی۔ اور لوگوں نے نیشنل کانفرنس کے بہت سے حامیوں کو سرِ راہ پکڑ کر مار اپیٹا۔ انتخابات میں مسلم متحدہ محاذ کو "قلم دوات"، کا انتخابی نشان دیا گیا تھا، جسکی بنا پر کشمیر میں گھر گھر میں "قلم دوات" کا ذکر صبح شام ہو رہا تھا۔ اور اس سے بھی یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ انتخابات میں لوگ کس کے حق میں فیصلہ کر رہے ہیں۔ البتہ پچھلے چالیس سال کے تجربات اور کشمیر میں مسلسل انتخابات کی درگت کے پیشِ نظر کچھ حلقوں میں یہ قیاس آرائیاں زوروں پر تھیں کہ اندرا کانگریس اور نیشنل کانفرنس کا حکمراں اتحاد صاف ستھرے اور منصفانہ انتخابات نہیں ہونے دے گا۔ اگرچہ بظاہر اور دکھاوے کے لیے حکمراں اتحاد کے لیڈر انتخابی دوڑ دھوپ کر رہے تھے اور ہندوستانی وزیر اعظم راجیو گاندھی کو بھی کشمیر میں انتخابی مہم کے لیے لایا گیا۔ لیکن ان تمام اقدامات اور کوششوں کو رسمی نوعیت کا خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ الیکشن میں کشمیری عوام نے بڑی بے باکی کے ساتھ اپنے عزائم اور ارادوں کا اظہار کر دیا تھا اور ہر شخص کو یقین ہو چکا تھا کہ ان دکھاوے کی رسمی کارروائیوں سے ووٹروں کو اپنی طرف متوجّہ کرنا نہیں بلکہ سرکاری انتظامیہ کو حکمراں اتحاد کے حق میں ووٹ چوری اور دھاندلیوں کے لیے تیار کرنا ہے۔

کامیاب — ناکام
اور
ناکام — کامیاب

مسلم متحدہ محاذ کے اُمیدواروں، اُن کے حامیوں اور رشتے داروں وغیرہ کے خلاف جبر و زیادتیوں اور گولی اور لاٹھی کے ہتھکنڈے استعمال کرنے کے باوجود حکمراں اتحاد کو اپنی کامیابی کا بالکل کوئی یقین نہیں تھا۔ مسلم متحدہ محاذ کے امیدواروں کے بھائی، بیٹے یہاں تک کہ ماؤں اور بہنوں کو بھی پولیس تھانوں میں لے جاکر مارا پیٹا گیا۔ بٹہ مالو کے دو نوجوانوں طارق اور فاروق کو جب پولیس گرفتار نہیں کر سکی تو اُن کے باپ کو گرفتار کر لیا گیا اور تھانے میں اس کی مار پیٹ کی گئی۔

الیکشن کروانے کے لیے بڑے غور و فکر کے بعد ایسی انتخابی مشینری وجود میں لائی گئی جو یا تو حکمراں نیشنل کانفرنس کے اعلیٰ عہدیداروں کے قریبی رشتے داروں یا پھر حکمراں نیشنل کانفرنس کے سرگرم اور ازلی حامیوں پر مشتمل تھی۔ اس کام میں ریاستی انتظامیہ کو نئی دہلی کی پوری طرح پشت پناہی حاصل تھی۔ انتخابات میں نیشنل کانفرنس اور عوامی ایکشن کمیٹی کی مفاہمت کی بناء پر زڈی بل اور عیدگاہ کے حلقوں سے عوامی ایکشن کمیٹی کے امیدوار کھڑے ہوئے، لیکن وہ دونوں امیدوار بھی نیشنل کانفرنس کے انتخابی نشان پر الیکشن لڑ رہے تھے، عوامی ایکشن کمیٹی کے صدر مولانا محمد فاروق نے ان کی انتخابی مہم میں کوئی حصّہ نہیں لیا۔ وہ الیکشن سے بڑی حد تک الگ تھلگ رہے۔

۲۳ر مارچ ۱۹۸۷ء کو پولنگ کے دن دونوں حکمراں پارٹیوں کے حامیوں، سرکاری آفیسروں، اہلکاروں اور پولیس کی طرف سے ڈرانے، دھمکانے، پولنگ بوتھوں سے ووٹروں

کو بھگانے اور جعلی ووٹ ڈلوانے کی بڑے پیمانے پر کارروائیوں سے بھی اندرا کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے اتحاد کو اپنی کامیابی کا یقین نہیں تھا۔ چنانچہ ووٹ شماری کے دوران حکمراں پارٹیوں اور انتخابی سرکاری مشینری نے وہ کچھ کیا، جس کی انتخابات کی تاریخ میں مثال تک نہیں ملتی اور جس سے کشمیری عوام کا ہندوستانی جمہوریت اور انتخابات پر سے رہا سہا اعتماد بھی سرے سے ختم ہی ہو کر رہ گیا۔

لوگوں نے انتخابات کے دوران جس امیدوار کو ووٹ دیئے، ووٹ شماری کا کام مکمل کرنے سے پہلے ہی سرکاری مشینری نے کامیاب ہونے والے اس امیدوار کو ناکام اور ناکام ہونیوالے سرکاری امیدوار کو کامیاب قرار دے دیا۔

ایک درجن سے زیادہ انتخابی حلقوں میں بظاہر کئی کئی دن ووٹ شماری کا کام جاری رکھا گیا۔ اس عمل کا واحد مقصد حکمراں اتحاد کے باقی ناکام اُمیدواروں کو بھی کامیاب قرار دینا تھا۔ وادی میں نیم فوجی دستے متعین کرنے کا عمل اور زیادہ تیز کر دیا گیا۔

سرینگر، اسلام آباد، کپواڑہ، پلوامہ اور دوسرے کئی علاقوں میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی۔ دوسری پابندیاں بھی عائد کی گئیں اور پوری وادی میں بارڈر سکیورٹی فورس کو گشت لگانے کے لیے کہا گیا۔

پولیس اور انتظامیہ کے اعلیٰ حکّام نے کشمیری عوام کے حقوق پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالنے کی جو کارروائی کی، اُس میں کشمیر کے ڈویژنل کمشنر حمید اللہ خان بانہالی اور پولیس کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل علی محمد وٹالی پیش پیش رہے۔ انتخابات کو پوری طرح فراڈ میں تبدیل کرنے کی کارروائیوں کے خلاف عوام نے شدید ردّ عمل کا اظہار کیا اور سرینگر کے علاوہ دوسرے قصبہ جات میں احتجاجی ہڑتال کی گئی، اور جب لوگوں نے احتجاجی مظاہرے شروع کیے تو اُن پر قابو پانے کے لیے اندھادھند لاٹھی چارج کیا گیا، ٹیئر گیس استعمال کی گئی اور گولیاں بھی چلائی گئیں۔ مسلم متحدہ محاذ کے بہت سے امیدوار، جن کے حق میں عوام نے ووٹ ڈالے تھے اور جن کو سرکاری افسروں نے ناکام قرار دیا تھا۔ آن کی آن میں گرفتار کر کے

جیل بھیج دیئے، پولنگ ختم ہوتے ہی جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ان میں جماعت اسلامی کے امیر مسٹر جی، ایم، بٹ، پروفیسر عبدالغنی، ڈاکٹر غلام قادر وانی، پروفیسر محمد اشرف صرّاف اور محمد یوسف شاہ بھی شامل تھے۔ مسلم متحدہ محاذ کے بیان کے مطابق بہت سے انتخابی حلقوں میں بیلٹ بکس تبدیل کیے گئے۔ ووٹ شماری کے دوران محاذ کے ایجنٹوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ پیپلز کانفرنس کے صدر عبدالغنی لون کو ہرانے کے لیے درجنوں بیلٹ بکس غائب کر دیئے گئے اور مسلم متحدہ محاذ کے صرف چار امیدواروں، سوپور سے سید علی گیلانی، ضلع اسلام آباد سے عبدالرزّاق، محمد سعید شاہ اور غلام نبی سمجی کی کامیابی کا اعلان کیا گیا،

الیکشن کے اِس ڈرامے پر حکمراں اتّحاد نے کوئی معمولی سی شرم تک محسوس نہیں کی۔ اندرا کانگریس اور نیشنل کانفرنس کی ملی جلی وزارت کا قیام عمل میں لایا گیا اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو دوبارہ وزیرِاعلیٰ کے منصب پر فائز کر دیا گیا جس کے خلاف ۱۴ اپریل ۱۹۸۷ء کو ساری وادی میں احتجاجی ہڑتال کی گئی۔

البتہ پولیس اور انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں نے ٹرانسپورٹروں کو دی گئی، مراعات واپس لینے کی دھمکی دے کر ہڑتال میں شمولیت سے باز رکھا۔ ہڑتال کے دوران بہت سے علاقوں میں احتجاجی مظاہرے ہوئے اور نوجوانوں اور نیم فوجی دستوں کے درمیان پے درپے جھڑپوں میں درجنوں افراد زخمی ہو گئے۔ مظاہروں میں زیادہ تر اسلامک اسٹوڈنٹس لیگ کے حامیوں اور دخترانِ ملّت کی حامی خواتین نے حصّہ لیا اور کشمیر یونیورسٹی کے علاوہ وادی کے کالجوں میں بھی طلبا اور طالبات نے احتجاجی مظاہرے کیے اور کلاسوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔

مظاہروں کی پاداش میں مائیسمہ سے محمد یاسین ملک کو گرفتار کر لیا گیا اور پولیس تھانے میں ان پر مظالم ڈھائے گئے۔ حالانکہ محمد یٰسین ملک دِل کی بیماری کے مریض ہونے کی بناء پر موت اور حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ اس کے ساتھ ہی سرینگر، بڈگام، اسلام آباد اور دوسرے کچھ قصبوں میں مسلم متحدہ محاذ اور نیشنل کانفرنس کے حامیوں میں تصادموں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نیشنل کانفرنس کے کچھ حامیوں نے کچھ علاقوں میں جماعتِ

اسلامی کی درس گاہوں پر زبردستی قبضہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں اور جب مسلم متحدہ محاذ کے ایک عہدیدار مشتاق ساگر کو جیل سے لاکر عدالت میں پیش کیا گیا تو عدالت کے باہر بہت سے نوجوانوں نے مسلم متحدہ محاذ کے حق میں نعرے بلند کیے اور پولیس پر پتھراؤ کیا گیا۔ پیپلز کانفرنس کے عبدالغنی لون نے نوجوانوں میں پھیلتے ہوئے جوش و جذبے کی نشاندہی کرتے ہوئے بار بار اپنے بیانات میں کشمیر کی صورتِ حال کو خطرے کے الارم سے تعبیر کیا اور وہ کہتے رہے کہ کشمیری عوام کو تمام تر حقوق سے محروم کرنے کے نتائج نہایت بھیانک نکلیں گے —

انھوں نے سرینگر سینٹرل جیل کے باہر اُن خواتین اور نوجوانوں سے خطاب کے دوران حکومت کے مظالم پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ نظربند رکھے گئے نوجوانوں کے ساتھ ان کے رشتہ داروں کو ملاقات کی اجازت تک نہیں دی جا رہی ہے۔

اس موقع پر جیل کے باہر ملاقات کے لیے آئی ہوئی ان خواتین نے زبردست مظاہرہ کیا اور جیل پر پتھراؤ بھی کیا جن کو اپنے عزیزوں کے ساتھ جیل کے اندر ملاقات کی اجازت دینے کے بجائے وہاں سے بھگانے کے لیے ان کے خلاف طاقت استعمال کی گئی۔ مسلم متحدہ محاذ نے سرینگر میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی اور نوجوان رضاکارانہ طور پر گرفتاریاں پیش کرنے لگے۔

وادی کے دوسرے قصبہ جات میں بھی رضاکارانہ طور پر گرفتاریاں پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پولیس نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے اپنے روایتی حربے استعمال کیے۔

جمعہ ۸ مئی ۱۹۸۷ء کو بڈشاہ چوک میں مسلم متحدہ محاذ کے ایک سو سے زیادہ حامی نوجوانوں نے جب چوک میں آکر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا تو اس موقع پر وہاں ہزاروں لوگ جمع ہو گئے اور حکومت کے خلاف مظاہرے شروع کیے جس پر پولیس نے لوگوں پر لاٹھی چارج کیا، ٹیئر گیس استعمال کی اور احتجاج کرنے والوں کو منتشر کر دیا۔ سرینگر میں عدالت صدر کے باہر اس وقت پھر امن و قانون کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔

جب بٹہ مالو کے شکیل احمد بخشی کو جو سیفٹی ایکٹ کے تحت سرینگر سینٹرل جیل میں نظر بند تھے، عدالت میں لایا گیا تو جوانوں کے ایک گروہ نے عدالت کے احاطے میں شکیل احمد بخشی کے حق میں نعرے بلند کیے اور اُن کی مسلسل نظر بندی پر احتجاج کیا۔

۱۵ مئی، ۱۹۸۷ء کو مسلم متحدہ محاذ کے تقریباً ایک درجن کفن پہنے ہوئے رضا کار گرفتاری دینے کے لیے ڈرامائی انداز میں نمودار ہوئے، پولیس نے ان سب کو گرفتار کر کے تھانے میں بند کر دیا۔ اس کے بعد ۲۹ مئی ۱۹۸۷ء کو عید الفطر کی تقریب پر عیدگاہ سرینگر میں غیر معمولی احتجاجی مظاہرے ہوئے، نمازِ عید سے قبل ہی لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے وزیرِ اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ جو عیدگاہ میں سادہ کپڑوں میں مسلح پولیس کے پہرے میں اگلی صف میں بیٹھے تھے کا گھیراؤ کر لیا اور اُن کو مارنے پیٹنے کی کوشش کی۔

نمازِ عید ادا کرنے والے ہجوم نے ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور میر واعظ مولوی یاسین ہمدانی پر پتھراؤ کیا، ان پر جوتے چپل پھینکے گئے۔ کئی وزیروں کو جن میں سپلائی کا وزیر میر غلام سبحن بھی شامل تھا، جوتوں سے پیٹے گئے اور عیدگاہ میں اتنے بڑے پیمانے پر گڑبڑ کی گئی کہ سرکاری اہتمام سے نمازِ عید ادا نہیں کی جا سکی۔

ہتھیار بند پولیس نے ڈاکٹر فاروق عبداللہ، ان کے وزیروں اور آفیسروں کو اپنی حفاظت میں لے کر دیگر لوگوں کو مارتے پیٹتے ہوئے عیدگاہ سے باہر پہنچا کر ایک پولیس گاڑی میں بٹھایا، جس کے بعد عیدگاہ کا میدان بالکل خالی ہو گیا۔

جس پولیس گاڑی میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو بٹھایا گیا اس پر بھی پتھراؤ کیا گیا۔ اور جوتے پھینکے گئے۔

میر واعظ مولانا فاروق کو اُن کے حامی اور عوامی ایکشن کمیٹی کے کارکن اپنی حفاظت میں لے کر عیدگاہ سے باہر لے گئے۔ دوسرے علاقوں میں بھی احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے اور سرینگر میں تناؤ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

پولو گراؤنڈ میں نمازِ عید ادا کرنے کے بعد لوگوں نے ایک احتجاجی جلوس نکالا اور جب نیم فوجی دستوں نے جلوس کو منتشر کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کیا تو لوگوں نے ان پر پتھراؤ کیا اور اُن کی جیپ گاڑی کو نذرِ آتش کر دیا۔

مولانا آزاد شاہراہ پر کانگریس آئی کے صدر دفتر پر پتھراؤ کیا گیا اور وہاں سے جھنڈے اتار کر جلا دیئے گئے۔ مشتعل ہجوم پر قابو پانے کے لیے پولیس نے بار بار لاٹھی چارج کیا اور ہوا میں فائرنگ کی گئی۔

اِن واقعات کے نتیجے میں سینکڑوں افراد گرفتار کیے گئے۔ جن میں پچاس سے زیادہ نابالغ بچے بھی شامل تھے۔

وزیراعلیٰ پر جوتے برسنے کے بعد

سینکڑوں نوجوان گرفتاری سے بچنے کے لیے روپوش ہو گئے اور اُن کو تلاش کرنے کے لیے مائسمہ، گاؤکدل، بہوری کدل، نواب بازار، نواکدل، شہر گنج، بٹہ مالو اور دوسرے علاقوں میں پے در پے چھاپے مارے گئے اور عام شہریوں پر تشدّد ڈھایا گیا۔

جبہ کدل میں عید کے دن خواتین نے احتجاجی جلوس نکالا اور پولیس نے خواتین کے مظاہرے کو درہم برہم کرنے کے لیے زبردست لاٹھی چارج کیا۔ سرینگر کے کئی علاقوں میں مشین گن لیئے بارڈر سکیورٹی فورس کے دستے متعین کیے گئے اور کچھ علاقوں میں بلا وردی اور سادہ کپڑوں میں پولیس، نیشنل کانفرنس کے حامیوں کے ساتھ مل کر لوگوں کے خلاف تشدّد آمیز کارروائیاں کرتی رہی۔ یونیورسٹی اور کالج بند کر دیئے گئے اور تمام تعلیمی اداروں پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اسلام آباد، سوپور، بارہ مولہ، بڈگام، بلوامہ، ترال، بیجبہاڑہ، پٹن، کنگن، واگورہ، چرارِ شریف، شوپیان، پانپور، بیروہ، ہندواڑہ اور کپوارہ میں بھی عید کی نماز کے بعد احتجاجی مظاہرے کیے گئے، اور حکومت کی زور زبردستی اور ظلم وجبر کی مذمت کی گئی۔

سوپور میں نماز عید پر جب حکمراں اتحاد کے ایک لیڈر حکیم حبیب اللہ نے عوام سے خطاب کرنا چاہا تو ان کو عیدگاہ سے بھگا دیا گیا، اور بعض لوگوں کے مطابق وہ اپنے جوتے عیدگاہ ہی میں چھوڑ کر ننگے پاؤں وہاں سے بھاگ کر گھر پہنچے۔

حالات بڑی تیزی کے ساتھ بے قابو ہوتے جارہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ نوجوان نسل جبر و زیادتیوں، گرفتاریوں اور گولی یا لاٹھی سے خوف زدہ ہونے کے

بجائے اپنی پوری قوّت کے ساتھ مزاحمت کرنے لگی ہے۔

اسی دوران شیخ محمد عبداللہ کے داماد غلام محمد شاہ نے ایک اور سیاسی پینترا بدل کر اپنی بیوی بیگم خالدہ کو نیشنل کانفرنس سے نکال دیا اور پارٹی کا نام تبدیل کر کے پیپلز نیشنل کانفرنس رکھ لیا اور خود اس کے صدر بن گئے۔

کشمیر میں صورت حال میں اہم تبدیلیوں اور کشمیری عوام کی طرف سے ہندوستان مخالف کارروائیوں میں اضافے سے امریکہ اور برطانیہ نے اس خطّے پر اپنی توجّہ مرکوز کرنا شروع کر دی۔ حالات کا موقع پر جائزہ لینے کے لیے ۱۹ر جون ۱۹۸۷ء نئی دہلی میں متعیّن امریکہ کے سفیر جان گنتھر ڈین اچانک سرینگر آئے اور یہاں رائے عامّہ کی نمائندگی کرنے والوں کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا۔ امریکی سفیر کی آمد کے صرف تین دن بعد نئی دہلی میں متعیّن برطانوی سفیر بھی کشمیر آئے، برطانوی سفیر کی سرینگر میں موجودگی کے دوران وادی کے بعض علاقوں میں عوامی مظاہرے ہوئے، جن کی بناء پر پندرہ[۱۵] افراد کو گرفتار کیا گیا۔ جن میں جماعت اسلامی کے کچھ اعلیٰ عہدیدار بھی شامل تھے۔ امریکی سفیر کے کشمیر کے دورے کے صرف ایک ہفتے بعد نئی دہلی نے امریکہ کی "اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن" کے اُس اجتماع پر پابندی لگا دی جو ۲۰ر جولائی ۱۹۸۷ء کو سرینگر میں ہونا قرار پایا تھا۔

مجوزہ اجتماع کے لیے تمام انتظامات مکمل کر لیے گئے تھے۔ لیکن نئی دہلی نے کشمیر میں مخدوش حالات کی وجہ سے اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کو سرینگر میں اجتماع منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی نئی دہلی میں وزارت خارجہ کے حکّام نے امریکی سفیر کو جب اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو امریکی سفیر نے اپنی حکومت کو اس بارے میں اطلاع دے دی اور پھر اس فیصلے کے خلاف اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر فاروق خان نے احتجاج کیا اور اسے بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیا۔ جبکہ وزیراعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اسلامی اجتماع پر پابندی کے فیصلے کو درست قرار دیتے ہوئے ہندوستان کے ایک سرکردہ صحافی کلدیپ نائر کو اپنے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا کہ

کچھ کشمیری آفیسروں کو امریکہ اور پاکستان کی طرف سے رقومات فراہم کی جا رہی ہیں۔ وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق نے اپنے اسی انٹرویو میں یہ انکشاف بھی کیا کہ کشمیر میں اقوام متحدہ کے فوجی مبصّرین غیر متوقّع طور پر سرگرم ہو گئے ہیں۔ انٹرویو میں یہ بھی بتایا گیا کہ کشمیر کے تعلیمی اداروں میں موجودہ خراب صورت حال کے لیے ہندوستان مخالف اور پاکستان نواز عناصر ذمّہ دار ہیں۔ جن میں سے بیان کے مطابق کئی گرفتار کیے گئے ہیں۔ جن میں کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ کامرس کا پروفیسر فیاض احمد بھی شامل ہے۔ اور جس سے انٹروگیشن سنیٹر میں پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔

انٹروگیشن سینٹر میں اُن درجنوں نوجوانوں کو بھی عذاب اور عتاب میں مبتلا رکھا گیا، جنہوں نے پیپلز لیگ کے شبیر احمد شاہ اور مسلم متحدہ محاذ کے لیڈروں کی مسلسل نظر بندی کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ اور احتجاجی مظاہروں کے دوران کھنّہ بل میں آتشزنی کی واردات بھی رونما ہوئی تھی۔

اس کے بعد سرینگر کے انجینئرنگ کالج کا اسپورٹس شیڈ بھی نذرِ آتش کر دیا گیا، اور طلباء اور پولیس کے درمیان جھڑپوں میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے اور کئی طلباء گرفتار کر لیے گئے۔

تعلیمی اداروں میں معرکہ آرائی

انجینئرنگ کالج غیر معیّنہ عرصے کے لیے بند کر دیا گیا اور پولیس نے مسلم متحدہ محاذ کے دفتر کو بھی سربمہر کر دیا۔ نیشنل کانفرنس کی حکومت ہر طرح کی جبر و زیادتیاں کرنے کے سلسلے میں حد سے گزر رہی تھی۔ جس پر مسلم متحدہ محاذ نے ۱۳ جولائی ۱۹۸۷ء کو احتجاجی مظاہرے کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے فوراً بعد سرینگر میں مسلم متحدہ محاذ، پیپلز لیگ اور جماعتِ اسلامی کے حامیوں کے گھروں پر پے در پے چھاپے مارے گئے، اور درجنوں افراد کو گرفتار کر کے خوف و دہشت کی فضا پیدا کر دی گئی۔

دہشت گردی ایکٹ اور سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیے گئے۔ سولہ[16] نوجوانوں کو جن میں اشفاق مجید وانی، معراج الدّین، ظہور احمد، محمد صدّیق گجری، محمد رمضان ڈار، غلام محی الدّین، غلام حسن شیخ، غلام نبی میر اور شبّیر احمد بٹ بھی شامل تھے۔ جب ۴ جولائی ۱۹۸۷ء کو جیل سے گاڑیوں میں لا کر سرینگر میں ایڈوائزری بورڈ کے سامنے پیش کیا گیا تو عدالت کے احاطے میں سینکڑوں نوجوانوں نے جمع ہو کر ان کے حق میں مظاہرہ کیا اور جبر و زیادتیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی۔

۱۲ جولائی ۱۹۸۷ء کو مسلم متحدہ محاذ اور پیپلز کانفرنس کے لیڈروں کو انکے گھروں میں نظر بند کر دیا گیا۔ اِن تمام کے ٹیلیفون کنکشن کاٹ دیئے گئے۔ قاضی نثار جو یومِ احتجاج میں شرکت کے لیے اسلام آباد سے سرینگر آ رہے تھے، راستے ہی میں گرفتار کر لیے گئے۔ مسلم متحدہ محاذ کو یوم شہداء ۱۳ جولائی ۱۹۸۷ء کو جلوس نکالنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ خوف زدہ سرکاری انتظامیہ نے سرینگر کے تمام علاقوں میں نیم فوجی دستے

متعیّن کر دیئے۔ پولیس اور نیم فوجی دستوں کے کڑے پہرے میں وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق کو خوجہ بازار کے مزارِ شہداء پر لے جایا گیا۔

عوام اور نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی بے چینی اور ہندوستان مخالف قوتوں کی بار بار کارروائیوں سے اندرا کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے حکمراں اتحاد میں بھی غیر یقینی صورتِ حال پیدا ہو گئی جس کا ازالہ کرنے کے لیے حکمراں ٹولے نے آئینِ ہند کی دفعہ ۳۷۰ کے تحفظ کی یقین دہانیوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ حالانکہ ایسی یقین دہانیوں پر کشمیری عوام کوئی معمولی سی توجّہ دینے کے لیے بھی تیار نہیں تھے۔ جس کا اس بات سے اندازہ لگایا جا رہا تھا کہ جب محمد یاسین ملک نے اپنی دوبارہ گرفتاری پر بطورِ احتجاج بھوک ہڑتال شروع کر دی تو خواتین اور نوجوانوں نے اُس تھانے کا گھیراؤ کیا۔ جہاں محمد یاسین ملک کو رکھا گیا تھا۔ اس پر پولیس نے محمد یاسین ملک کو تھانے کے پچھلے دروازے سے نکال کر صورہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ پہنچا دیا۔

اُدھر اندرا کانگریس کا ایک دھڑا ابھی ڈاکٹر فاروق کو اقتدار کی کرسی سے بے دخل کرنے کے لیے میدان میں آ گیا، اس دھڑے نے نئی دہلی کے نامزد کیے گئے ریاستی کانگریس کمیٹی کے صدر غلام رسول کار کو صدر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ فاروق مخالف دھڑے کی قیادت ریلوے کے ایک سابق مرکزی وزیر محمد شفیع قریشی کر رہے تھے۔

حالات میں پھیلی ہوئی بے اطمینانی نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ ۶ راگست ۱۹۸۷ء کو عید الاضحیٰ کی تقریب پر سرینگر اور قصبہ جات میں نیم فوجی دستے متعیّن کر دے۔ سرینگر میں عیدگاہ کے علاوہ اُن مقامات پر بھی بھاری تعداد میں نیم فوجی دستے بٹھا دیئے گئے۔ جن مقامات پر نمازِ عید ادا کرنے کے پروگرام کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود سوپور، پلوامہ اور دوسرے قصبہ جات میں نمازِ عید کے موقع پر ہندوستان مخالف مظاہرے کیے گئے۔ جس کے پانچ دن بعد سرینگر میں دیواروں پر پوسٹر نمودار ہوئے۔ اِن پوسٹروں میں ۱۵ راگست ۱۹۸۷ء کو ہندوستان کے یومِ آزادی کے دن مظاہرے کا اعلان کیا گیا تھا جس کی بناء پر

پولیس نے دو تین دن کے اندر اندر اور ۱۴ راگست سے پہلے سینکڑوں نوجوانوں کو حراست میں لیکر پولیس تھانوں میں بند کر دیا۔

۱۴ راگست ۱۹۸۷ء کو یومِ استقلالِ پاکستان کی تقریب منائے جانے کے پیشِ نظر سرینگر اور قصبہ جات میں دوسرے کئی سخت اقدامات بھی کیے گئے۔ ایسے تمام علاقوں میں بھاری تعداد میں نیم فوجی دستے متعین کیے گئے۔ جن علاقوں میں یومِ استقلالِ پاکستان کی تقریب پر نوجوان پریڈ منعقد کیا کرتے تھے اور سبز ہلالی پرچم لہرایا کرتے تھے۔

سخت حفاظتی اقدامات کے باوجود کئی علاقوں میں پاکستان کے یومِ آزادی کی تقریب منائی گئی جبکہ سرینگر کے بخشی اسٹیڈیم کے ارد گرد سینکڑوں ہتھیار بند سپاہی دیکھے جا رہے تھے کیونکہ بخشی اسٹیڈیم میں ۱۵ راگست ہندوستان کے یومِ آزادی پر پریڈ ہونے والی تھی۔ اس کے چار دن بعد سرینگر میں پھر زبردست ہنگامے ہوئے جن میں ویشوا بھارتی کالج، رعنا واری میں زیرِ تعلیم مسلم طالبات اور اسلامیہ کالج کے طلباء نے حصّہ لیا پولیس نے طلباء اور طالبات کے مظاہروں پر قابو پانے کے لیے ٹیئر گیس کے درجنوں گولے استعمال کیے اور لاٹھی چارج کیا۔ احتجاجی مظاہرے سرینگر کے دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گئے اور کئی جگہ طالبات اور طلباء نے پولیس پر زبردست پتھراؤ کیا۔

طالبات پر تشدّد

گرلز سکولوں اور کالجوں کو طالبات نے احتجاجی جلوس نکالے تو اُن پر بلا امتیاز ٹیئر گیس کے گولے پھینکے گئے ۔ جس پر مسلم متحدہ محاذ کے لیڈروں نے اقبال پارک کے جلسے میں احتجاج کیا۔ اقبال پارک میں مسلم متحدہ محاذ کا یہ پہلا عوامی جلسہ تھا ۔ جس میں مولانا عباس انصاری، قاضی نثار، سیّد علی گیلانی اور عبدالغنی لون نے ایک ساتھ عوام سے خطاب کیا، اس طرح وسیع تر اتحاد کا مظاہرہ کیا گیا۔

کشمیر پولیس طلبا اور طالبات کے مظاہروں پر قابو پانے میں جب ناکام ہوگئی تو اُس نے کئی جگہ مظاہرین پر گولی چلا دی جس میں کئی افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔ ان میں پندرہ سال کا شفاعت احمد چھینٹ ساز بھی شامل تھا۔ خواتین اور لڑکیوں کے تعلیمی اداروں میں زیرِ تعلیم طالبات نے سڑکوں پر آکر احتجاجی مظاہروں میں حصّہ لیا۔ پولیس پر پتھراؤ کیا اور ہندوستان مخالف نعرے بلند کیے۔ جس کے بعد سرینگر میں تمام تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے اور درجنوں افراد کو گرفتار کیا گیا۔ طلبا اور طالبات کے احتجاج کا یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا اور حکومت کے لیے صورتِ حال پر قابو پانا محال ہوگیا۔

طلباء اور طالبات پر تشدد کی کارروائیوں کے خلاف سرینگر میں احتجاجی ہڑتال بھی کی گئی۔ کوٹھی باغ گرلز سکول کی پرنسپل نے جو ایک بڑے سرکاری افسر کی بیوی تھی، جب سکول سے سولہ طالبات کو سکول سے خارج کرنے کا اقدام کیا تو نہ صرف کوٹھی باغ سکول بلکہ تمام تعلیمی اداروں میں اس کے خلاف شدید ردِّعمل کا اظہار کیا گیا اور کوٹھی باغ گرلز سکول کی طالبات نے پرنسپل کو وہاں سے بھگا دینے کے لیے اس پر دھاوا بول دیا۔ لیکن

پولیس پرنسپل کو بچا کر سکول سے باہر لے گئی۔

اس کے بعد وادی کے دوسرے علاقوں میں بھی طلبا کا ایجی ٹیشن پھیل گیا اور کئی علاقوں میں تشدد کے واقعات ہوئے۔ طلباء میں پھیلے ہوئے غم وغصّے کی بنا پر کشمیر یونیورسٹی بھی بند کر دی گئی۔ اس کے ہوسٹل میں مقیم طلبا کو زبردستی ہوسٹل سے باہر نکال دیا گیا اور ہوسٹل پر تالا چڑھا دیا گیا جس کے بعد وزیرِ اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ امرناتھ جی کی یاترا پر گئے، جہاں انھوں نے گپھا کے اندر شیو لنگ کے درشن کیے۔ درشن کے بعد پوجا کی تقریب میں حصّہ لیا، اور پھر سرینگر سے بذریعہ طیارہ فریاد لے کر نئی دہلی گئے کہ کشمیر میں الحاق مخالف خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔

واپسی پر سرینگر میں وزیرِ اعلیٰ ڈاکٹر فاروق نے اعلان کیا کہ وہ بلدیاتی انتخابات نہیں کروائیں گے اور اس کے لیے انھوں نے اندرا کانگریس کو رضامند کر لیا ہے، کیونکہ مسلم متحدہ محاذ نے اعلان کر رکھا تھا کہ وہ بلدیاتی انتخابات میں بھرپور حصّہ لے گا اور تمام حلقوں سے اپنے امیدوار کھڑے کرے گا۔ اسی دوران جب سرینگر میں میلاد النبی ؐ کی تقریب پر طلبا اور نوجوانوں نے میلاد النبی ؐ کا جلوس نکالا تو اس جلوس پر بدترین تشدّد ڈھایا گیا، لاٹھی چارج، ٹیئر اور فائرنگ کر کے جلوس کو منتشر کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس پر ساری وادی میں سخت ترین ردِّعمل کا اظہار کیا گیا، اور اسے کشمیر میں رہی سہی مذہبی آزادی پر پابندی عائد کرنے کی ایک تازہ مثال قرار دیا گیا۔ چنانچہ عوام نے طلبا اور نوجوانوں پر تشدّد ڈھانے کے خلاف ۹ نومبر ۱۹۸۷ء کو ساری وادی میں احتجاجی ہڑتال کی، اُسی دن جموں میں دربارِ مُوو کے سلسلے میں سرکاری دفاتر کھُلنے کے موقع پر جموں کے لوگوں نے اُس فیصلے کے خلاف بطور احتجاج ہڑتال کر دی، جس فیصلے کے مطابق دربارِ مُوو کے سلسلے میں سرینگر سے جموں اور جموں سے سرینگر منتقل ہونے والے دفاتر میں سے بعض لازمی سروسز کو سرینگر ہی میں مستقل طور پر رکھا گیا تھا اور جس کا کشمیری عوام نے بار بار مطالبہ کیا تھا،

سرینگر کو کشمیر کا مستقل دارالحکومت قرار دینے کے لیے کشمیری وکیلوں نے ایک

تحریک شروع کردی تھی۔ البتہ وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق نے جموں والوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور دربار مُوو کو مختصر کرنے کا فیصلہ واپس لے کر پھر ایک بار کشمیری عوام کے جائز مفادات کو یکسر نظرانداز کر دیا۔

اس مقصد کے لیے کشمیری وکیلوں نے تقریباً ایک ماہ تک ایجی ٹیشن چلایا جس میں اُن کو عوام کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن حکومت نے "تسخیر شدہ کشمیری عوام"، کو ہمیشہ کی طرح پھر ایکبار نظرانداز کر دیا۔ حکومت کے اس فیصلے کے خلاف ساری وادی میں احتجاجی ہڑتال کی گئی۔ ہڑتال کے روز سرینگر اور قصبہ جات میں لوگوں نے سڑکوں پر آکر مظاہرے کیے، جن پر قابو پانے کے لیے بے تحاشا طاقت استعمال کی گئی۔ گولی اور لاٹھی سے پھر ایک بار عوام کو چُپ رہنے پر مجبور کر دیا گیا۔

ہڑتال کے دوران سرکاری جیپ گاڑیوں کو نذرِ آتش کرنے کے کئی واقعات ہوئے اور کئی پولیس تھانوں پر دھاوا بول دیا گیا۔ نصف درجن سے زیادہ افراد ہسپتالوں میں داخل کیے گئے۔ جن کو پولیس نے گولی مار دی تھی۔

سرینگر کو مستقل دارالحکومت قرار دینے کے لیے وادی میں کئی روز تک مظاہرے ہوتے رہے۔ آتش زنی کی وارداتیں ہوتی رہیں۔ ساری وادی میں ایک ہفتہ تک بطورِ احتجاج ہڑتال کی گئی۔ طلباء اور طالبات نے کلاسوں کا بائیکاٹ کیا اور احتجاج کرنے والے وکیلوں نے جلوس نکالے، جلسے کیے جن کے خلاف سرکار نے طاقت کا استعمال کیا۔

جماعتِ اسلامی کے سیّد علی گیلانی اور میرواعظ مولانا محمد فاروق نے ریاستی حکومت کو فوری طور پر مستعفی ہونے کے لیے کہا۔ اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو کٹھ پتلی وزیر اعلیٰ قرار دیا گیا۔ حکومت نے کشمیر بار ایسوسی ایشن کے جن وکیلوں کو" دربار مو و ایجی ٹیشن" سبوتاژ کرنے کیلئے استعمال کیا تھا، ان سب کو اہم عہدے دیئے گئے۔ عہدے حاصل کرنے والوں میں بلال احمد نازکی ایڈووکیٹ بھی شامل تھا۔ جس نے وکیلوں کی ایجی ٹیشن کے دوران حکومت کے خلاف بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔

دربار مُوو کے سلسلے میں کی جانے والی ایجی ٹیشن کے دوران کشمیر بار ایسوسی ایشن نے یہ انکشاف کیا کہ کشمیر میں آبادی کا تناسب تبدیل کرنے کے لیے ریاستی سرکار کے مختلف شعبوں نے کئی لاکھ لوگوں کو سٹیٹ سبجیکٹ سارٹیفکیٹ اجراء کیے ہیں، تاکہ ریاستی مسلمانوں کو اقلیت میں تبدیل کیا جاسکے، کشمیری وکیلوں نے اس کام کو ڈاکٹر فاروق عبداللہ کا ایک اہم کارنامہ قرار دیا۔

* *

ہمہ گیر عسکری کارروائیاں

تھوڑے تھوڑے وقفے سے کشمیر کا مسئلہ مذاکرات کے ذریعے حل کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر کا مسئلہ حل نہ کیے جانے اور اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے سالہا سال کی بین الاقوامی کوششوں کی ناکامی نے کشمیری عوام خاص طور پر کشمیریوں کی نئی نسل کو اس قدر مایوس کر دیا کہ نوجوانوں نے تنگ آمد بہ جنگ آمد کا راستہ اپنا لیا اور ۱۹۸۷ء کے ایام میں نوجوانوں کے کئی گروہ خفیہ طور پر جنگ بندی سرحد عبور کر کے آزاد کشمیر گئے، وہاں ہتھیاروں کی تربیت حاصل کی اور مختلف طرز کے ہتھیار، گولہ بارود اور بم اپنے ساتھ لیکر واپس آئے۔ یہ لوگ کچھ مدت تک روپوش رہے اور موقع و محل کا انتظار کرتے رہے۔

جب ۱۹۸۸ء کے ابتدائی ایام میں تربیت یافتہ ان کشمیری نوجوانوں نے کسی کسی جگہ ہتھیار استعمال کیے اور دھماکوں سے اپنی موجودگی کا اظہار کیا تو کشمیر کی ساری آبادی انکی طرف متوجہ ہوگئی۔ جوں جوں ہتھیار بند کشمیر نوجوانوں کی سرگرمیاں بڑھتی گئیں لوگوں میں ان کے ساتھ ہمدردیاں اور حمایت بھی عام ہونے لگی۔ جس کے بعد سرینگر، قصبہ جات اور دیہات سے نوجوانوں کے گروہ در گروہ خفیہ راستوں سے جنگ بندی سرحد کی دوسری طرف جاکر تربیت حاصل کرنے اور واپس آنے لگے۔ تربیت یافتہ کشمیری نوجوانوں کی تعداد میں اضافے اور ہتھیاروں کی آمد سے حکمراں طبقہ سخت گھبرا گیا۔ جب کہ تربیت حاصل کر کے ہتھیاروں سمیت واپس لوٹنے والے کشمیری نوجوان خود بھی بڑی کشمکش میں مبتلا تھے۔ اُن کو جائے پناہ حاصل کرنے اور خود کو روپوش رکھنے میں مشکلات پیش آرہی تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا جب کشمیریوں نے کشمیر کا مسئلہ حل کروانے کے لیے ہتھیار اُٹھا لیے۔ اس سے پہلے بھی اگرچہ دو تین بار نوجوانوں نے مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی اور الفتح نام کی تنظیم وجود میں لاکر مسلح جدوجہد شروع

کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن حکومت نے ان کوششوں کو نہایت سخت ہاتھ سے دبا دیا تھا۔ انکی تعداد بھی محدود تھی اور اُن کے پاس کوئی خاص ہتھیار وغیرہ بھی نہیں تھے۔ البتہ ۱۹۸۸ء میں مسلح جدوجہد کے اس نئے مرحلے میں جس انداز سے ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کو عوامی حمایت حاصل ہوئی اُس سے ان کے حوصلے بلند ہوگئے اور ان کی تعداد میں بڑی تیزی کے ساتھ اضافہ ہونے لگا۔

مایوسی اور سیاسی سطح پر جمود میں کشمیری عوام نے ہتھیار بند نوجوانوں کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی۔ ان سے ہمدردی اور تعاون کا جذبہ فروغ پانے لگا اور جدوجہد کے اس نئی طرز میں کشمیریوں میں ایک نئی اُمید پیدا کر دی ۱۹۸۸ء کے یہ ابتدائی ایام بڑے صبر آزما تھے، اگرچہ آنے والے دن اپنے جلو میں بے پناہ مصیبتیں، آزمائشیں اور گوناگوں مشکلات لیکر آرہے تھے، پھر بھی لوگ تاریخ کا دھارا تبدیل کرنے کیلئے بےخطر میدان میں کود پڑے اور ایثار و قربانی کا بےمثال مظاہرہ کیا گیا۔

لوگ بڑی بیباکی کے ساتھ سڑکوں اور شاہراہوں پر آکر "ہم کیا چاہتے ہیں آزادی" کا مطالبہ اور نعرے بلند کرنے لگے۔ لوگوں کی ان غیر معمولی اور جرأت مندانہ سرگرمیوں سے ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کو زبردست حوصلہ ملا۔ کشمیری عوام نے ہر ممکن طور پر ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کو تحفظ فراہم کیا۔ ان کو اپنے گھروں میں پناہ دیکر کھانے پینے کی اور دوسری ہر سہولت فراہم کی۔ ضرورت پڑنے پر انکی ہر طرح مالی امداد بھی کی جانے لگی اور سرینگر کے علاوہ قصبہ جات اور دیہات میں بھی کشمیری عوام نے ہتھیار بند نوجوانوں کے ساتھ کھل کر یکجہتی کا اظہار کیا انتہائی نامساعد حالات اور سخت ترین آزمائشوں میں بھی اپنے گھر میں یا گھر سے باہر کسی ایک شخص نے بھی ہتھیار بند نوجوانوں کی نشان دہی یا اُن کی موجودگی کا راز افشا نہیں کیا۔ کشمیری عوام کے اس ہمہ گیر اور ولولہ انگیز عزم اور حوصلے نے ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے لیے اُن کارروائیوں میں آسانیاں پیدا کر دیں، جو اُن کی طرف سے ہندوستان کی فوج اور نیم فوجی دستوں کے خلاف کی جا رہی تھیں اور جس سے سارے کشمیر میں ایک بغاوت کا عالم بپا ہو گیا تھا۔

••

بظاہر کشمیر میں ایک جمود کی سی کیفیت محسوس کی جارہی ہے، جس میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے سیاسی ہلچل پیدا ہوجاتی ہے۔ مسلم متحدہ محاذ کو متحرک کرنے کی کوششوں میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ محسوس کی جارہی ہے کہ محاذ کی مختلف اکائیوں میں فکر و خیال کا اتحاد پیدا نہیں ہوسکا ہے۔ محاذ میں شامل اُمتِ اسلامی کے لیڈر ڈاکٹر قاضی نثار اور جماعتِ اسلامی اندر ہی اندر ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں اور جب بھی مسلم متحدہ محاذ کو ایک واحد سیاسی پارٹی میں تبدیل کرنے اور اس کی باقاعدہ تنظیم بنانے کی کوشش کی جاتی ہے تو محاذ میں شامل اکائیوں کے باہمی اختلافات اِن کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیتے۔ اسی دوران سرینگر میں ۱۱ فروری ۱۹۸۸ء کو پھر بڑے پیمانے پر احتجاجی مظاہرے کیے گئے، اور لبریشن فرنٹ کے مقبول بٹ کی چوتھی برسی پر ہڑتال کی گئی اور اُن کو خراجِ عقیدت ادا کیا گیا۔

اُدھر اِن وارداتوں کے فوراً بعد ۱۸ فروری ۱۹۸۸ء کو پاکستان کے صدر جنرل ضیاالحق نے مسلم اتحاد کی بین الاقوامی کانفرنس میں کشمیر پر اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کا ذکر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ پاکستان آزادی کے لیے لڑنے والے کشمیریوں کی ہر صورت میں حمایت کرتا رہے گا۔ جس کا جموں کشمیر مسلم متحدہ محاذ اور کشمیری عوام نے خیر مقدم کرتے ہوئے آزادی کے لیے اپنی جد و جہد جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کیا۔

اس کے اگلے دن جب اسلامک سٹوڈنٹس لیگ کے محمد نعیم اور جماعتِ اسلامی کے محمد اشرف صرّاف کو جیل سے عدالت میں لایا گیا تو عدالت کے احاطے میں سیکڑوں لوگوں نے جمع ہوکر اُن کے حق میں نعرے بلند کیے، پھر جب بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں کشمیر کے لیے

حقِ خود ارادیت کا مطالبہ کر دیا گیا تو اس پر جہاں کشمیر میں اطمینان کا اظہار کیا گیا، وہاں نئی دہلی میں ہندوستان کی حکومت نے اس قرارداد کے خلاف اپنے مخالفانہ ردِّ عمل کا اظہار کر دیا۔

سیاسی سطح پر جمود کی سی کیفیت کے باوجود نوجوانوں اور طلبا میں ہندوستان مخالف جذبات تھوڑے تھوڑے وقفے سے منظرِ عام پر آجاتے تھے اور عوام بھی ان کارروائیوں میں شامل ہوجاتے تھے، جو ہندوستان اور ہندوستان کی بنائی ہوئی حکومت کے خلاف کی جاتی تھیں اس سلسلے کی ایک کڑی ۱۱ اپریل ۱۹۸۸ء کو اس وقت سامنے آئی۔ جب سرینگر میں نوجوانوں نے مظاہرے شروع کر دیئے، جس کے دوران کئی سرکاری گاڑیوں کو آگ لگا دی گئی، پولیس پر پتھراؤ کیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری وادی تشدّد آمیز مظاہروں کی لپیٹ میں آگئی۔ مظاہرین نے شراب کی کئی دکانوں کو تباہ کر دیا۔ ہوٹلوں پر پتھراؤ کیا گیا اور سرکاری دفاتر پر ہلّہ بول دیا گیا۔ سرینگر میں پورے چھ گھنٹے تک نوجوان تشدّد آمیز مظاہرے کرتے رہے، جن کے خلاف لاٹھی چارج، ٹیئر گیس اور گولیوں کا استعمال ناکام رہا۔ شہر کے مرکزی علاقے میں مائسمہ کے قریب مظاہرین پر گولی چلادی گئی، جس میں راجویری کدل کے دو نوجوان شیخ رفیق احمد اور منظور احمد قریشی ہلاک کر دیئے گئے۔ ایک سو سے زیادہ لوگ زخمی ہوگئے اور سارا امن و انتظام درہم برہم ہوکر رہ گیا۔

احتجاجی مظاہرے ۱۲ اپریل ۱۹۸۸ء کو بھی جاری رہے اور مظاہرین پر تشدّد ڈھانے کے خلاف ساری وادی میں بطورِ احتجاج ہڑتال کی گئی۔ کئی علاقوں میں پولیس اور مظاہرین کے درمیان تصادم بھی ہوئے۔ وادی میں تمام تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے سرکاری جبر و زیادتیوں کے خلاف کئی دن تک احتجاجی ہڑتال اور تناؤ کی سی کیفیت رہی۔ پولیس فائرنگ میں ہلاک ہونے والے اسٹوڈنٹ رفیق احمد شیخ کی رسمِ فاتحہ خوانی کے دن بھی احتجاجی ہڑتال کی گئی، جس کے دوران پولیس تھانوں پر پتھراؤ کیا گیا اور احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ اس کے بعد ۱۰ جون ۱۹۸۸ء کو سرینگر اور قصبہ جات میں امن و انتظام اس وقت درہم برہم ہوگیا جب بجلی کی شرح فیس میں اضافہ کرنے والے پُر امن لوگوں پر فائرنگ کی گئی، جس میں

درجنوں افراد زخمی ہوگئے، جن میں سے تین نوجوان زخموں کی تاب نہ لاکر جاں بحق ہوگئے، پرامن طور پر بجلی فیس میں اضافے کے خلاف احتجاج کو کچلنے کے لیے طاقت کے بے تحاشا استعمال سے عوام میں زبردست غم و غصہ پیدا ہوگیا اور سرینگر میں کئی دن تک بطور احتجاج ہڑتال کی گئی سرکاری اطلاعات کے مطابق گولیوں سے زخمی ہونے والوں میں سے مزید دو افراد جاں بحق ہوگئے جس کے خلاف عوام احتجاجی مظاہرے کرنے سڑکوں پر آگئے۔

صورتِ حال بے قابو ہونے کی بنا پر سرینگر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا اور دیکھتے ہی گولی مار دینے کے احکامات صادر کیے گئے۔ اس کے باوجود سرینگر کے کئی علاقوں میں کرفیو کی خلاف ورزی کرتے ہوئے احتجاجی جلوس نکالے گئے اور پولیس مظاہرین کے درمیان جھڑپیں ہوتی رہیں اور کئی دن ہڑتال بھی رہی۔ بہت سے نوجوان گرفتار کیے گئے اور مظاہرین پر تشدد بھی ڈھایا گیا۔ واقعات کی مذمت کرتے ہوئے پیپلز لیگ کے جواں سال قائد شبّیر احمد شاہ نے اعلان کیا کہ حکومت جبر کی کارروائیوں سے کشمیری عوام کی آواز دبا نہیں سکتی۔ حکومت نے نہایت سخت ہاتھ سے عوام کو عارضی طور پر دبانے میں کامیابی حاصل کرلی۔ تاہم مخالفت کا لاوا اندر ہی اندر پکتا چلا گیا۔ اور پھر یکم اگست ۱۹۸۸ء کو صبح ہونے سے قبل ہی سرینگر میں بموں کے پُراسرار دھماکے ہوئے اور ایک پٹرول پمپ بھی لوٹ لیا گیا۔

ایک دھماکہ گورنمنٹ آف انڈیا کے ٹی، وی اسٹیشن کے قریب ہوا، بم کا دوسرا دھماکہ مرکزی حکومت کے ٹیلی گراف آفس میں کیا گیا، دونوں دھماکوں سے اُن عمارتوں کو نقصان پہنچا جن میں بم رکھے گئے تھے۔ سرکاری طور پر بتایا گیا کہ مولانا آزاد شاہراہ پر ایک پٹرول پمپ سے بعض نوجوانوں نے رقم اُڑالی ہے۔

اِن وارداتوں سے سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں خوف و ہراس پیدا ہوگیا حکومت بھی خائف ہوگئی اور سرکاری حلقوں میں امن و سلامتی کے لیے خطرہ محسوس کیا جانے لگا جس کی بنا پر سرینگر میں ہونے والا آل انڈیا کانگریس کا سالانہ اجلاس منسوخ کر دیا گیا۔ پولیس کے اعلیٰ حکام نے بتایا کہ سرینگر میں کڑی نگرانی کے باوجود رات کے دوران موٹر کاروں کی پُراسرار

نقل و حرکت مشاہدے میں آرہی ہے، وادی میں نوجوانوں کو گرفتار کرنے کا پھر سلسلہ شروع ہوگیا. پولیس نے جن نوجوانوں کو گرفتار کیا۔ اُن میں نعیم احمد خاں، الطاف احمد قریشی اور الطاف احمد بھی شامل تھے۔ ان کی گرفتاری پر پیپلز لیگ کے شبّیر احمد شاہ نے زبردست احتجاج کیا اور یہ الزام لگایا گیا کہ ان نوجوانوں پر انٹروگیشن سینٹروں میں جبر و ظلم کیا جارہا ہے۔

تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہنگامے بپا ہونے کا سلسلہ جاری ہے کہ اسی دوران، ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو جب پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق بھاولپور میں ان کا فوجی طیارہ تباہ ہونے کے ساتھ ہی وہ ہلاک ہوگئے تو کشمیر میں اس کا زبردست ردِّ عمل ہوا اور شہر اور قصبہ جات کی ساری آبادی سڑکوں پر آگئی جس پر قابو پانے کے لیے سرینگر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا اور مشتعل مظاہرین پر بار بار گولی چلائی گئی۔

سرینگر اور وادی کے قصبوں میں بہت بڑی تعداد میں نیم فوجی دستے متعین کیے گئے اور فوج بھی طلب کرلی گئی۔ پولیس کی گولیوں سے نصف درجن افراد ہلاک اور سولہ نوجوان زخمی ہوگئے سرکاری گاڑیاں نذرِ آتش کر دی گئیں۔ مظاہرین پر فائرنگ سے جو نوجوان ہلاک ہوئے ان میں بٹہ مالو کا مشتاق احمد اور چوٹہ بازار کا منظور احمد بھی شامل بھی بتائے گئے۔ کئی افراد کی حالت نازک بتائی گئی۔

پولیس اور نیم فوجی دستوں پر حملے کیے گئے اور پولیس تھانوں کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ کئی دن تک امن و قانون بحال نہیں کیا جاسکا اور حکومت نے یوم عاشور پر ۲۴ اگست ۱۹۸۸ء کو سرینگر میں کرفیو نافذ کر دیا۔ جس کی وجہ سے ذوالجناح کا کوئی جلوس نہیں نکالا جاسکا. حالات پورے دس دن تک حکومت کے قابو سے باہر رہے۔ ۲۶ اگست ۱۹۸۸ء کو سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں پھر احتجاجی مظاہرے ہوئے جن پر قابو پانے کے لیے اندھادھند گولیاں چلائی گئیں۔ جن سے ظہور احمد صلاتی، معراج الدّین شیخ اور ہلال احمد ہلاک ہوگئے اور کچھ طلبا اور نوجوان زخمی بھی ہوئے۔

دریں اثنا شیعہ سنّی کشیدگی پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ جسے دونوں فرقوں کے باشعور

لوگوں نے ناکام بنادیا۔ ان لوگوں نے سرینگر میں ایک امن جلوس نکالا جس سے لوگوں میں اعتماد بحال ہوگیا اور پھر ۱۳ راگست ۸۸ء کو کشمیر میں ایک غیر معمولی واردات ہوئی، جب اسلام آباد میں ایک سرکاری گاڑی کو بم دھماکے سے اُڑادیا گیا۔ اس دھماکے سے سرکاری ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی اور سرکاری ایڈمنسٹریشن بداعتمادی کا شکار ہونے لگی۔ اگرچہ ان دھماکوں کی کسی نے ذمہ داری قبول نہیں کی۔ لیکن سرکاری طور پر اعتراف کیا گیا کہ ان دھماکوں میں پاکستان نواز عناصر کا ہاتھ ہے۔

نئی دہلی نے ان دھماکوں کو خطرے کا الارم قرار دیدیا اور کئی مرکزی ایجنسیاں تحقیقات کے لیے کشمیر بھیجی گئیں۔

۲۲ر اور ۲۳ر ستمبر کی درمیانی رات میں نہایت ڈرامائی انداز میں ایک موٹر سائیکل پر سوار دو نوجوانوں نے کرن نگر میں گول مارکیٹ کے قریب اُس ریٹائرڈ سیشن جج نیل کنٹھ گنجو کے مکان پر آٹو میٹک ہتھیاروں سے گولی باری کی جس جج نے لبریشن فرنٹ کے لیڈر مقبول بٹ کے خلاف قائم کیے گئے مقدمے میں بٹ صاحب کو سزائے موت کا حکم سُنایا تھا۔ اس طرح کی فائرنگ سرینگر کے بعض دوسرے علاقوں میں بھی اس سے پہلے ہوئی تھی۔ اس کے اگلے دن رات کے دوران سرینگر کے پولیس ہیڈکوارٹر پر حملہ کیا گیا اور گولیوں کی گھن گرج سے اس پورے علاقے میں خوف وہراس پھیل گیا۔ اس کے ساتھ ہی پولیس نے بعض ایسے نوجوانوں کو گرفتار کیا جن سے کلاشنکوف رائفلیں برآمد کی گئیں۔ اور جن کے بارے میں پولیس نے بتایا کہ وہ نوجوان اپنے دوسرے بہت سے ساتھیوں کے ہمراہ سرحد پار جاکر ہتھیاروں کی تربیت حاصل کر آئے ہیں۔

اُدھر اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کے وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خاں نے پھر کشمیر کا سوال اُٹھاتے ہوئے، دُنیا کی توجہ اس تنازعے کی طرف مبذول کروائی اور اقوامِ متحدہ سے مطالبہ کیا کہ وہ کشمیر کے لیے پاس کی گئی اپنی قرار دادوں پر عمل کرواتے ہوئے کشمیری عوام کو حقِ خود ارادیت کا موقع فراہم کرے، تاکہ کشمیر کا تنازعہ حل کیا جاسکے، پاکستان

کے وزیر خارجہ کی طرف سے اقوامِ متحدہ میں کشمیر کا سوال اُٹھانے کا کشمیری عوام نے پرجوش خیر مقدم کیا اور اسے ایک جائز کوشش سے تعبیر کیا گیا۔ جس کا اظہار کرنے کے لیے نوجوانوں نے سرینگر میں ایک جلوس نکالا جو اقوامِ متحدہ کے مقامی دفتر پر جاکر کشمیر کا مسئلہ حل کروانے کا مطالبہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن پولیس نے نوجوانوں کے جلوس پر لاٹھی چارج کیا، چارج کیا، ٹیئر گیس استعمال کی گئی اور طاقت کے بل بوتے پر نوجوانوں کو دبا دیا گیا۔ صورتِ حال اس وقت اور بھی دھماکا خیز شکل اختیار کر گئی۔

جب ۱۲ر اکتوبر ۱۹۸۸ء کو کشمیر پولیس کے ڈائریکٹر جنرل غلام جیلانی پنڈت نے ایک پریس کانفرنس میں انکشاف کیا کہ جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ کشمیر میں مسلح کارروائیاں کرنے کے اپنے ایک منظم منصوبے پر عمل کر رہا ہے اور سرینگر میں پیش آئے حالیہ واقعات لبریشن فرنٹ کی کارروائیوں ہی کا شاخسانہ ہیں۔

ڈائریکٹر جنرل پولیس نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ اب تک پچاس سے زیادہ نوجوان گرفتار کیے گئے ہیں جن سے کلاشنکوف رائفلیں، خودکار ریوالور، بم اور آتشگیر مادہ برآمد کیا گیا ہے، انھوں نے بتایا کہ لبریشن فرنٹ نے ایک ہٹ لسٹ بھی تیار کی ہے جس پر عمل کیے جانے کا امکان ہے، پولیس نے اخباری نمائندوں کو پچاس کلاشنکوف رائفلیں بھی دکھائیں۔ یہ بھی انکشاف کیا گیا کہ جموں وکشمیر بینک کپواڑہ برانچ کا منیجر، جسے بینک نے لاپتہ قرار دیا۔ اصل میں ساٹھ ہزار روپے سمیت سرحد پار تربیت حاصل کرنے گیا ہے، یہ بھی بتایا گیا کہ محاذِ آزادی کا صدر محمد اعظم انقلابی بھی سرحد پار گیا ہے، پولیس کے پریس کانفرنس میں اس بیان کے صرف دو دن بعد سرینگر پے در پے دھماکوں سے لرز اُٹھا۔ سرینگر کے مرکزی علاقے لال چوک میں ایک حلوائی سنت رام کی ماروتی گاڑی میں ٹائم بم رکھا گیا، جس کے پھٹنے سے دو درجن سے زیادہ افراد شدید زخمی ہوگئے۔

حالات پر قابو پانے کے لیے کئی جگہ پولیس نے گولی چلائی تمام اہم مقامات پر پولیس کمانڈوز متعین کیے گئے اور سرکاری حلقوں میں افراتفری پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد سخت حفاظتی

انتظامات کے باوجود بم دھماکے ہو رہے ہیں، کبھی مجاہد منزل کو اور کبھی کسی سینما گھر کو بم سے اُڑانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ۸ر جنوری ۸۹ء پانپور میں گیس ٹربائن اسٹیشن کے قریب بم دھماکوں سے اس پورے علاقے میں خوف کی سی فضا پیدا ہو گئی۔ اس کے کچھ دن بعد سفارتی سطح پر یہ انکشاف کیا گیا کہ کشمیر لبریشن فرنٹ کو پاکستان کے علاوہ، جرمنی، سعودی عرب اور کچھ دوسرے ملکوں سے امداد مل رہی ہے، جس کی بنا پر فرنٹ نے کشمیر کے اندر اور باہر اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔

اسی اثنا میں ۲۳ر جنوری ۱۹۸۹ء کو اسلام آباد کے قریب چار سرکاری گاڑیاں بم دھماکوں سے اُڑا دی گئیں، جس نے سرکاری حلقوں میں سراسیمگی پیدا کر دی اور ۲۶ر جنوری ۸۹ء جب ہندوستان کا یوم جمہوریہ ہوتا ہے، کے سلسلے میں فکر و تشویش کا اظہار کیا جانے لگا۔ چنانچہ ۲۴ر جنوری ۸۹ء کو پی پلز لیگ کے لیڈر شبیر احمد شاہ نے بھارت کے یوم جمہوریہ پر ۲۶ر جنوری ۸۹ء کو بطور احتجاج ہڑتال کرنے اور یوم جمہوریہ کی تقریب کا بائیکاٹ کرنے کی اپیل کی۔ جس پر حکومت گھبرا گئی اور امکانی صورت حال پر قابو پانے کے لیے فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا گیا۔

۲۶ر جنوری ۸۹ء کو بھارت کے یوم جمہوریہ پر وادی کے طول و عرض میں ہڑتال کی گئی۔ کئی جگہ لوگوں نے بھارت مخالف مظاہرے کیے اور پولیس اور مظاہرین کے درمیان جھڑپوں پر قابو پانے کے لیے طاقت کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۱ر فروری ۸۹ء کو جبکہ لبریشن فرنٹ کے بانی مقبول بٹ کی برسی منائی جا رہی تھی، سرینگر کے ایک اہم علاقے ریذیڈنسی روڈ پر اس بڑی عمارت کو ٹائم بم سے اُڑانے کی کوشش کی گئی، جس میں نصف درجن سرکاری محکموں کے دفاتر تھے۔

سرینگر کے زانپہ کدل علاقے میں بھی ایک ڈیلکس کوچ گاڑی میں بم دھماکا کیا گیا۔ ۱۱ر فروری کو سرینگر اور قصبہ جات میں ہڑتال کی گئی، مظاہرے کیے گئے۔ مظاہرین اور پولیس کے درمیان جگہ جگہ جھڑپیں ہوئیں۔ سرکاری عمارتوں پر پتھراؤ کیا گیا۔ امن و امان درہم برہم

ہو کر رہ گیا اور حالات پر قابو پانے کے لیے فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا گیا، ۱۲ر فروری کو پہلی بار جموں کشمیر لبریشن فرنٹ نے وادی میں کیے جانے والے بم دھماکوں کی ذمّہ داری قبول کی۔

۱۳ر فروری ۸۹ء کو بھی سرینگر میں بھارت مخالف مظاہرے کیے گئے، ہڑتال کی گئی اور فتح کدل میں پولیس فائرنگ سے ایک نوجوان ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے، فائرنگ میں ہلاک ہونے والا نوجوان سیّد صاحب کاؤواڑہ کا ۲۲ سالہ عبدالرشید بٹ تھا۔

۳ر مارچ ۸۹ء کو سرینگر، بارہ مولہ، سوپور اور بڈگام میں زبردست احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ جن پر قابو پانے کے لیے اندھا دھند گولی چلائی گئی۔ جس سے ایک نوجوان ہلاک اور درجنوں زخمی ہو گئے۔ بارہ مولہ میں کرفیو نافذ کر دیا اور باہر سے بڑی تعداد میں نیم فوجی دستے منگوا کر مختلف علاقوں میں متعین کر دیئے گئے۔ تاہم اس کے باوجود سرینگر میں پے در پے دھماکے ہوئے، مظاہرے اور ہڑتال کا سلسلہ جاری رہا اور حکومت تقریباً بے بس ہو کر رہ گئی۔

سرینگر میں دھماکے ہونا روزانہ کا ایک معمول بن گیا اور تقریباً ہر علاقے میں بم دھماکے ہونے لگے، جن کے لیے لبریشن فرنٹ نے ذمّہ داری قبول کی۔ ۱۳ر اپریل ۸۹ء کو سرینگر کے خانیار علاقے میں بھارت مخالف عناصر اور نیم فوجی دستوں کے درمیان پہلی بار مسلح معرکہ آرائی ہوئی اور دونوں طرف سے ایک دوسرے پر فائرنگ کی گئی۔ سرینگر کے مختلف علاقوں میں پے در پے دھماکے بھی کیے گئے اور ہڑتال بھی کی گئی۔ کئی علاقوں میں عوامی مظاہروں پر قابو پانے کے لیے لاٹھی چارج، ٹیئر گیس اور ہوائی فائرنگ کے واقعات رونما ہوئے۔

خانیار پولیس اسٹیشن پر دو بم پھینکے گئے، جن سے مسلح پولیس کے دس افراد زخمی ہو گئے۔ جواب میں فوج کی طرف سے درجنوں نوجوان گرفتار کر لیے گئے۔ اور خوف و دہشت کا ماحول پیدا کیا گیا۔ پولیس فائرنگ کے دوران کئی نوجوان ہلاک اور زخمی ہوئے جن میں مائسمہ کا سجاد احمد بھی شامل تھا۔ اسلام آباد میں ریاستی وزیر مال کا مکان

نذرِ آتش کر دیا گیا۔ قصبے میں کرفیو نافذ کر دیا گیا اور فوج طلب کرلی گئی۔

اسی دوران پیپلز لیگ کے روپوش لیڈر شبیر احمد شاہ کے ستر سالہ والد پر پولیس نے تشدد ڈھا کر ان کو ہلاک کر دیا۔ جس کے خلاف ساری وادی میں غم و غصہ اور احتجاجی کیفیت پیدا ہو گئی اور پانچ دن تک مسلسل ہڑتال رہی، مظاہرے ہوتے رہے۔ پولیس اور مظاہرین کے درمیان تصادم بھی ہوتے رہے۔

روپوش نوجوانوں کی تلاش

ہڑتال کے پانچویں دن سرینگر میں مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے پولیس نے گولی چلا دی۔ جس سے تین افراد ہلاک اور سات شدید زخمی ہو گئے۔ کئی جیپ گاڑیاں نذر کر دی گئیں۔ اور بعض علاقوں میں دھماکوں سے پل اُڑا دیئے گئے۔ پولیس فائرنگ اور ہلاکتوں کے خلاف وادی میں چھٹے دن بھی بطور احتجاج ہڑتال کی گئی۔ مظاہرے کیے گئے اور مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے پھر گولی چلائی گئی، حکومت امن و قانون برقرار نہیں رکھ سکتی تھی۔

سرینگر، اسلام آباد اور دوسرے علاقوں میں پے در پے دھماکے ہو رہے تھے۔ کشمیر لبریشن فرنٹ، اسلامک سٹوڈنٹس لیگ اور پیپلز لیگ کے حامی اور عہدیدار روپوش ہو گئے۔ جب حکومت اِن میں سے کسی ایک کو بھی گرفتار نہیں کر سکی۔ تو ۲۰/ اپریل ۸۹ء کو حکومت نے اشفاق مجید وانی، محمد یاسین ملک، عبدالحمید شیخ، جاوید احمد میر اور شبیر احمد شاہ کی گرفتاری کے لیے انعامات کا اعلان کر دیا۔ اور پولیس کی طرف سے ان پانچوں نوجوانوں کی تصویریں اخبارات کو فراہم کر دی گئیں اور بتایا گیا کہ ان سب کے خلاف انسداد دہشت گردی۔ ایکٹ، سیفٹی ایکٹ اور آرمز ایکٹ کے تحت مقدمے رجسٹر کر لیے گئے ہیں۔

اس سرکاری اعلان کے بعد سرینگر اور سوپور میں پے در پے بم دھماکے ہوئے جنکی لبریشن فرنٹ نے ذمہ داری قبول کی۔ جس کے بعد سرینگر اور وادی کے قصبہ جات میں مزید نیم فوجی دستے متعین کر دیئے گئے۔ کشمیری نوجوانوں کی کارروائیوں کے خوف سے

۷ رمئی ۸۹ء کو پہلی بار عیدگاہ میں نمازِ عید کا پروگرام سرکاری طور منسوخ کر دیا گیا۔
لیکن عید کے صرف دو دن بعد نو مئی ۸۹ء کو سرینگر کے مرکزی علاقوں اور اسلام آباد میں خوفناک بم دھماکے ہوئے۔ جن میں سرکاری املاک کو بھاری نقصان پہنچایا گیا۔ ان دھماکوں میں ایک شہری ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے۔ مائیسمہ اور بعض علاقوں میں مظاہرے بھی ہوئے۔ پولیس پر پتھراؤ کیا گیا اور تشدد کے دوسرے واقعات بھی ہوئے۔ اس کے اگلے دن سرینگر میں پھر کئی مقامات پر دھماکے ہوئے اور پھر لبریشن فرنٹ کی اپیل پر ۱۱ رمئی ۸۹ء کو ساری وادی میں احتجاجی ہڑتال کی گئی۔

پیپلز لیگ نے بھی ہڑتال کی اپیل کے لیے حمایت کا اعلان کیا اور بتایا گیا کہ نوجوانوں کی گرفتاریوں اور پولیس کی زیادتیوں کے خلاف احتجاج کیا گیا ہے۔ برسرِ پیکار نوجوانوں کی طرف سے ہڑتال کے لیے یہ اپیل تھی۔ جو سو فیصد کامیاب رہی اور جس کے بعد کشمیر میں احتجاجی ہڑتالیں کروانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ہڑتال کے دوران بھی بھارت مخالف مظاہرے ہوئے۔ جن پر قابو پانے کے لیے نیم فوجی دستوں نے گولی چلا دی۔ جس میں دو جوان ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے، درجنوں افراد کو گرفتار کیا گیا۔ اس پر وادی میں مسلسل احتجاجی ہڑتال رہی۔ ہڑتال کے دوران بھی دھماکے ہوتے رہے۔ اور پولیس اور نوجوانوں کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ چنانچہ ۱۳ رمئی ۸۹ء کو ٹنگمرگ کے قریب ایک سرکاری گاڑی پر نوجوانوں نے فائرنگ کر کے سرکاری حلقوں میں تہلکہ مچا دیا۔ پولیس نے بیروہ، سوپور، ٹنگمرگ اور سری نگر میں بہت سے مکانوں پر چھاپے مارے اور درجنوں بے گناہ لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ لبریشن فرنٹ نے سرکاری بس پر گولیاں چلانے اور مختلف علاقوں میں دھماکہ کرنے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے بھارتی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ کشمیر چھوڑ دے۔

۱۲ رجون ۸۹ء جب جامع مسجد سرینگر میں ایران کے مذہبی پیشوا آیت اللہ

خمینی کو خراج عقیدت ادا کرنے کے لیے جلسہ منعقد کیا گیا۔ تو اس جلسے میں نوجوانوں کے ایک حلقے نے گڑبڑ اور ہلڑ بازی شروع کر دی جس سے جلسہ درہم برہم ہو گیا۔ تاہم میر واعظ مولوی فاروق نے صورتِ حال پر قابو پا لیا اور گڑبڑ کرنے والوں کو مسجد سے بھگا دیا گیا۔ اس جلسے میں میر واعظ مولانا فاروق کے علاوہ سیاسی لیڈر، جن میں جماعتِ اسلامی کے سیّد علی گیلانی، اُمت اسلامی کے قاضی نثار، پیپلز کانفرنس کے خواجہ عبدالغنی لون، جمہوری فورم کے عبدالرشید کابلی اور آغا صاحب بڈگام آغا مصطفےٰ موسوی بھی موجود تھے۔ جب کہ میر واعظ مولانا فاروق نے اعلان کیا کہ انھوں نے آغا مصطفےٰ الموسوی بھی موجود تھے۔ جب کہ میر واعظ مولانا فاروق نے اعلان کیا کہ انھوں نے آغا صاحب بڈگام کے سوا کسی دوسرے شخص کو اس جلسے میں آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ البتہ مسلم متحدہ محاذ کے دو متحارب دھڑے اس سلسلے میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانا چاہتے تھے۔ اس بارے میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ نے بھی ایک اخباری بیان جاری کیا۔ جس میں فرنٹ نے ۹ رجون ۱۹۸۹ء کو جامع مسجد سرینگر کے جلسے میں گڑبڑ پھیلانے سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کچھ لوگ ہماری عسکری کارروائیوں کا استحصال اور غلط استعمال کر کے عوام اور نوجوانوں میں انتشاری کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

فرنٹ نے اپنے بیان میں کہا کہ نقاب پوشی اور اسلام نوازی کا دعویٰ کرنے والے انتشار پھیلانا چاہتے ہیں۔ بیان میں یہ بات واضح کی گئی کہ خواجہ عبدالغنی لون کے سوا کسی دوسرے سیاسی لیڈر نے کشمیر کی آزادی کے لیے شروع کی گئی ہماری جدوجہد کی حمایت نہیں کی۔ اور اسلام پسندی اور ہندوستان مخالف ہونے کی نمائش کرنے والوں میں سے کوئی ایک بھی ہمیں پناہ تک دینے کے لیے تیار نہیں۔

۲۳ رجون ۱۹۸۹ء کو یہ خبر آئی کہ بارہمولہ سے سرینگر آنے والی ایک مسافر بس

پر پولیس نے اچانک چھاپہ مار کر اُس میں سوار اوڑی کے خورشید چالکو اور اس کے پانچ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ خورشید چالکو اوڑی سے برقعہ پوش ہو کر بارہمولہ پہنچا تھا۔ اور اُسے سرینگر آنے سے پہلے ہی پکڑ لیا گیا۔

اسی اثنا میں کانگریس اور نیشنل کانفرنس کی ریاستی قیادت کو وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اس بات پر آمادہ کر لیا۔ کہ جگموہن کو گورنر کے عہدے سے سبکدوش کر دیا جائے۔ چنانچہ دونوں پارٹیوں نے اتفاق رائے سے جب نئی دہلی کو باخبر کیا تو ۲ر جون، ۱۹۸۹ء کو نئی دہلی نے جگموہن کو سبکدوش کر کے ایک ریٹائیرڈ جنرل کے، وی، کرشنا راؤ کو کشمیر کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی عیدالاضحیٰ کی تقریب پر نوجوانوں کی امکانی کارروائیوں کی اطلاعات موصول ہوتے ہی سرینگر کے کچھ علاقوں میں خوف و دہشت پھیلانے کے لیے بلیک کیٹ کمانڈوز اور زنانہ پولیس کے خصوصی دستے متعین کیے گئے۔ اس کے باوجود ۱۲ر جولائی ۱۹۸۹ء کو سرینگر میں پولو گراؤنڈ کے قریب خوفناک بم دھماکے ہوئے۔ جن سے پولیس اور سرکاری حلقے گھبرا گئے۔ اور ابھی حکومت سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے سری نگر کے ملا رٹہ اور زینہ کدل کے درمیان علاقے میں سی، آر، پی، دستوں پر گولیاں چلائیں، جن سے سی، آر، پی کے چار جوان موقع پر ہی ہلاک کر دیئے گئے۔ سرینگر میں مسلح سرکاری دستوں کے خلاف نوجوانوں کی یہ پہلی معرکہ آرائی تھی۔ جس سے حکومت لرزہ بر اندام ہو گئی اور ہر طرف خوف و دہشت کی فضا محسوس کی جانے لگی۔ اس حملے میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد چھ بتائی گئی۔ دس سے زیادہ سی آر، پی، کے اہلکار زخمی حالت میں ہسپتال پہنچائے گئے۔

عیدالاضحیٰ کی تقریب سے ایک دن قبل ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے سی، آر، پی، پر اس حملے کے بعد زینہ کدل اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں میں زبردست بھگدڑ مچ گئی۔ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے اس حملے کے جواب

میں سی، آر، پی نے شہریوں پر اندھا دھند فائرنگ کی، جس میں سرینگر کے ایک سرکردہ تاجر خواجہ غلام الدین گانی کا ۹ سالہ بچہ نیاز احمد گانی، گاؤ کدل ڈارہ کا ایک ساٹھ سالہ کمپونڈر غلام حسن مسگر، عید قربان کے لیے بھیڑ فروخت کرنے والا بشیر بکروال، بہوری کدل میں قلفی فروخت کرنے والا ایک شہری ہلاک ہو گئے۔ آٹھ شہریوں کو گولیاں لگنے کے بعد ہسپتال پہنچایا گیا۔ اس واردات سے سرینگر میں عید کی تقریب خوف و ہراس میں منائی گئی اور نہتے لوگوں پر سی، آر، پی، کی فائرنگ کے خلاف عید کے اگلے دن سرینگر میں ہڑتال کی گئی اور وکیلوں نے احتجاج کے طور پر عدالتوں کا بائیکاٹ کیا۔ سری نگر میں تناؤ کی سی کیفیت کے دوران مختلف علاقوں میں بم دھماکے ہوئے اور جھڑپیں بھی ہوئیں۔ ان تمام کارروائیوں کی جموں کشمیر لبریشن فرنٹ نے ذمہ داری قبول کی اور ایک اخباری بیان میں فرنٹ نے اعلان کر دیا کہ وہ اپنی کارروائیاں تیز کر رہا ہے۔

۱۹ر جولائی ۱۹۸۹ء کو کشمیر بار ایسوسی ایشن کی اپیل پر کشمیر بند ہوا اور مکمل ہڑتال کے دوران مسلسل مظاہرین اور مسلح پولیس کے درمیان جگہ جگہ تصادم بھی ہوئے۔ سرینگر اور وادی کے کچھ دوسرے علاقوں میں مسلسل بم دھماکوں کی بنا پر سی، آر، پی نے عام شہری آبادی کے خلاف تشدد آمیز کارروائیاں شروع کر دیں جس کے خلاف ۲۲ر جولائی ۱۹۸۹ء کو پوری وادی میں بطور احتجاج ہڑتال کی گئی۔

وادی میں حالات بڑی تیزی کے ساتھ دگرگوں ہو رہے تھے۔ بم دھماکے، سی، آر، پی پر فائرنگ، سی، آر، پی کی تشدد آمیز کارروائیاں، آتشزنی کی وارداتیں اور وقفے وقفے سے مظاہرے اور کرفیو کے نفاذ سے پوری زندگی متاثر ہو چکی تھی۔ وادی کے مختلف علاقوں سے موصولہ اطلاعات میں بتایا گیا کہ کئی مقامات پر ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور مسلح پولیس کے درمیان مقابلہ آرائی شروع ہو گئی ہے۔ کئی جگہ فریقین کا سامنا ہوتا ہے۔ اور کچھ علاقوں میں سی، آر، پی عام شہری

آبادی پر تشدد ڈھانی ہے۔

دریں اثنا ۳۱ جولائی رات کے دوران کشمیر کی آزادی کے ایک سرگرم حامی خواجہ گل محمد جو کشمیر ٹریڈرز فیڈریشن کے چیرمین بھی تھے۔ سرینگر کے صورہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں چل بسے جس سے کشمیر کے تاجر حلقوں میں سخت مایوسی پیدا ہوئی اور ایک مخلص رہنما، سماجی شخصیت اور ممتاز شہری کے انتقال پر پورے سماج اور سوسائٹی کو دُکھ پہنچا۔ کشمیر میں حالات قابو سے باہر ہوجانے کے ساتھ ہی ریاستی حکومت نے شہری علاقوں میں بارڈر سیکورٹی فورسز تعینات کر دی۔ وادی میں ہتھیار بند کشمیر نوجوان کی کارروائیوں کا دائرہ جب وسیع ہوگیا، تو وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے سرینگر میں ایک پریس کانفرنس طلب کر کے اس بات کا اعتراف کیا کہ تقریباً پانچ سو کشمیری نوجوان کنٹرول لائن کی دوسری طرف جاکر تربیت حاصل کرنے کے بعد ہتھیاروں سمیت یہاں آئے ہیں۔ اور اُن کی سرگرمیوں کی وجہ سے یہاں امن و قانون کا مسئلہ پیدا ہوگیا ہے۔ انھوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ سخت ترین سیکورٹی انتظامات کے باوجود وادی میں ۱۴ راگست ۱۹۸۹ء کو یوم استقلال، پاکستان منایا گیا۔ سبز ہلالی پرچم لہرائے گئے غبارے چھوڑے گئے۔ ہاری پربت قلعے پر پاکستانی پرچم لہرایا گیا اور اُسے سلامی دی گئی۔

راجوری کدل میں غنی میموریل سٹیڈیم میں پاکستانی جھنڈا لہرایا گیا اور فائرنگ کر کے اُسے سلامی دی گئی اور بہت سے نوجوانوں نے اس تقریب پر پاکستان کا قومی ترانہ گایا۔ جب کہ ۱۵ راگست ۱۹۸۹ء کو ہندوستان کے یوم آزادی پر ہندوستان مخالف عناصر کی طرف سے مکمل ہڑتال کروالی گئی۔ بم دھماکے کیے گئے۔

ریاستی کانگریس کے صدر محمد شفیع قریشی کے گھر میں بم دھماکہ کیا گیا۔ جس میں ان کی گاڑی تباہ ہوگئی۔ بچھوارہ اور دوسرے کئی علاقوں میں بھی بم دھماکے

ہوئے اور بہت سے علاقوں میں نوجوانوں نے ہندوستان کا قومی پرچم نذرِ آتش کیا۔ اور ہندوستان مخالف مظاہرے کیے۔ اس کے اگلے دن ۱۶ راگست ۸۹ء کو بھی وادی میں ہڑتال جاری رکھی گئی۔ اور پھر ۱۷ راگست ۸۹ء کو مرحوم جنرل ضیاء الحق کی برسی پر بھی ہڑتال ہوئی، بم دھماکے ہوئے اور مختلف علاقوں میں نیم فوجی دستوں پر کشمیری نوجوانوں نے فائرنگ کی۔ اس کے بعد بھی حالات برابر مخدوش رہے۔ ۱۸ راگست ۸۹ء کو کے، ایم، ڈی، کے قریب بم دھماکے میں ایک گاڑی تباہ ہوگئی اور بہت سے علاقوں میں مظاہرین اور پولیس کے درمیان تصادم ہوئے پولیس نے اندھا دھند فائرنگ کی جس میں نصف درجن افراد زخمی ہوگئے۔ پورے پانچ دن یہی صورت حال رہی اور اس دوران نیشنل کانفرنس کا زینہ کدل بلاک صدر محمد یوسف حلوائی کو لبریشن فرنٹ نے بابہ ڈیمب کے قریب گولی مار کر ہلاک کر دیا یہ پہلا سیاسی قتل تھا۔ جس سے ہندوستان نواز نیشنل کانفرنس اور کانگریس دونوں پارٹیاں خوفزدہ ہوگئیں۔ واقعات اور حالات کی بلا خوف اور پورے اہتمام کے ساتھ اخبارات میں اشاعت سے بھی حکومت سخت سٹ پٹا گئی چنانچہ اس نے ریاستی اسمبلی کے اجلاس میں جو سری نگر میں ان دنوں ہو رہا تھا۔ اخبارات پر پابندیوں کا قانون پاس کروایا۔ اس قانون کی منظوری کے خلاف صحافیوں نے بڑے پیمانے پر احتجاج کیا۔ جس میں عوام بھی شامل ہوگئے۔ اور جس کے خلاف پوری وادی میں احتجاجی ہڑتال کی گئی۔

اخبارات کے خلاف الزام لگایا گیا کہ وہ بندوق بردار کشمیری نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ ان کی کارروائیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ ۲۵ راگست ۸۹ء کو نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد سری نگر کی ناکہ بندی کی گئی اور پولیس اور نیم فوجی دستوں نے مسجد کے اندر داخل ہوکر بہت سے لوگوں کو مارا پیٹا اور چار سو سے زیادہ افراد کو حراست میں لے کر مختلف پولیس تھانوں میں لے جایا گیا۔ کمانڈوز اور پولیس نے رات بارہ بجے تک مسجد کی تلاشی لی۔ اس دوران اس پورے علاقے

میں کرفیو نافذ کیا گیا اور دیکھتے ہی گولی مارنے کے احکامات صادر کیے گئے۔ اس کارروائی کے خلاف میرواعظ مولوی فاروق نے زبردست احتجاج کیا۔ مسجد کی بے حرمتی کرنے کا الزام لگایا۔ اور فورسز کی مذمت کی، ان واقعات اور عوام پر تشدد ڈھانے کے خلاف سید علی گیلانی، اور مسلم متحدہ محاذ کے دوسرے تین ممبران اسمبلی نے اسمبلی ممبری سے استعفےٰ دے دیا۔

کشمیری وکیلوں نے احتجاج کے طور پر اجتماعی دھرنا لگایا اور سری نگر سے شائع ہونے والے اخبارات نے بطور احتجاج ہڑتال کر دی۔ البتہ عوامی ایکشن کمیٹی کے دو ممبران اسمبلی محمد شفیع خان اور پیر محمد شفیع جو نیشنل کانفرنس کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے۔ دونوں نے اس احتجاج میں شامل ہونے سے انکار کیا۔ جو حکومت کے خلاف کیا جا رہا تھا۔ اور انھوں نے مستعفی ہونے کی تجویز مسترد کر دی۔ اُدھر ۶ ستمبر ۸۹ء کو بغداد میں غیر جانبدار ملکوں کی سربراہ کانفرنس میں پاکستان نے کشمیر کا سوال اٹھاتے ہوئے مطالبہ کیا کہ کشمیری عوام کو اقوام متحدہ قرار داروں کے مطابق اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ جس کے بعد ۱۹ ستمبر ۸۹ء کو پاکستانی پارلیمنٹ کے ایوان بالا سینٹ میں کشمیر پر ایک قرار داد پاس کی گئی۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لیے اقوامِ متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق جموں کشمیر میں رائے شماری کروائی جائے۔ دوسری طرف کشمیر میں بھی حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔

ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی پے در پے کارروائیوں اور ان کیلئے عوامی حمایت سے نوجوان نسل متاثر ہونے لگی۔ اور بہت سے نوجوانوں کی ٹولیاں اور گروہ کنٹرول لائن کے پار جا کر ہتھیاروں کی تربیت اور ہتھیار حاصل کرنے کے بعد مختلف پہاڑی راستوں سے واپس آ رہے تھے۔ جس سے اس تحریک کا دامن اور زیادہ پھیل گیا اور ہندوستانی فوج اور نیم فوجی دستوں کے خلاف مسلح کارروائیوں میں

اضافہ ہوتا چلا گیا اور پھر ۲۸ ستمبر ۸۹ء کو پیپلز لیگ کے لیڈر شبیر احمد شاہ کو اہم صلاح مشورے کے لیے پاکستان جانے سے قبل ہی سرینگر جموں شاہراہ پر رام بن کے قریب پکڑ لیا گیا۔ ان کی گرفتاری کی خبر پھیلتے ہی سرینگر میں کہرام مچ گیا۔ حکومت کے خلاف تشدد آمیز مظاہرے شروع ہو گئے۔ اور ساری وادی میں احتجاجی ہڑتال کی گئی۔

عوامی مظاہروں اور تشدد کی وارداتوں پر قابو پانے کے لیے سوپور فوج کے حوالے کر دیا گیا اور اسلام آباد میں بھی امن بحال کرنے کے لیے فوج طلب کر لی گئی۔ تشدد اور پولیس فائرنگ کی وارداتوں میں آٹھ افراد ہلاک اور ۱۳ زخمی ہوئے۔ درجنوں گاڑیاں تباہ ہو گئیں اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔

اسلام آباد اور سوپور میں کرفیو بھی نافذ کیا گیا اور سری نگر میں کئی مقامات پر مظاہرین پر گولی چلائی گئی۔ آتشزنی کی وارداتیں بھی رونما ہوئیں۔ بعض علاقوں میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور نیم فوجی دستوں کے درمیان گولیوں کے تبادلے بھی ہوئے۔ وادی کے دوسرے قصبوں میں بھی امن و انتظام درہم برہم ہو گیا پورے پانچ دن تک وادی میں ہڑتال رہی اس کے ساتھ ہی ۱۵ اکتوبر ۸۹ء پاکستان نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کشمیر کا سوال اٹھایا اور پھر مطالبہ کیا کہ اقوام متحدہ کشمیر کے بارے میں اپنے کئے گئے فیصلوں کو عملی جامہ پہنائے اور خود کشمیر میں بھی زندگی کا نظام درہم برہم ہو رہا تھا۔

لبریشن فرنٹ سری نگر کے مختلف علاقوں اور سوپور اور اسلام آباد وغیرہ میں مسلسل بم دھماکے کر رہا تھا۔ اور عوام اپنے حقوق کے حق میں برابر آواز بلند کر رہے تھے۔ اور ہندوستان کے خلاف مظاہرے ہو رہے تھے۔ لبریشن فرنٹ کی طرف سے اس کے پانچ ایریا کمانڈروں، اشفاق مجید وانی، محمد یاسین ملک عبدالحمید شیخ، مشتاق احمد زرگر اور جاوید احمد میر نے ایک اخباری بیان میں عوام سے اپیل کی کہ ۲۷ اکتوبر ۸۹ء کو جس دن ۴۷ء میں ہندوستان فوج کشمیر آئی تھی بطور

احتجاج عام ہڑتال کی جائے۔

چنانچہ ۲۷ر اکتوبر ۸۹ء کو ساری وادی میں مکمل ہڑتال اور سناٹے کا عالم رہا۔ اس کے ساتھ ہی پورے دس دن تک بم دھماکے اور دوسری عسکری کارروائیوں کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے لبریشن فرنٹ نے اعلان کیا کہ وہ جدوجہد اور زیادہ تیز کر رہا ہے۔ اس کے ایک دن بعد لبریشن فرنٹ کا ایک ایریا کمانڈر عبدالمجید شیخ سرینگر میں حول کے قریب پولیس کے ساتھ ایک مقابلے میں شدید زخمی ہوگیا اور پولیس نے اُسے زخمی حالت میں گرفتار کرکے ہسپتال پہنچا دیا۔

سری نگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں متواتر مظاہرے ہو رہے تھے۔ اور مظاہرین اور پولیس کے درمیان مسلسل تصادم اور جھڑپیں ہو رہی تھیں۔ پولیس فائرنگ سے ہلاکتیں بھی ہو رہی تھیں۔ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کو گرفتار کرنے کے لیے جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے۔ اور جبر و زیادتیوں کے خلاف ہڑتالیں بھی کی جا رہی تھیں کہ اسی دوران ۴ر نومبر ۸۹ء کو لبریشن فرنٹ کے بانی مقبول بٹ کو سزائے پھانسی سنانے والے جج نیل کنٹھ گنجو کو ہری سنگھ ہائی سٹریٹ کے قریب گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ نیل کنٹھ گنجو ہری سنگھ ہائی سٹریٹ میں ایک بینک کی عمارت سے جونہی باہر آیا لبریشن فرنٹ کے ایک ہتھیار بند نوجوانوں نے نزدیک سے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اسی دوران جب پارلیمانی انتخابات کا مرحلہ آیا تو کشمیری عوام نے انتخابات کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ سری نگر کے پارلیمانی حلقے سے محمد شفیع بٹ وکیل کو بلا مقابلہ کامیاب قرار دیا گیا کیوں کہ اُس کے مقابلے میں کوئی امیدوار کھڑا تک نہیں ہوا۔ اسلام آباد اور بارہمولہ کے دوسرے دو پارلیمانی حلقوں میں بھی کوئی ووٹر ووٹ ڈالنے نہیں آیا۔ اس دوران وادی کے مختلف علاقوں میں مسلسل بم دھماکے ہوتے رہے اور سرینگر میں بھی مجاہد منزل کو جو نیشنل کانفرنس کا ہیڈکوارٹر ہے بم دھماکے سے اُڑانے کی کوشش کی گئی۔ ان تمام دھماکوں کی ذمہ داری لبریشن فرنٹ نے قبول کی۔ خوفزدہ ہوکر نیشنل کانفرنس کے کارکنوں، حامیوں اور عہدیداروں نے نیشنل

کانفرنس سے لاتعلقی کے دھڑا دھڑ اعلانات اخبارات میں چھپوائے۔

حالات بے قابو ہوتے دیکھ کر ۲۱ر نومبر ۸۹ء کو فوج نے ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور دوسرے جنگی ساز و سامان کے ساتھ شہر کی اہم شاہراہوں پر گشت کیا۔ لیکن دباؤ ڈالنے اور خوف و دہشت پھیلانے کی یہ کارروائی ناکام رہی اور اُسی دن ایک ریاستی وزیر چودھری محمد رمضان حکمران پارٹی کے ممبر پارلیمنٹ شریف الدین شارق اور ترال کے محمد سبحان بھٹ ڈیلیدار کے گھروں پر بموں سے حملے کیے گئے۔ اور کچھ سرکاری عمارتیں نذرِ آتش کر دی گئیں۔

سرینگر اور قصبہ جات میں شراب کی دکانوں پر بھی بم پھینکے گئے۔ جس کے نتیجے میں شراب کی بہت سی دکانیں بند ہوگئیں۔ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں اور روز بروز ان کا پلہ بھاری ہو جانے کی وجہ سے حکمران نیشنل کانفرنس اور کانگریس آئی اوپر کی سطح پر بھی ٹوٹنے پھوٹنے لگی۔ اور وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے بہ ڈرامائی اعلان کر دیا۔ کہ وہ اقتدار سے دستبردار ہوکر امریکا جا رہا ہے۔

ادھر کشمیر کے طول و عرض میں بم دھماکے ہو رہے تھے حفاظتی دستوں پر گولیاں چلائی جا رہی تھیں اور لوگ ہندوستان مخالف مظاہرے کر رہے تھے۔ اور ادھر پارلیمانی انتخابات کے نتیجے میں کانگریس پارٹی ہندوستان میں اقتدار سے بے دخل کر دی گئی اور مسٹر وشوناتھ پرتاپ سنگھ وزیر اعظم بنائے گئے۔ جنہوں نے نیشنل فرنٹ میں شامل پارٹیوں کے اشتراک سے نئی وزارت میں کشمیر کے مفتی محمد سعید کو جو کانگریس سے باغی ہوکر جنتا دل میں شامل ہو گئے تھے۔ وزیر داخلہ بنایا گیا جس کا کشمیر میں اُلٹا ردّ عمل ہوا۔

ہندوستانی وزیر داخلہ کی بیٹی کا اغوا

سری نگر میں ایک نئے نام کی اللہ ٹائیگر پارٹی بھی نمودار ہوگئی۔ جس نے شراب کی دکانوں سینماؤں، وڈیو لائبریریوں وغیرہ کے خلاف زوردار مہم شروع کردی۔ اس مہم کے نتیجے میں سری نگر اور وادی کے قصبوں میں شراب کی دکانیں بند ہوگئیں۔ تمام بڑے ہوٹلوں میں شراب فروخت ہونا بند ہوگئی اور اسی طرح کے دوسرے غیر اسلامی کام ختم ہوگئے ۸ر دسمبر ۸۹ء کو سرینگر اور مختلف علاقوں میں گولیوں اور بم دھماکوں کی گونج میں نورالرحمان سٹوڈنٹ کو ہلاک کیے جانے کے خلاف ہزاروں طلبا نے سری نگر میں احتجاجی جلوس نکالا۔ جس کے نتیجے میں اسلامیہ کالج بند کر لیا گیا۔ اور کالج کی عمارت میں نیم فوجی دستے بٹھا دیئے گئے۔

۸ر دسمبر ۸۹ء کو کشمیر میں ایک زبردست سیاسی دھماکہ ہوا جب برنٹین فرنٹ نے ہندوستان کے نئے کشمیری وزیر داخلہ مفتی محمد سعید کی بیٹی ڈاکٹر روبیعہ سعید کو یرغمالی بنالیا، روبیعہ سعید ایک میٹاڈار گاڑی میں صدر ہسپتال سری نگر سے اپنے گھر نوگام جا رہی تھی کہ گاڑی ہائی جیک کرلی گئی۔ اور گاڑی میں سوار گیارہ افراد کو چھوڑ دیا گیا۔ جب کہ روبیعہ سعید کو حفاظت کے ساتھ ایک گاڑی میں بٹھا کر ان تین خواتین کی تحویل میں دے دیا گیا جو رواں تحریک میں خفیہ طور پر سرگرم تھیں اور جن میں بٹہ مالو کے غلام محمد بخشی کی صاحبزادی بھی شامل تھی جس کا بھائی شکیل احمد بخشی اسلامک سٹوڈنٹس لیگ کے قائد کی حیثیت سے بھارت مخالف مہم چلا رہا تھا۔

برنٹین فرنٹ نے روبیعہ سعید کے بدلے شیخ عبدالحمید سمیت اپنے اُن پانچ ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا جو نظر بند تھے اور جن میں سے عبدالحمید شیخ صورہ ہسپتال میں زیر علاج

کشمیری نوجوان برفانی چوٹیوں سے ہوتے ہوئے سرحد پار
ہتھیاروں کی تربیت حاصل کرنے جاتے ہوئے

تھا۔ حکومت نے لبریشن فرنٹ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور ۱۳ ردسمبر ۸۹ء کو لبریشن فرنٹ کے شیخ عبدالحمید، اور اُن کے دوسرے چار ساتھی غیر مشروط طور پر رہا کر دیئے گئے، جس کے تبادلے میں ڈاکٹر روبیعہ حکام کے حوالے کر دی گئی۔ اس واردات کے فوراً بعد نئی دہلی میں سراغ رساں ایجنسیوں اور سکیورٹی انتظامات کرنے والوں نے ہندوستان کے وزیر اعظم وشوا ناتھ پرتاپ سنگھ کو اپنی قیام گاہ فوری طور پر تبدیل کرنے کا مشورہ دیا۔ کیوں کہ ان کو خطرہ تھا کہ ہندوستان کے وزیر اعظم کے گھرانے کے ساتھ بھی روبیعہ سعید جیسا معاملہ پیش آسکتا ہے۔

کشمیر میں حالات برابر دگرگوں ہو رہے تھے۔ بندوق بردار کشمیری نوجوانوں کے ساتھ جگہ جگہ تصادم، نیم فوجی دستوں کی جبر و زیادتیاں، چھاپے گھر گھر تلاشیاں، بڑے پیمانے پر گرفتاریاں اور بار بار کرفیو کے نفاذ سے پوری زندگی درہم برہم ہو کر رہ گئی تھی۔ چنانچہ ہندوستان کے نئے وزیر داخلہ مفتی محمد سعید نے مداخلت بے جا کرتے ہوئے کشمیر کے ڈائریکٹر جنرل پولیس غلام جیلانی پنڈت کو اُن کے عہدے سے ہٹا دیا۔ کیوں کہ ان کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا۔ کہ وہ کشمیری مسلمانوں کے ہمدرد ہیں۔ ان کی جگہ نئی دہلی سے جی۔ این سکسینہ جو آئی اجی تھے کشمیر کا ڈائریکٹر جنرل پولیس بنایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی بھاری تعداد میں بارڈر سکیورٹی فورس کشمیر بھیجی گئی اور اُسے شہری علاقوں میں متعین کر دیا گیا۔

کشمیر میں زندگی نئے مرحلوں میں داخل ہو چکی تھی۔ شراب کی تمام دکانیں، سینما گھر اور مختلف علاقوں میں ویڈیو ہال، اللہ ٹائیگرز نامی عسکری تنظیم کی جدوجہد کے نتیجے میں بند ہو گئے تھے۔ اور سری نگر، اسلام آباد، سوپور، اور دوسرے علاقوں میں ہر روز بم دھماکے ہو رہے تھے جن میں سرکاری عمارتوں کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہتھیار بند کشمیری نوجوان کی تنظیم "حزب المجاہدین" ایک دھماکہ خیز انداز میں جدوجہد کے میدان میں کود گئی۔ اور کپواڑہ اور کچھ دوسرے علاقوں میں اُن کے اور فورسز کے درمیان جھڑپوں کی اطلاعات موصول ہونے لگیں۔

وادی میں قائم کی گئی دوسری تنظیموں نے بھی اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ ان میں خواتین

کشمیر کے پازی پورہ علاقے میں کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں پر فوج کی اندھا دھند فائرنگ سے آن کی آن میں ۲۴ افراد ہلاک ہو گئے

کی تنظیم دخترانِ ملت، حزب اسلامی، مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، اسلامک سٹوڈنٹس لیگ اسلامی انقلابی آرگنائزیشن شباب المسلمین وغیرہ نے اخباری بیانات جاری کرنے شروع کر دیئے۔ اور دخترانِ ملت کی خواتین کے لیے پردہ مہم کو حمایت دی گئی اور پھر روزانہ ایک کے بعد دوسری تنظیم قائم کرنے کا عمل فروغ پانے لگا۔ اشتاق احمد زرگر نے جو جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے ایک ایریا کمانڈر کی حیثیت میں متعارف ہو چکا تھا۔ "العمر مجاہدین" کے نام سے اپنی الگ تنظیم قائم کر لی۔ ۵ جنوری ۱۹۹۰ء کو تمام عسکری تنظیموں نے "یوم حق خود ارادیت" منانے کا اعلان کر دیا تو ۴ جنوری ۱۹۹۰ء شام کو ہی حکومت نے ساری وادی میں غیر معینہ عرصے کے لیے کرفیو نافذ کر دیا۔ سرینگر اور قصبہ جات میں سرکاری فورسز پر حملے ہوئے۔ زبردست بم دھماکے ہوئے۔ پولیس فائرنگ سے کچھ لوگ ہلاک اور کچھ زخمی ہوئے۔ سوپور فوج کے حوالے کر دیا گیا۔

سرینگر میں صفا کدل، صورہ اور قلمدان پورہ علاقوں میں کشمیری ہتھیار بند نوجوان اور فورسز کے درمیان گولیوں کے تبادلے ہوئے۔ اسی روز نیو پارک میں اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر کے سامنے کشمیریوں نے مظاہرے کئے اور کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ سری نگر کے بٹہ مالو علاقے میں پولیس فائرنگ سے تین افراد ہلاک ہو گئے۔ اور جب خانیار میں حزب المجاہدین کے ایک سرکردہ رکن شفاعت احمد کو فورسز نے گرفتار کیا تو ۸ جنوری ۱۹۹۰ء کو سری نگر میں بطور احتجاج ہڑتال کی گئی۔

جب قصبہ جات میں بھی لوگوں نے مظاہرے شروع کر دیئے تو سوپور، بارہمولہ، اسلام آباد میں دوبارہ کرفیو نافذ کیا گیا۔ اور اسلام آباد بھی فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ اور جب سرینگر میں بھی صورت حال دھماکہ خیز ہو گئی تو کرفیو نافذ کرنے کے ساتھ ہی فوج طلب کر لی گئی۔ تشدد کے واقعات میں آٹھ افراد ہلاک ہوئے۔ جس پر میر واعظ مولوی فاروق اور دوسرے عوامی لیڈروں نے زبردست احتجاج کیا اور انکشاف کیا کہ ہلاک ہونے والے نیم فوجی دستوں کی فائرنگ میں مارے گئے۔

سری نگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں کرفیو کے نفاذ کے باوجود فائرنگ، جوابی فائرنگ بم دھماکے ہو رہے تھے۔ اور نیم فوجی دستوں نے کئی جگہ اندھا دھند فائرنگ کر کے مزید ۲۱ سے زیادہ افراد کو ہلاک کر دیا۔ گر اس فائرنگ کے دوران نیم فوجی دستوں کے کئی جوان بھی مارے گئے اور امن و قانون کی ساری مشینری ناکارہ ہو کر رہ گئی۔ ہتھیار بند نوجوانوں کو کشمیری عوام کی مکمل اور وسیع تر حمایت حاصل ہو جانے کی بنا پر ان کے سامنے فوج، نیم فوجی دستے پولیس اور سرکاری مشینری بے بس ہو کر رہ گئے۔ اور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی سرگرمیوں کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہو گیا۔ جس کی طرف پاکستان نے فوری طور اقوام متحدہ کی توجہ مبذول کروائی۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے ایک ترجمان نے کشمیر کی صورتِ حال پر تشویش کا اظہار کیا اور بتایا کہ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کشمیر کے حالات کا بغور مطالعہ کر رہے ہیں اور اس تنازعے کو طے کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔ جس کے اگلے دن سٹوڈنٹس لبریشن فرنٹ نامی تنظیم نے سری نگر میں اقوام متحدہ کے دفتر پر مظاہرہ کرنے کی کوشش کی، پولیس نے طاقت استعمال کر کے ناکام بنا دیا۔

پھر ۱۳ جنوری ۹۰ء کو محاذ آزادی کے لیڈر اعظم انقلابی نے اوپریشن بالاکوٹ کے عسکری شعبے کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اور دوسری عسکری پارٹیوں کو "مجاہدین بالاکوٹ" میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ عسکری شعبے کے لیے غازی صلاح الدین کو سربراہ بنایا گیا۔ عسکری تنظیموں نے سرکاری فورسز کے ساتھ ساتھ برسرِ اقتدار نیشنل کانفرنس اور کانگریس کے لیڈروں کے خلاف بھی کارروائیوں کو مزید تیز کر دیا۔ نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکریٹری شیخ نذیر احمد کا آلسی بیٹنگ کے قریب مکان نذرِ آتش کر دیا گیا۔ گوجر لیڈر میاں بشیر کا صورہ میں مکان بم دھماکے سے تباہ کر دیا گیا۔ سوپور سینٹرل بینک کی عمارت دھماکے سے اڑا دی گئی۔

مسلسل کرفیو کے نفاذ کی وجہ سے جب سرینگر میں غلے اور ضروری چیزوں کا قحط پیدا ہو گیا تو دیہاتی آبادی نے باہمی محبت اور اخوت کے جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے غذائی اجناس اور سبزیوں سے بھرے درجنوں ٹرک سری نگر پہنچا دیئے اور لوگوں میں یہ سب

کچھ مفت تقسیم کیا گیا۔ اس کے بعد ضرورتمندوں میں ریلیف تقسیم کرنے کا رضاکارانہ کام ساری وادی میں پھیل گیا۔

سری نگر کے علاقے بٹہ مالو میں مشتاق الاسلام نامی ایک نوجوان نے جس نے حزب اللہ نام کی عسکری تنظیم قائم کی تھی فورسز کی جبروزیادتیوں کے خلاف موثر اقدامات کا اعلان کر دیا۔ دریں اثنائی دہلی سرکار نے ریٹائیرڈ جنرل کے، وی کرشنا راؤ کو گورنر کشمیر کے عہدے سے سبکدوش کر کے دوبارہ جگموہن کو کشمیر کا گورنر مقرر کر دیا۔ حالاں کہ یہ بات عیاں تھی کہ کشمیر کے لوگ جگموہن جیسے شخص کو گورنر کے عہدے پر فائز کرنے کے خلاف شدید رد عمل کا اظہار کریں گے لیکن بھارتیہ جنتا پارٹی چونکہ جگموہن کو ہی گورنر کشمیر بنانے کی خواہاں تھی اور وزیر داخلہ کشمیر کے مفتی محمد سعید بھارتیہ جنتا پارٹی کی خوشنودی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ سے بھی سیاسی انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس لیے جگموہن جیسے کٹر ہندو، فرقہ پرست مسلمان دشمن کو گورنر بنا کر کشمیر بھیجا گیا۔

بعد میں پے در پے مسلم کش اقدامات کے بعد جب جگموہن کو گورنر کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ تو جگموہن نے باقاعدہ طور پر ہندوؤں کی بھارتیہ جنتا پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی جس نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ جگموہن عرصہ دراز سے آر، ایس، ایس کا رکن رہا ہو گا۔ اور وہ خفیہ طور پر بھارتیہ جنتا پارٹی کے ساتھ وابستہ تھا۔

چنانچہ وزیر اعلیٰ ڈاکٹر فاروق عبداللہ جو موقعے کی تاک میں تھے۔ جگموہن کے گورنر کے عہدے پر فائز ہوتے ہی مستعفی ہو گئے۔ جگموہن نے اُن کا استعفیٰ منظور کر لیا۔ کشمیر میں گورنر راج نافذ کر دیا۔ ریاستی اسمبلی معطل کر دی گئی۔ اور جگموہن نے تمام اختیارات سنبھال لیے۔ اسی روز یعنی ۲۰ جنوری ۱۹۹۰ء کو سری نگر اور قصبہ جات میں بہت سے علاقے فورسز کو محاصرے میں لینے کا حکم دیا گیا۔ اور پھر رات کے اندھیرے میں چھاپے مارنے اور تلاشیاں لینے کی کارروائیاں کی گئیں۔ اس پر وادی کے طول و عرض میں غم و غصّے کی لہر دوڑ گئی اور تقریباً ساری شہری آبادی احتجاج کرنے سڑکوں پر نکل آئی۔ مظاہرین کو منتشر

کرنے کے لیے سری نگر اور دوسرے مقامات پر بار بار گولی چلائی گئی۔ جس سے درجنوں افراد زخمی ہو گئے۔ ہلاک ہونے والوں کی تعداد بھی نصف درجن بتائی گئی۔

نئے گورنر نے ساری وادی میں غیر معیّنہ عرصے کا کرفیو نافذ کر دیا۔ لیکن کشمیری عوام نے کرفیو کا نفاذ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اتوار ۲۱ فروری ۹۰ء کو ریڈیو پر وادی میں کرفیو نافذ کیے جانے کے اعلان کے ساتھ ہی بہت سے علاقوں میں نیم فوجی دستوں نے شہریوں کے گھروں میں زبردستی گھس کر تلاشیاں لینا شروع کر دیں۔ جس پر سری نگر کی تقریباً ساری آبادی گھروں سے نکل پڑی، بہت سے لوگ مسجدوں میں جمع ہو گئے اور احتجاجی نعرے بلند کیے گئے۔ سری نگر کے بٹہ مالو، برزلہ، رام باغ، جواہر نگر، چھانہ پورہ، وغیرہ اور دوسرے علاقوں سے کرفیو کی خلاف ورزی کرتے ہوئے۔ احتجاجی جلوس نکالے گئے۔ جن میں ہجوم در ہجوم لوگ نظر آ رہے تھے۔ اِن پُر امن احتجاجی مظاہروں پر اندھا دھند فائرنگ کی گئی۔ عوام کا ایک بہت بڑا احتجاجی جلوس سری نگر کے مرکزی علاقے لال چوک اور بڈشاہ چوک سے ہوتا ہوا ڈاؤن ٹاؤن کی طرف چل پڑا۔ نوگاؤ کدل کے قریب فوج نے اس جلوس پر اِس جلوس کے آگے اور جلوس کے پیچھے سے بے تحاشا گولیاں برسائیں۔ جس سے لاتعداد لوگ زخمی ہو کر سڑک پر تڑپنے لگے اور گولیوں کی سنسناہٹ کے دوران لوگ لاشوں اور زخمیوں کو اٹھا کر مسجدوں میں لے گئے۔

ایک غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کے مطابق اس سانحہ میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی۔ پچاس سے زیادہ زخمی ہسپتالوں میں پہنچائے گئے۔ اور پانچ سو سے زیادہ لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ سری نگر میں گاؤ کدل کے علاوہ سونہ وار، لال بازار، ڈل گیٹ حول اور دوسرے کئی علاقوں میں احتجاجی جلوسوں پر فائرنگ کی گئی۔ نشاط باغ، گلاب باغ، تیل بل، حضرت بل، ناگ بل، اور گاندر بل کی ساری آبادی جلوس کی شکل میں احتجاج کرتے ہوئے جب مختلف علاقوں سے اندرون سرینگر داخل ہوئی تو اُن پر بھی فائرنگ کی گئی۔ جس میں درجنوں لوگ بھگدڑ سے کچلے گئے اور

گولیوں سے چار افراد ہلاک ہو گئے۔ اس کے بعد سری نگر میں تلاشیوں اور گرفتاریوں کے خوف سے ہر شام شہری آبادی گھروں سے نکل کر مسجدوں میں جمع ہو جاتی تھی۔ اور تقریباً ہر مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے احتجاجی نعرے بلند کئے جاتے تھے۔ سری نگر فوج کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اور جب بھی کرفیو میں گھنٹے یا دو گھنٹے کی ڈھیل دی جاتی تھی۔ لوگ سودا سلف اور ضروری چیزیں خریدنے کے بجائے احتجاجی مظاہرے کرتے تھے۔

گورنر جگموہن حالات کے مقابلے میں بے بس ہو کر رہ گیا۔ اس نے آٹھ تنظیموں حزب المجاہدین، لبریشن فرنٹ، پیپلز لیگ، تحریک حریت کشمیر، دختران ملت، اسلامک سٹوڈنٹس لیگ، جمعیت طلباء اور جماعت اسلامی پر پابندی عائد کر دی۔ اس نے جب اپنے مشیروں کی تقرری عمل میں لائی۔ تو ان میں کشمیر کے ایک سابق ڈائریکٹر جنرل پولیس پیر غلام حسن شاہ کا نام بھی شامل تھا لیکن پیر غلام حسن شاہ نے اس تقرری کو مسترد کر دیا۔ اور خود کو عوام سے وابستہ رکھا حالات کو دیکھتے ہوئے لبریشن فرنٹ نے عوام سے اپیل کی کہ وہ حکومت کے ساتھ بالکل کوئی تعاون نہ کریں۔ ساری وادی احتجاجی مظاہروں کی لپیٹ میں آ چکی تھی۔ فرنٹ نے جوابی کارروائی کے طور پر سری نگر کے راولپورہ علاقے میں انڈین ایئر فورس کے اہلکاروں پر فائرنگ کر کے ان میں سے چار کو ہلاک اور تقریباً ایک درجن کو شدید زخمی کر دیا۔

سری نگر کیساتھ وادی کے تمام علاقوں میں عوام کے زبردست احتجاجی مظاہروں اور ۲۶ جنوری ہندوستان کے یوم جمہوریہ کو یوم ماتم کے طور پر منانے کے اعلانات کے پیش نظر ساری وادی میں غیر معینہ عرصے کا کرفیو نافذ کر دیا گیا اور سری نگر اور وادی کے تمام قصبوں میں بھاری تعداد میں فوج اور نیم فوجی دستے متعین کر دیئے گئے۔ باہر سے مزید کمانڈو دستے بھی منگوائے گئے۔ اور فوج کا ایک ڈویژن بھی کشمیر پہنچا دیا گیا۔ سری نگر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے صحافیوں اور سرکاری ملازمین کو جو کرفیو پاس جاری کئے تھے۔ فوجی اور نیم فوجی دستوں نے ان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے پورے بارہ دن تک سری نگر سے کوئی اخبار شائع نہ ہو سکا۔ اسی صورت حال پر پاکستان نے عالمی سطح پر آواز بلند کی۔

اور اعلان کر دیا کہ وہ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل میں لے جا رہا ہے۔

ریڈیو کشمیر سری نگر اور مقامی ٹیلی ویژن سٹیشن سے واقعات اور حالات کی صحیح طور پر عکاسی نہ کرنے کی پاداش میں ٹیلی ویژن سٹیشن کا ڈائریکٹر لسہ کول قتل کر دیا گیا۔ اُسے بمنہ میں اسکے گھر کے قریب بعض نامعلوم افراد نے گولی مار دی۔ کرفیو کی سخت ترین پابندیوں کے دوران آزادی کی جد و جہد کے لیے بھرپور حمایت کرنے والے ایک دیندار اور مشہور و معروف تاجر حاجی محمد جمال ۲۹ جنوری ۱۹۹۰ء کو جب صورہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں رحلت کر گئے تو سری نگر کے تمام تاجر حلقوں نے اس پر دکھ اور افسوس کا اظہار کیا۔ ۱۴ فروری ۱۹۹۰ء کو دختران ملت نامی تنظیم کے اہتمام سے سری نگر میں خواتین کا پہلا زبردست مظاہرہ ہوا اور ہزاروں کی تعداد میں خواتین اور طالبات نے اقوام متحدہ کے مبصرین کے ہیڈ کوارٹر سونہ وار جا کر احتجاجی میمورنڈم پیش کیا۔

سری نگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں مسلسل بم دھماکے اور ہتھیار بند کشمیری نوجوان اور سرکاری فورسز کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ وقفے وقفے سے کرفیو کا نفاذ بھی جاری تھا۔ احتجاج کے طور پر ہڑتالیں بھی ہو رہی تھیں اور بڑی تعداد میں لوگ جلوس کی صورت میں اقوام متحدہ کے مبصرین سے ملنے اور احتجاج کرنے جا رہے تھے۔ سوپورہ، بارہمولہ، ہندوارہ، بانڈی پورہ، اسلام آباد اور دوسرے قصبوں میں احتجاجی مظاہرے جاری ہیں۔ سری نگر میں ۱۶ فروری ۱۹۹۰ء کو جب ایک بہت بڑا احتجاجی جلوس اقوام متحدہ کے مبصرین سے ملنے کے لئے جا رہا تھا۔ تو خانیار میں اس جلوس پر جس میں زیادہ تر خواتین شامل تھیں گولی چلا دی گئی۔ چھوٹہ بازار میں بھی ایک احتجاجی جلوس پر گولی چلا دی گئی۔ نزالڈگر اور رعناواری میں بھی احتجاجی جلوس پر گولی چلا دی گئی۔ جس میں کئی افراد ہلاک ہو گئے اور درجنوں زخمی افراد ہسپتالوں میں پہنچائے گئے۔ جس کے خلاف زبردست عوامی مظاہرے ہوئے۔ جن پر قابو پانے کے لیے فوج طلب کی گئی اور کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ لیکن کرفیو کی خلاف ورزی کرتے ہوئے احتجاجی مظاہرے کئے گئے۔

سری نگر کے علاوہ سوپور اور دوسرے قصبوں میں مسلسل احتجاجی ہڑتال کی جا رہی ہے۔

سرکاری عمارتیں اور سکول نذرِ آتش کیے جا رہے ہیں۔ اور عوام کے ساتھ ساتھ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کا دباؤ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ نیم فوجی دستوں کی فائرنگ سے ہلاک ہونیوالی خانیار کی ایک خاتون دِلشادہ کے جلوسِ جنازہ میں جب ہزاروں لوگ شریک ہوئے۔ تو فورسز نے ان پر بھی تشدد ڈھایا۔

۲۰ر فروری ۹۰ء کو کشمیر کے وکیلوں، دانشوروں اور ادیبوں نے شہر میں پُر امن احتجاجی مارچ کیا اور اقوامِ متحدہ کے مبصرین کو میمورنڈم پیش کیا گیا ۲۲ر فروری ۹۰ء کو صبح کے وقت کرفیو میں جب چند گھنٹے کی ڈھیل دی گئی تو سڑکوں اور شاہراہوں پر لاکھوں لوگ آ گئے اور مختلف اطراف سے پُر امن احتجاجی مارچ کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے مبصرین سے ملے اور ان کو میمورنڈم پیش کیا۔ جس میں آزادی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ۲۳ر فروری ۹۰ء کو دوبارہ لاکھوں لوگ جن کے ساتھ لبریشن فرنٹ، حزب المجاہدین، سٹوڈنٹس لبریشن فرنٹ، حزب اللہ، العمر مجاہدین، اور ٹاسک فورس حزب اسلامی، دختران ملت، اور جنگجو تنظیموں کے اراکین بھی شامل تھے۔ سرینگر کی شاہراہوں پر احتجاجی امن مارچ کرتے ہوئے اقوامِ متحدہ کے مبصرین کے پاس گئے اور میمورنڈم پیش کیا۔ اس دوران درجنوں بم دھماکے بھی ہوئے اور فورسز پر حملے بھی کیئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ کشمیر میں تنظیم سازی کا کام بھی جاری رکھا گیا اور کئی نئی تنظیمیں جن میں اخوان المسلمین اور مسلم خواتین مرکز نام کی تنظیم بھی شامل تھی وجود میں آ گئی اور پھر پہلی بار حزب المجاہدین کے نقاب پوش اور ہتھیار بند نوجوانوں نے حضرت بل میں عوام کے سامنے آ کر جد و جہد کو مستحکم کرنے کی اپیل کی۔ اس کے اگلے دن ۲۴ر فروری ۹۰ء کو سینکڑوں لوگ کفن پہن کر سری نگر کی شاہراہوں پر اُمڈ آئے۔ اور لاکھوں لوگ گاڑیوں میں سوار ہو کر ایک جلوس کی شکل میں چرارِ شریف کی طرف چل دیئے۔ ہتھیار بند نوجوانوں کی مختلف تنظیموں کی اپیل پر اس تاریخی جلوس سے فوج اور گورنر سخت گھبرا گئے۔

۲۷ر فروری ۹۰ء کو بھی عسکری تنظیموں کی اپیل پر بٹہ مالو اور سری نگر کے نچلے علاقوں سے بڑے بڑے احتجاجی جلوس نکالے گئے۔ ۲ر مارچ ۹۰ء کو زکورہ کے قریب ایک بہت بڑے

احتجاجی جلوس پر فوج نے گولی چلا دی جس میں ۲۶ سے زیادہ افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہو گئے۔ اسی دن سٹوڈنٹس لبریشن فرنٹ کے اہتمام سے عیدگاہ سرینگر سے ایک بے مثال اور تاریخی احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ جس نے سری نگر کی تمام اہم شاہراہوں پر مارچ کرتے ہوئے سونہ وار جا کر اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین کو میمورنڈم پیش کیا۔

اسی دوران جب ۸ر مارچ ۹۰ء کو ہندوستان کا ایک آل پارٹی پارلیمانی ڈیلی گیشن کشمیر کے حالات کا جائزہ لینے سری نگر آیا۔ تو ان کی آمد پر سرینگر کا پورا شہر احتجاجی اور اپنے مطالبے کے حق میں نعروں سے گونج اٹھا۔ اس ڈیلی گیشن کی واپسی پر ہندوستان کے وزیر اعظم وشوا ناتھ پرتاپ سنگھ نے اپنی کابینہ کے ایک وزیر جارج فرنانڈیز کو امورِ کشمیر کا محکمہ سپرد کیا۔ جس سے یہ تاثر دیا گیا۔ کہ حکومت کو گورنر جگموہن اور وزیر داخلہ مفتی محمد سعید کی غلط کاریوں اور غلط پالیسیوں کے نتائج محسوس ہونے لگے ہیں۔

۱۳ر اور ۱۴ر مارچ کو درمیانی رات شیخ محمد عبداللہ کا صورہ میں آبائی مکان نذرِ آتش کر دیا گیا۔ جسے حکومت نے ایک قومی یادگار قرار دے رکھا تھا۔ لبریشن فرنٹ نے اس مکان کو نذرِ آتش کیا۔ سری نگر اور وادی کے اہم قصبوں میں رہنے والی آبادی خوف و دہشت کی وجہ سے گنجان آباد علاقوں سے نکل کر محفوظ علاقوں کو ہجرت کرنے لگی۔ جب العمر مجاہدین نامی ایک عسکری تنظیم نے لال بازار کے فورسز کیمپ پر گولی چلائی تو اس کے جواب میں سکیورٹی فورسز نے اس پورے علاقے کو محاصرے میں لے لیا۔ اور ایسے مظالم ڈھائے کہ وہاں کی خوفزدہ آبادی اپنے آبائی مکان چھوڑ گئی۔ اور صدرہ بل میں کھلے آسمان تلے جا بیٹھی۔ سری نگر اور قصبہ جات میں بار بار اور مسلسل کرفیو کا نفاذ ایک معمول بنا لیا گیا اور بعض سرکاری حلقوں نے انکشاف کیا۔ کہ حکومت پورے سری نگر کو محاصرے میں لینے کے بعد تلاشیوں اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے کا منصوبہ رکھتی ہے۔ جس پر عملدرآمد کے پیشِ نظر گورنر جگموہن نے کشمیری پنڈتوں اور ہندو سِول آبادی کو وادی سے نکال لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ کشمیری پنڈتوں کو سرکاری ٹرانسپورٹ فراہم کر دیا گیا۔

وادی سے کشمیری پنڈتوں کا انخلاء

گورنر جگموہن نے اپنی فرقہ وارانہ سوچ کے مطابق کشمیری پنڈتوں کو وادی سے نکال کر جموں پہنچا دینے کا جو منصوبہ بنایا، اس کا مقصد کشمیریوں کی اس جدوجہد کو فرقہ وارانہ نوعیت کی جتلانا تھا جو آزادی کیلئے کی جارہی تھی اور جو نہ پہلے کبھی فرقہ وارانہ نوعیت کی تھی اور نہ اُس وقت جب کشمیری پنڈتوں کو وادی سے نکالنے کے منصوبے پر عملدرآمد شروع کیا گیا۔ وادی میں کسی بھی جانب سے انفرادی یا اجتماعی طور پر کشمیری پنڈتوں کے خلاف کوئی بھی اقدام نہیں کیا گیا۔ تب تک صرف دو ایسی وارداتیں ہوئی تھیں، ایک نیشنل کانفرنس کے بلاک پریذیڈنٹ محمد یوسف حلوائی کے قتل کی اور دوسری بھارتیہ جنتا پارٹی کے مقامی صدر ٹیکا لال ٹپلو کے قتل کی، دونوں کے خلاف یہ تاثر عام تھا کہ وہ اعلانیہ جدوجہد آزادی کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور قتل کی ان وارداتوں کو کسی فرقے کے خلاف کارروائی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جس کا خود کشمیری پنڈتوں کے بعض لیڈروں نے بھی اعتراف کیا۔ البتہ گورنر جگموہن نے کشمیری پنڈتوں کو ورغلانے کیلئے ان میں یہ خیال بڑی تیزی کے ساتھ پھیلا دیا کہ کشمیری پنڈتوں کو یہاں سے نکال لینے کے فوراً بعد فوج سرینگر میں کریک ڈاؤن اور شہر کی ناکہ بندی کر کے بلا امتیاز لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دے گی، تاکہ اس مسلح بغاوت کا خاتمہ کر دے جس پر قابو پانا حکومت کے لئے ناممکن ہو گیا تھا۔ کشمیری پنڈتوں کے زیادہ تر گھرانے کرفیو کے نفاذ اور رات کے اندھیرے میں اپنے گھروں سے نکال کر گاڑیوں میں سوار کئے گئے، وہ لوگ کسی خوف میں مبتلا نہیں تھے جس کا یہ واضح ثبوت ہے کہ بہت سے کشمیری پنڈتوں نے اپنے گھروں کی چابیاں اپنے ہمسایہ مسلمانوں کے حوالے کر کے اُن سے کہا کہ وہ اُن کے گھروں کی حفاظت کریں گے اور کشمیری مسلمانوں نے یقین دلایا اور اُن سے کہا کہ وہ اِن کے گھروں کی حفاظت کریں گے اور کشمیری مُسلمانوں نے اُن کے اس اعتماد پر کوئی آنچ نہیں آنے دی یہی وجہ تھی کہ

بہت سے کشمیری پنڈت جموں سے سرینگر آکر بار بار اپنے علاقوں میں جانے اور اپنے گھروں وغیرہ کے محفوظ رہنے کا یقین کر لیتے ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ درجنوں کشمیر پنڈت گھرانے گورنر جگموہن کی ترغیب وتحریک اور یقین دہانیوں کے باوجود کشمیر ہی میں رہے۔ ان میں سے جو گھرانے بہکاوے میں آکر جموں اور دوسرے علاقوں میں گئے وہ برابر اپنے کئے پر پچھتاتے رہے اور ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جو اعلانیہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کشمیری پنڈتوں کو کشمیری مسلمانوں نے وادی سے نہیں نکالا، بلکہ گورنر جگموہن اور اس کے ماتحتوں نے ہی اُن کو وادی سے نکالا اور جس مقصد کی خاطر ان کو وادی سے نکالا گیا اس میں گورنر جگموہن کو بالکل کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ کشمیری پنڈت بلاوجہ مصیبتوں میں مُبتلا ہو گئے اور وہ اجتماعی طور وادی میں واپس آنے کے قابل بھی نہیں رہے۔ اُن کو بھی یہ معلوم ہے کہ وادی کے مختلف علاقوں، سرکاری دفتروں اور کاروباری مرکزوں میں کشمیری پنڈت بڑے اطمینان کے ساتھ اپنا کام کاج کر رہے ہیں، بہت سے کشمیری پنڈت برابر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور وادی میں رہنے والے کشمیری پنڈت پوری آزادی کے ساتھ گھومتے پھرتے ہیں اور ان کو کوئی خوف وغیرہ لاحق نہیں۔ دیہات میں کشمیری پنڈتوں کی ایک بڑی تعداد اپنے آبائی مکانوں میں رہ رہی ہے، اُن کے کھیت اور کھلیان محفوظ ہیں اور اُن کو اپنے میوہ باغات سے پہلے ہی کی طرح آمدن ہوتی ہے۔ وہ جہاں جہاں بھی ہیں کشمیری مُسلمان اُن سے مِل جُل کر رہتے ہیں، اُن کی شادی اور غم میں برابر شریک ہوتے ہیں اور اگر کسی جگہ کسی کشمیری پنڈت گھرانے کو اپنی حفاظت کی کوئی فکر لاحق ہوتی ہے تو کشمیری مُسلمان ان کو ہر قیمت پر تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

اشفاق مجیدؒ وانی کی شہادت

پے در پے بم دھماکے اور کشمیری ہتھیار بند نوجوانوں اور سرکاری فورسز کے درمیان تقریباً ہر علاقے میں جھڑپیں ہو رہی ہیں۔ غیر ملکی صحافیوں کے کشمیر میں داخلے پر پابندی عائد کردی گئی۔ وادی کے مختلف علاقوں میں نت نئی عسکری تنظیموں کا وجود عمل میں آتا رہا۔ اسی دوران حزب المجاہدین نے تسجن کے ایک سابق ممبر اسمبلی میر مصطفےٰ کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ اس واردات کے خلاف لبریشن فرنٹ نے شدید ردِعمل کا اظہار کیا اور بتایا کہ میر مصطفےٰ فرنٹ کی حمایت کرتا تھا۔ نیشنل کانفرنس کے کچھ سابق ممبران اسمبلی کو بھی ہلاک کردیا گیا۔ مُخبری اور بھارت نوازی کے الزامات میں کئی دوسرے لوگ بھی ہلاک کیے جانے لگے۔

سری نگر سنٹرل جیل سے بارہ نوجوان ۲۷ اور ۲۸ مارچ ۹۰ء کی درمیانی شب فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ اور لبریشن فرنٹ نے اعلان کیا کہ انھوں نے جیل سے اپنے بارہ ساتھیوں کو نکال کر لے جانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ جب کبھی اور جس جگہ سرکاری فورسز پر ہتھیار بند کشمیری نوجوان حملہ کرتے تھے۔ وہاں سرکاری فورسز عام شہریوں پر اندھا دھند فائرنگ کرکے اس میں ہلاک ہونے والوں کو کراس فائرنگ میں مارے جانے سے تعبیر کرتی تھیں۔ اس طرح کی فائرنگ میں درجنوں شہری ہلاک ہوجاتے تھے۔

۳۰ مارچ ۹۰ء کو جب لبریشن فرنٹ کے سربراہ اشفاق مجید وانی سرکاری فورسز کے ساتھ ایک معرکہ آرائی میں جان بحق ہوگئے۔ تو اس پر سری نگر میں زبردست غم و غصہ پھیل گیا اور سری نگر فوج کے حوالے کردیا گیا۔ لیکن فوج کے کڑے پہرے اور کرفیو کی سخت ترین پابندیوں کے باوجود اشفاق مجید کے جلوس جنازہ میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے اور قصبہ جات میں بھی انکی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔

میرواعظ مولانا فاروقؒ کا قتل

کرفیو میں چند گھنٹے کی ڈھیل کے دوران سرینگر کے مختلف علاقوں میں ہزارہا لوگ سڑکوں پر آگئے اور سرکاری فورسز کی جبروزیادتیوں اور ہلاکتوں کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ اشفاق مجید وانی کی رسم فاتحہ خوانی پر بھی پابندی لگادی گئی۔ اور عیدگاہ کے مزارِ شہدا پر فوج بٹھادی گئی۔ البتہ ۱۳ اپریل ۹۰ء کو جب سری نگر میں کرفیو میں ڈھیل دی گئی۔ تو ہزارہا لوگ عیدگاہ کے مزارِ شہدا پر پہنچ گئے۔ جن میں ہتھیار بند نوجوان اور ان کے لیڈر بھی شامل تھے۔

اشفاق مجید وانی کی جگہ محمد یاسین ملک کو لبریشن فرنٹ کا سربراہ بنادیا گیا۔ ۶ اپریل ۱۹۹۰ء کو کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر مشیر الحق اُن کے سیکریٹری پروفیسر عبدالغنی زرگر اور ایچ، ایم، ٹی واچ فیکٹری کے جنرل منیجر مسٹر کھیرا کو اس کے سیکیورٹی گارڈ سمیت اغوا کرلیا گیا۔ جس کی سٹوڈنٹس لبریشن فرنٹ نے ذمہ داری قبول کی اور ان تینوں کے بدلے سٹوڈنٹس لبریشن فرنٹ کے تین نظر بندوں کو رہا کرنے کا مطالبہ کیا۔ کشمیری بندوق بردار نوجوانوں کی طرف سے بعض شہریوں کو ہلاک کرنے کی کارروائیوں سے عوامی حلقوں میں تشویش پھیلنے لگی۔ جب حکومت نے سٹوڈنٹس لبریشن فرنٹ کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ تو پروفیسر مشیر الحق اُن کے سیکریٹری پروفیسر عبدالغنی زرگر اور ایچ، ایم ٹی، کے منیجر کو ہلاک کرکے اُن کی لاشیں سڑک پر پھینک دی گئیں۔ حالاں کہ حکومت نے ان یرغمالیوں کی رہائی کے لیے سرتوڑ کوشش کی سینکڑوں چھاپے مارے گئے پانچ دن تک کرفیو نافذ رکھا گیا۔ لیکن حکومت کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ حکومت نے جماعت اسلامی کے لیڈر سید علی گیلانی کو گرفتار کرنے کے لیے تقریباً ایک سو مقامات پر چھاپے

مارے اور آخر کار ان کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد پیپلز کانفرنس کے خواجہ عبدالغنی لون مولانا عباس انصاری کو بھی گرفتار کیا گیا۔ سری نگر میں اور کچھ لوگ بھی گرفتار کر لیے گئے۔ جن میں صورہ ہسپتال کا ڈاکٹر محمد افضل وانی بٹہ مالو کے غلام محمد بخشی، اور شیخ عبدالکبیر بھی شامل تھے۔ اسی دوران یہ اطلاعات بھی منظرِ عام پر آتی رہیں کہ جنگجو نوجوان بعض افراد کو ذاتی عناد کی بنا پر ہلاک کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ رفیع آباد اور شوپیاں علاقوں میں بعض افراد کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ کچھ لوگ اغوا کیے گئے۔ ان میں ۶۵ سال کا آرم پورہ سوپور کا حاجی محمد رمضان بھی شامل تھا۔ جسے دو نقاب پوشوں نے اس کے گھر سے اغوا کر لیا۔ بعض عسکری تنظیموں نے بھی ان حالات پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کر دیا۔ کہ کچھ کشمیری بندوق بردار بے گناہ شہریوں پر مخبری کے الزامات عائد کر کے اُن کے اغوا اور قتل میں ملوث ہو رہے ہیں۔

۱۵ اپریل ۱۹۹۰ء کو رات کی تاریکی میں سکیورٹی فورسز نے روزنامہ آفتاب کے دفتر پر یلغار کر دی۔ دفتر کے چوکیدار کو جو نصف شب سو رہا تھا گرفتار کر لیا گیا۔ اخبار کا دفتر اور اس کا چھاپہ خانہ سربمہر کر دیئے گئے اور اخبار کے خلاف انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت مقدمے رجسٹر کر لئے گئے۔ اس ساری کارروائی کو کشمیر کے ایک ممتاز وکیل بشیر احمد بشیر ایڈووکیٹ نے عدالت عالیہ میں چیلنج کیا عدالت عالیہ کے جج جناب جسٹس رضوی نے حکومت کی کارروائی کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے کالعدم قرار دے دیا۔ اور سرکار کے خلاف نوٹس جاری کر دیئے۔

سرینگر کے دوسرے دو اخبار ''الصفا نیوز'' اور ''وادی کی آواز'' نے بھی ان اخبارات کے خلاف کارروائی کو عدالت میں چیلنج کیا اور عدالت نے ان کے خلاف کی گئی کارروائی کو بھی کالعدم قرار دیا۔ البتہ حکومت کے اس جارحانہ اقدام کے خلاف سارے پریس نے بطور احتجاج ہڑتال کر دی اور تقریباً ۲۵ دن تک سری نگر سے کوئی اخبار شائع نہیں ہوا۔

پھر ۲۱ مئی ۹۰ء صبح تقریباً دس بجے وہ دلدوز سانحہ پیش آیا جس میں بعض بندوق برداروں نے میر واعظ کشمیر مولانا محمد فاروق کی قیام گاہ نگین میں داخل ہو کر اور اُن پر گولیوں کی بوچھاڑ کر کے اُن کو شہید کر دیا۔

جیسا کہ مولانا محمد فاروق کی قیام گاہ پر موجود افراد نے بتایا کہ چار لڑکے جو اُس سے پہلے بھی دو تین بار مولانا فاروق سے ملاقات کرنے آچکے تھے۔ ۲۱ مئی ۹۰ء صبح دس بجے کے فوراً بعد وہاں نمودار ہوئے اور انھوں نے بتایا کہ اُن کو مولانا فاروق نے ملاقات کے لیے وقت دیا ہے۔ چنانچہ جب مولانا فاروق کو یہ بتایا گیا۔ تو انھوں نے مبینہ طور پر لڑکوں کو اندر آنے کی اجازت دینے کے لیے کہا۔ غالباً ان میں سے ایک یا دو نے اپنے کپڑوں کے اندر ہتھیار چھپا رکھے تھے۔ اور وہ جوں ہی مولانا فاروق کے کمرے میں داخل ہوئے اُن پر نزدیک سے گولی چلا دی گئی اور پھر بڑی پھرتی سے چاروں نوجوان کمرے سے باہر آکر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ حکومت نے اگرچہ بعد میں یہ دعویٰ کیا تھا۔ کہ اس نے ان چار نوجوانوں میں سے دو کو گرفتار کر لیا ہے۔ اور اُن سے پوچھ کچھ بھی کی گئی ہے۔ لیکن اس کے سوا حکومت اور کچھ نہیں بتا سکی۔ جس سے دو نوجوانوں کی گرفتاری کا اس کا دعویٰ ناقابل اعتبار ہو کر رہ گیا۔

مولانا فاروق کے قتل کی خبر جنگل کی طرح ساری وادی اور وادی سے باہر پوری دنیا میں پھیل گئی۔

مولانا فاروق کو کچھ لوگ ان کی قیام گاہ سے صورہ ہسپتال لے گئے۔ جہاں ڈاکٹروں نے اُن کی موت کی تصدیق کر دی۔ اسی اثنا میں صورہ ہسپتال کے اندر اور باہر ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔ اور سارا شہر سڑکوں پر امنڈ آیا۔ جب مولانا فاروق کی میت صورہ ہسپتال سے میر واعظ منزل راجوری کدل لے جائی جا رہی تھی۔ اور اس کے ساتھ ماتم کرتے ہوئے لوگ بھی جا رہے تھے۔ تو اسلامیہ کالج کے قریب سرکاری فورسز نے اچانک اور بلاوجہ جنازے کے ماتمی جلوس پر گولی چلا دی۔ سرکاری فورسز کی مسلسل فائرنگ سے تقریباً ایک سو افراد کو گولیاں لگیں جن میں سے ۶۴ خالق حقیقی سے جا ملے۔ سری نگر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ لیکن کرفیو کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کئی لاکھ لوگ راجوری کدل اس کے آس پاس کے علاقوں اور عیدگاہ

میں پہنچے جہاں مولانا فاروق کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور پھر پورے سری نگر میں سکوتِ مرگ طاری ہو گیا۔ البتہ مختلف محلوں اور سینکڑوں گھروں سے رونے اور سینہ کوبی کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ان کی فاتحہ خوانی پر بھی لاکھوں لوگ اُمڈ آئے۔ جس کے چند دن بعد نمازِ جمعہ پر اُن کے فرزند مولوی محمد عمر فاروق کی میر واعظ کی حیثیت میں دستار بندی کی گئی۔

ان واقعات نے نئی دہلی میں بھونچال کی سی کیفیت پیدا کر دی۔ چنانچہ گورنر جگموہن کو برطرف کر دیا گیا اور اس کی جگہ یوپی، کے ایک سابق پولیس آفیسر گریش چندر سکسینہ کو گورنر کا عہدہ سونپا گیا۔ ۲ر جون ۱۹۹۰ء کو ایک فوجی دستے نے کشمیر میں بی، بی، سی کے نمائندے یوسف جمیل کو گرفتار کر کے کسی نامعلوم جگہ پر پہنچا دیا۔ جس پر صحافی حلقوں میں سخت ترین ردِ عمل ہوا۔

ہندوستان کی وزارت دفاع نے یوسف جمیل کو گرفتار کرنے کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جس سے معاملہ مزید پیچیدہ ہو گیا۔ لیکن بعد میں اُوڑی کے قریب رامپور کیمپ میں یوسف جمیل سے دو دن تک پوچھ گچھ کے بعد اُن کو رہا کر دیا اور وہ ایک پرائیویٹ بس میں وہاں سے سرینگر آ گئے۔ ۱۸ر جون ۹۰ء کو ہندوستان کے وزیر داخلہ مفتی محمد سعید کے آبائی گاؤں بیجبہاڑہ میں مفتی سعید کے ماموں کو گولی مار دی گئی۔ اس دوران کشمیر کے جج اور وکیل بھی منظم طور پر ہندوستان کے خلاف احتجاج میں شامل ہو گئے۔

۱۸ر جون ۹۰ء کو حزب المجاہدین کا ڈپٹی چیف کمانڈر محمد عبداللہ بنگرو باغات میں فورسز کے ساتھ ایک تصادم میں جان بحق ہو گیا۔ فوج نے ایک رات اس کی میت بادامی باغ چھاؤنی میں رکھنے کے بعد اس کے لواحقین کے حوالے کر دی۔ ۲۵ر جون ۹۰ء کو وادی شورش زدہ علاقہ قرار دے دی گئی۔ فوج اور نیم فوجی دستوں کو وسیع اختیارات دیئے گئے اور کشمیر میں صورتِ حال اور زیادہ ابتر ہو گئی۔ ۲۶ر جون ۹۰ء کو سریکلچر کے جوائنٹ ڈائریکٹر جے، این، ریتہ کو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے اس کے دفتر میں داخل ہو کر گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اِشبر میں ایک شخص کو پھانسی دی گئی جس کی ذمہ داری

حزب المجاہدین نے قبول کی۔ اور رعناواری میں بھی ایک شخص کو گولی مار دی گئی۔ ۲۸ جون ۱۹۹۰ء کو صفا کدل میں ایک ریٹائرڈ پروفیسر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اُسی دن کپواڑہ میں ایک دیہاتی کی لاش درخت سے لٹکی ہوئی دیکھی گئی۔ جس کا نام محمد امین بتایا گیا۔ اسی شام ایک نوجوان کی لاش دریائے جہلم سے ملی۔ جس کی آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔

۲ جولائی ۱۹۹۰ء کو مزید سات افراد کی گولیوں سے چھلنی لاشیں ملیں۔ ان میں پانپور کے عبدالرزاق نامی شخص کی زندہ شاہ رعناواری میں لاش پائی گئی۔ اسی دن ڈنگی وچھہ سوپور اور بلہت پورہ میں دو نوجوانوں کی لاشیں برآمد ہوئیں۔ جن کو ہلاک کرنے کی ذمہ داری حزب المجاہدین نے قبول کی۔ اسی دن چک کا وسہ میں فورسز کے چار افراد ہلاک کئے گئے۔ جس کی ذمہ داری حزب المجاہدین نے قبول کی۔

۷ جولائی ۹۰ء کو دو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے ٹینگی پورہ کی حلیمہ بانو کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ نشاط، ہارون، اور اسلام آباد میں بھی اسی طرح کی وارداتیں رونما ہوئیں سری نگر کے ڈپٹی کمشنر عباس تابش کے فرزند فاروق احمد شاہ کو بندوق برداروں نے اغوا کر لیا، جسے دو دن بعد رہا کر دیا گیا۔ ۹ جولائی ۹۰ء کو سکیورٹی فورسز نے ماکام میں مکانوں کو آگ لگا دی جس میں دو سو سے زیادہ مکان جل گئے۔ اور جلے ہوئے مکانوں سے پانچ افراد کی لاشیں ملیں۔

۹ جولائی ۱۹۹۰ء ہی کو اسلامیہ کالج کے قریب وانٹہ پورہ کے بشیر احمد خان کے جسم پر بم باندھ کر اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ اس کے خلاف عام طور پر مخبری کا الزام لگایا گیا۔ اور اُسے ہلاک کرنے کی ذمہ داری العمر مجاہدین نے قبول کی۔

۱۳ جولائی ۱۹۹۰ء کو یوم شہدا پر سری نگر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا اور فوج طلب کر لی گئی۔ اسی دوران کشمیر کے سرکاری ملازمین نے کشمیر عوام کے خلاف ہندوستانی فورسز کے مظالم پر اقوام متحدہ کو ایک میمورنڈم بھیجا۔ جس پر ۱۲۷ سرکاری آفیسروں اور اہلکاروں کے دستخط تھے جس سے حکومت گھبرا گئی۔ اور سرکاری ملازمین کے خلاف کارروائی

کی دھمکی دی گئی۔ اُس کے خلاف سرکاری ملازمین نے ۲۳ر اور ۲۴ر جولائی ۱۹۹۰ء کو بطور احتجاج ہڑتال کر دی۔

وادی میں ہر دوسرے تیسرے دن فوج اور فورسز کی جبروزیادتیوں اور پے درپے ہلاکتوں کے خلاف احتجاجی ہڑتال ہو رہی تھی۔ اور مختلف علاقوں میں آتشزنی کی وارداتیں بھی رونما ہو رہی تھیں۔ ساری آبادی خوف و دہشت میں مبتلا تھی۔ با ایں ہمہ سرینگر اور قصبہ جات میں خواتین اور مردوں کے احتجاجی مظاہرے ایک معمول بن گئے تھے۔ صورت حال بھیانک ہونے کے خلاف سرکاری ملازمین کی ایک رابطہ کمیٹی وجود میں لائی گئی۔ جس کی اپیل پر سرکاری ملازمین نے غیر معینہ عرصہ کے لیے بطور احتجاج ہڑتال کر دی۔ اِس ہڑتال میں اعلیٰ سرکاری افسروں، لو پیڈ ملازمین، اساتذہ، پروفیسر وکیلوں اور ڈاکٹروں نے یکساں طور پر شمولیت کی۔ جس کی بنا پر سارا سرکاری نظام ٹھپ ہو گیا۔ سری نگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں سکیورٹی فورسز بے تحاشہ لوگوں کو ہلاک کر رہی تھیں۔ جس کے خلاف خواتین و مرد، طلبا اور طالبات، اساتذہ اور وکلا، سڑکوں پر آکر مظاہرے کر رہے تھے۔ مظاہرین پر فورسز کی طرف سے طاقت کے استعمال سے بے تحاشا لوگ ہلاک ہو رہے تھے۔ اور ہسپتال زخمیوں سے بھر گئے تھے۔ ٹرانسپورٹر بھی ہڑتال پر تھے۔ اسی دوران ۴ر اگست ۹۰ء کو قاہرہ میں اسلامی کانفرنس کے وزرائے خارجہ نے متفقہ طور پر ایک قرارداد پاس کی جس میں کشمیریوں کے لئے خود ارادیت کا مطالبہ کیا گیا۔

۶ر اگست ۱۹۹۰ء کو سری نگر میں لبریشن فرنٹ کے چیف محمد یاسین ملک اور ڈپٹی چیف شیخ عبدالمجید سمیت فرنٹ کے ایک درجن افراد گرفتار کر لیے گئے۔ ان میں پیپلز کانفرنس کے خواجہ عبدالغنی لون کے دو صاحبزادے بلال احمد اور سجاد احمد بھی شامل تھے۔ جس کے خلاف ہڑتال ہو گئی۔ اور عوامی مظاہروں کے پیش نظر وادی میں پھر کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ۷ر اگست ۹۰ء کو سرینگر کے مشتعلی محلے چول میں رات کے اندھیرے میں سکیورٹی فورسز نے لوگوں کے گھروں میں زبردستی گھس کر ۱۴ر افراد کو گولی مار کر ہلاک

کر دیا اور جب اِس پر سری نگر کی ساری آبادی سڑکوں پر آکر احتجاج کرنے لگی، تو پھر کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

اِن وارداتوں کے خلاف سرینگر میں دس دن تک مسلسل ہڑتال رہی اور تقریباً تین سو کشمیری پروفیسروں نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو احتجاجی میمورنڈم پیش کر دیا۔ سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں ہڑتال اور کرفیو کے باوجود مسلسل بم دھماکے ہو رہے تھے۔ فورسز پر راکٹ برسائے جا رہے تھے۔ اور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور فورسز کے درمیان جھڑپیں ہو رہی تھیں۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک سرکاری ملازمین کی مسلسل احتجاجی ہڑتال کے بعد سرکاری ملازمین کی رابطہ کمیٹی نے حکومت کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا اور ۳ر ستمبر ۹۰ء کو ہڑتال کی کال واپس لے لی گئی۔

۴ر ستمبر ۹۰ء کو سرینگر میں ایک پریس کانفرنس میں حزب المجاہدین کے امیر ناصرالاسلام نے جماعت اسلامی کے اس اعلان کو چیلنج کر دیا کہ حزب المجاہدین جماعت اسلامی کی عسکری ونگ ہے۔ انھوں نے کہا کہ حزب المجاہدین کے قیام کے وقت جماعتِ اسلامی کے لیڈروں نے اعلان کیا تھا۔ کہ حزب المجاہدین کے ساتھ جماعت کا کوئی تعلق نہیں اور نہ رہے گا۔ لیکن اب غلبہ پانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جسے ہم تسلیم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ انھوں نے حزب المجاہدین سے علیحدگی اختیار کر لی اور بعد میں انھوں نے جمعیت المجاہدین کے نام سے اپنی تنظیم قائم کر لی۔

۱۲ر ستمبر ۹۰ء کو اطلاع ملی کہ کشمیر کے ایک سرکردہ ہارٹ سپشلسٹ ڈاکٹر عبدالاحد گورو کو بمبئی سے نئی دہلی آتے ہی ایئر پورٹ پر گرفتار کر لیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالاحد گورو عسکری جدوجہد کے ایک سرگرم رُکن تسلیم کیے جاتے تھے۔ اِسی اثنا میں جموں کشمیر بینک سے رقومات لوٹنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جموں کشمیر بینک کشمیر میں کاروبار کرنے والا واحد بینک رہ گیا تھا۔ جب کہ دوسرے تمام بینک بند ہو چکے تھے۔

یکم اکتوبر ۹۰ء کو ہندوارہ میں سکیورٹی فورسز اور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے

درمیان جھڑپوں کے بعد فورسز نے ہندواڑہ کا مرکزی بازار نذرِ آتش کر دیا۔ آگ کی اس واردات میں دو درجن دکاندار جو دکانوں کے اندر تھے۔ زندہ جل گئے۔ اس کے بعد ۹ر اکتوبر ۹۰ء کو سری نگر میں کاڈڈارہ سے لور باغ تک کا علاقہ فورسز نے نذرِ آتش کر دیا۔ جس سے سینکڑوں کنبے بے گھر ہو گئے۔ کشمیری ہتھیار بند نوجوان جہاں اور جس جگہ سکیورٹی فورسز پر گولی چلاتے تھے یا گرینیڈ پھینکتے تھے۔ وہاں اور ہر اس جگہ سکیورٹی فورسز شہری آبادی پر اندھادھند فائرنگ کرتی تھی۔ اس علاقے کو نذرِ آتش کر دیا جاتا تھا۔ اسی دوران سری نگر میں اسلامیہ کالج کی عمارت نذرِ آتش کر دی گئی۔ جس میں انتہائی نایاب کتابیں جل گئیں۔ سوپور، کپواڑہ، ہندواڑہ اور رام باغ میں بھی آتشزنی کی پے در پے وارداتیں ہو رہی ہیں سنگرامہ کا شاپنگ کمپلکس بھی جل کر خاکستر ہو گیا۔ آتش زنی اور بم دھماکوں اور مسلح جھڑپوں سے ساری آبادی خوفزدہ ہے۔ وادی میں احتجاجی ہڑتالوں کا یہ حال ہے کہ مہینے میں دو یا چار دن کے سوا باقی دنوں ہڑتال رہتی ہے۔ خواتین سڑکوں پر مظاہرہ کرتی ہیں۔ فورسز مختلف علاقوں کو محاصرے میں لیکر عام لوگوں پر مظالم ڈھاتی ہیں ۳ر نومبر ۹۰ء کو اطلاع ملی کہ مختلف علاقوں سے مزید آٹھ لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ اِن میں سے تین مسخ شدہ لاشیں شادی پورہ کے قریب دریائے جہلم سے ایک عورت کی لاش اور کپواڑہ میں ایک شخص کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔

اِن وارداتوں کی اطلاعات اور پے در پے پُر اسرار ہلاکتوں پر لوگوں میں فکر و تشویش بڑھنے لگی۔ اُدھر پاکستان میں بے نظیر بھٹو کی وزیر اعظم کے عہدے سے برطرفی کے بعد غلام مصطفٰے جتوئی کی نگران حکومت میں انتخابات کروائے گئے۔ جن میں پاکستان اسلامی اتحاد کی کامیابی کے بعد مسلم لیگ کے میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم بنائے گئے انھوں نے اپنے پالیسی بیان میں کشمیر کے مسئلے کو ترجیحی بنیادوں پر حل کروانے کا عہد کیا۔ چنانچہ ۲۲ر نومبر ۹۰ء کو جنوبی ایشیا ممالک کی سربراہی کانفرنس میں وزیر اعظم پاکستان اور ہندوستان کے وزیر اعظم کے درمیان براہِ راست کشمیر پر مذاکرات ہوئے جو بے نتیجہ رہے۔

۳ر دسمبر ۹۰ء کو گاندربل میں کشمیر کے ایک سیاسی لیڈر مولانا محمد سعید مسعودی کو ان کے گھر میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ دو نقاب پوش اُن کے گھر میں داخل ہو گئے جنہوں نے مولانا مسعودی کو ہلاک کر دیا۔ جس کی حزب اللہ نامی تنظیم نے ذمہ داری قبول کر لی اُدھر بین الاقوامی سطح پر کشمیر کے بارے میں تشویش میں اضافہ ہو گیا۔ جس کا اظہار انسانی حقوق کے عالمی ادارے ایمنسٹی انٹرنیشنل، غیر ملکی اخبارات اور بہت سی حکومتوں کے نمائندوں نے اپنے بیانات کے ذریعے کیا۔ اِن سب نے کشمیر میں خونریزی کے خلاف شدید ردِ عمل کا اِظہار کیا۔ کشمیر میں صدر راج کے نفاذ کے بعد صورت حال اور زیادہ ابتر ہو گئی اور سیکورٹی فورسز نے لوگوں کو اندھا دھند ہلاک کرنے کا عمل تیز کر دیا۔

مسلح بغاوت کے خدوخال

بندوق بردار کشمیری نوجوانوں کے پے در پے اور بڑے پیمانے پر فورسز پر حملوں اور گرینیڈ دھماکوں کی کارروائیوں کے نتیجے میں ریاستی انتظامیہ کے تمام شعبے عملی طور پر معطل اور جوں کا توں ہو کر رہ گئے۔

اسی دوران جموں کشمیر پولیس کے کئی اہلکاروں اور پولیس افسروں کو بھی ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور فوج اور نیم فوجی دستوں نے یکساں طور پر گولیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ سرینگر کے مرکزی علاقے لال چوک میں سکیورٹی فورسز نے عبدالمجید مسعودی نامی ڈی، ایس، پی کو جب گولی مار کر ہلاک کر دیا تو جموں کشمیر پولیس نے کشمیر کی صورت حال پر قابو پانے کی سرکاری کوششوں میں شرکت سے اجتناب کیا۔ جس نے سرکاری انتظامیہ کی کارکردگی کو مزید اور سخت نقصان پہنچایا۔

فوج اور نیم فوجی دستے کشمیر پولیس کو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کا حامی قرار دینے لگے اور پولیس عملے نے بھی اسی میں اپنی خیریت سمجھی کہ اُس نے خود کو الگ تھلگ کر لیا۔ کچھ سرکاری دفتروں میں مسلح نقاب پوش نوجوانوں نے رقومات پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا تو بیشتر سرکاری دفتروں پر بھی نیم فوجی دستے متعین کر دیئے گئے۔

۵ جنوری ۱۹۹۱ء کو پھر وادی میں اقوام متحدہ کی قرارداد کی حمایت میں زبردست عوامی مظاہرے ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی جموں میں بھی بم دھماکے ہونا شروع ہو گئے، وادی میں کئی جگہ فورسز پر تازہ حملوں کی ذمہ داری البرق نامی عسکری تنظیم کے سربراہ لودھی بلال نے قبول کی۔ یہ حملے سرینگر کے حیدرپورہ علاقے، بڈگام اور کپواڑہ میں کیے گئے اور وادی میں مسلم جانباز

فورس نامی عسکری تنظیم بھی سرگرم ہو گئی، جس کے سالار اعلیٰ بابر بدر تھے۔ ۱۵ جنوری ۱۹۹۱ء کو واشنگٹن میں ایک امریکی عہدیدار نے اعلان کیا کہ امریکہ جموں کشمیر کو ایک متنازعہ علاقہ تسلیم کرتا ہے۔ ۱۹ جنوری ۱۹۹۱ء کو مگھرمل باغ کے قریب سکیورٹی فورسز نے اندھادھند فائرنگ کر کے ۱۴ شہریوں کو ہلاک کر دیا۔ فورسز نے یہ کارروائی اُن پر گرینیڈ پھینکنے کے جواب میں کی۔ ۲۳ جنوری ۱۹۹۱ء کو البرق کے چیف ایڈووکیٹ لودھی بلال نے اخبارات کے لیے اپنے بیان میں ان واقعات کے خلاف شدید ردِعمل کا اعلان کیا۔ جو اُن کے بیان کے مطابق بعض ہتھیار بند کشمیری نوجوان بندوق کی نوک پر دھونس، دباؤ اور زبردستی لوگوں سے رقومات وصول کرنے کے سلسلے میں کر رہے تھے۔ اُن کے بیان کے مطابق اِن واقعات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ جن کی بنا پر شہریوں کاروباری حلقوں اور دُکانداروں کی تشویش بڑھ رہی تھی۔

مختلف علاقوں میں فوج اور نیم فوجی دستوں کے خلاف بارودی سُرنگوں کے دھماکوں سے حکام اور زیادہ پریشان ہو گئے۔ ۱۹ جنوری ۱۹۹۱ء کو اسلام آباد کے قریب فوج اور کشمیری ہتھیار بند نوجوانوں کے درمیان آٹھ گھنٹے تک معرکہ آرائی کے بعد فوج نے نصف درجن افراد کو گولی مار دی، جن میں کشمیر پولیس کے دو اور فائر سروسز کے چار اہلکار شامل تھے۔ اُسی دن کولگام میں سکیورٹی فورسز نے ایک گاؤں کے تین افراد عبدالغنی شیخ ٹیچر، بشیر احمد ماگرے اور عبدالرحیم نجار کو اُن کے گھروں سے نکال کر اُن کے سر تن سے جُدا کیے۔ اور سر کٹی لاشیں سڑک پر ڈال دی گئیں۔

اس کے اگلے دن پانپور کے قریب درنگہ بل میں سکیورٹی فورسز پر جب گرینیڈ پھینکا گیا تو فورسز نے بے تحاشا گولی چلا دی۔ جن میں تین شہری ہلاک اور نصف درجن زخمی ہو گئے۔ سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے سکیورٹی فورسز پر حملے، راکٹ داغنے، کراس فائرنگ اور وقفے وقفے سے احتجاجی ہڑتالوں کا سلسلہ جاری ہے اور درجنوں افراد ہلاک کیے جا رہے ہیں۔

۸ فروری ۱۹۹۱ء سرینگر کے حبہ کدل، چھتہ بل، گلاب باغ اور بٹہ مالو علاقوں میں

العمر مجاہدین کے سکیورٹی فورسز پر حملوں کے جواب میں فورسز نے اندھا دھند گولیاں چلائیں، جس میں کئی افراد ہلاک ہو گئے۔

۱۱ر فروری ۱۹۹۱ء کو مقبول بٹ کی برسی پر سرینگر میں کشمیری ہتھیار بند نوجوانوں نے سکیورٹی فورسز پر تابڑ توڑ حملے کیے جس پر فوج طلب کر لی گئی اور کئی شہریوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ سوپور کے قریب ۱۳ر فروری ۱۹۹۱ء کو فوج کے کریک ڈاؤن کے دوران حزب المجاہدین نے فوج پر حملہ کر دیا۔ اس جھڑپ کے دوران آٹھ افراد ہلاک ہو گئے۔

۱۴ر فروری ۱۹۹۱ء کو حزب المجاہدین کے چیف کمانڈر محمد احسن ڈار اور ڈپٹی چیف عمران راہی نے اعلان کیا کہ نارہ بل کے قریب فورسز کے ساتھ بارہ گھنٹے کی شدید جنگ میں فوج کا بھاری جانی نقصان کیا گیا۔

۲۶ر فروری ۱۹۹۱ء کو بعض نامعلوم کشمیری ہتھیار بند نوجوانوں نے سرینگر میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے کیشیر کو گولی مار کر زخمی حالت میں اُس کی جیب سے الماریوں کی چابیاں نکال لیں۔ جس پر میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں زبردست کھلبلی مچ گئی۔

۲۸ر فروری ۱۹۹۱ء کو نیشنل کانفرنس کے ممبر پارلیمنٹ پروفیسر سیف الدّین سوز کی بیٹی ناہیدہ کو اُس کے سسرال کے گھر کے نزدیک اسٹوڈنٹس لبریشن فرنٹ کی خواتین ونگ نے اغوا کر لیا، جسے پانچ جنگجو نوجوانوں کی رہائی کے بدلے ۷ر مارچ ۱۹۹۱ء کو رہا کر دیا گیا۔ مارچ ۱۹۹۱ء کے پہلے دو ہفتوں کے دوران بہت سے سیکیورٹی فورسز اہلکاروں سمیت ایک سو نوّے سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے۔ جبکہ ۱۳ر مارچ کو قاضی گنڈ کے قریب ایک فوجی کانوائے پر حزب المجاہدین نے زبردست حملہ کیا اور وادی کے دوسرے کئی علاقوں میں بھی حزب المجاہدین اور فورسز کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔

مارچ ۱۹۹۱ء کے تیسرے ہفتہ میں فوج نے وادی میں "آپریشن لانگ سٹارم" شروع کر دیا جس کے دوران جبر و زیادتیوں، گرفتاریوں، اور ہلاکتوں کے واقعات میں اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ جامع مسجد میں جمع ہو کر ہزارہا لوگوں نے اس کے خلاف مظاہرہ کیا اور میر واعظ

مولوی محمد عمر فاروق نے فورسز پر سفّاکانہ کارروائیوں کے الزامات لگا کر ان کارروائیوں کی مذمت کی۔ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی کارروائیوں کے نتیجے میں بٹہ مالو کے پورے علاقے پر ان کا کنٹرول قائم ہوگیا۔

۲۶ر مارچ ۱۹۹۱ء کو کشمیر کے ڈویژنل کمشنر مسٹر وجاہت حبیب اللہ نے کپوارہ کے کنن پوش پورہ علاقے میں فورسز کی طرف سے اجتماعی عصمت دری کے واقعات کے خلاف بطور احتجاج استعفیٰ دے دیا۔ جبکہ ساری وادی زبردست تشدّد کی لپیٹ میں آچکی تھی۔ ہر روز درجنوں شہری اور ہتھیار بند نوجوان فورسز کے ہاتھوں ہلاک ہو رہے ہیں اور درجنوں گرفتار کیے جا رہے ہیں۔

۳۰ر مارچ ۱۹۹۱ء کو اشفاق مجید کے پہلے یوم شہادت پر سرینگر میں کرفیو نافذ کر دیا اور کرفیو کے دوران ہی حزب المجاہدین، لبریشن فرنٹ، العمر مجاہدین اور دوسری تنظیموں نے سکیورٹی فورسز پر کئی جگہ حملے کیے اور اسی دوران ہندوستان کی تحریک پر نئی دہلی میں ہندپاک خارجہ سکریٹریوں کے درمیان کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لیے مذاکرات ہوئے۔

۲۲ر اپریل ۱۹۹۱ء کو بانڈی پور کے قریب سات ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں سمیت البرق کمانڈر ہلاک ہوگیا۔

۲۳ر اپریل ۱۹۹۱ء صبح سویرے دو ہتھیار بند کشمیری نوجوان "اخبار الصّفا نیوز" کے دفتر میں داخل ہوئے اور اُن میں سے ایک نے "الصفا نیوز" کے جواں سال ایڈیٹر محمد شعبان وکیل کے چہرے اور سینے میں آٹھ گولیاں پیوست کر دیں۔ اس واردات کے خلاف سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں بطور احتجاج ہڑتال کی گئی۔ اخبارات نے محمد شعبان وکیل کے قتل کو ایک سفاکانہ واردات قرار دیتے ہوئے اسے کشمیر پریس کو ہلاک کرنے کے مترادف قرار دیا، اور بطور احتجاج تمام اخبارات کی اشاعت غیر معینہ عرصہ کے لیے بند کر دی گئی۔

ایڈیٹر الصفا نیوز کو ہلاک کرنے کی ذمّہ داری کسی نے قبول نہیں کی جس طرح کہ اور

بھی بہت سی ہلاکت خیز وارداتوں کے بارے میں ہو رہا ہے۔ ایڈیٹر "الصفا نیوز" کے قتل کے خلاف پانچ دن تک بطور احتجاج کوئی اخبار شائع نہیں ہوا۔

۴ رمئی ۱۹۹۱ء کو محاذ اسلامی نامی تنظیم کے سربراہ ڈاکٹر سید عنایت اللہ اندرابی نے ایک پریس کانفرنس طلب کر کے اُن واقعات کے خلاف اظہار تشویش کیا، جو حزب المجاہدین اور کشمیر لبریشن فرنٹ کے درمیان مسلح تصادموں کی صورت میں رونما ہوئے تھے۔

۶ رمئی ۱۹۹۱ء کو لائن آف کنٹرول کے قریب سکیورٹی فورسز اور حزب المجاہدین کے مسلح نوجوانوں کے درمیان جھڑپوں میں ۴۷، افراد ہلاک ہو گئے۔ جبکہ ۸ رمئی ۱۹۹۱ء کو سرینگر اور دوسرے علاقوں میں ۴۸ ہلاک کیے گئے۔ جس کے خلاف عوام نے زبردست احتجاجی مظاہرے کیے۔ ان مظاہروں پر قابو پانے کے لیے فوج طلب کر لی گئی۔ وادی میں پانچ دن تک احتجاجی ہڑتال رہی۔

۸ رمئی ۱۹۹۱ء کو سرینگر کے خانیار علاقے میں مزار شہدا میں سعدہ کدل میں جاں بحق ہونے والے چار افراد کو جب سپرد خاک کیا جا رہا تھا تو سکیورٹی فورسز نے مزارِ شہداء پر موجود لوگوں پر گولی چلا دی جس سے درجنوں افراد ہلاک ہو گئے اور پانچ درجن سے زیادہ شدید زخمی ہوئے۔ اس واردات کے بعد ساری وادی میں کرفیو نافذ کر دیا گیا اور فوج کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔

اسی دوران ۲۱ رمئی ۱۹۹۱ء کو ہندوستان کے ایک سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی کو مدراس میں ہلاک کر دیا گیا۔ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا تھا، جب سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں سکیورٹی فورسز کے ہاتھوں درجنوں افراد ہلاک نہ ہوتے ہوں۔ اسکے علاوہ قتل کی پُراسرار وارداتیں بھی ہو رہی تھیں۔ جن میں سے زیادہ تر کی ذمہ داری کوئی قبول نہیں کرتا تھا۔ البتہ کسی کسی واردات کی کوئی عسکری تنظیم ذمہ داری قبول کر لیتی تھی۔ چنانچہ ۲۹ رمئی ۱۹۹۱ء کو پٹن کے قریب شیر آباد میں ایک جواں سال خاتون مالا کی لاش درخت سے لٹکتی ہوئی پائی گئی اور ریلہالن کے نمبردار کو اغواء کر کے ہلاک کر دیا گیا اور

اس کے ساتھ ساتھ بعض عسکری تنظیموں کی طرف سے زور زبردستی لوگوں سے رقومات وصول کرنے والے ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے خلاف بیانات بھی جاری کیے جاتے تھے اسی اثناء میں کچھ نقلی مجاہدین کو پکڑ کر سزا وغیرہ بھی دی گئی۔

۴ رجون ۱۹۹۱ء کو صبح سویرے ایک سابق ریاستی وزیر حسام الدین بانڈے کو ہتھیار بند نوجوانوں نے اس کے گھر میں گھس کر اس پر گولیوں کے کئی راؤنڈ چلائے اور اسے ہلاک کر دیا جس کی ذمہ داری العمر مجاہدین نے قبول کی۔

اسی دوران سرینگر کے مختلف علاقوں میں فورسز پر جو گرینیڈ پھینکے جا رہے تھے، ان میں زیادہ تر راہ گیر شہری زخمی اور ہلاک ہو رہے تھے۔ ایسی وارداتوں کے خلاف ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی بعض تنظیموں نے اگرچہ بیانات جاری کر کے ایسی وارداتوں میں ملوث افراد کو انتباہ کیا، پھر بھی ایسی وارداتوں میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔

۱۰ رجون ۱۹۹۱ء کو سکیورٹی فورسز نے پانتہ چھوک میں سکولی بچوں پر فائرنگ کی جس میں دو بچے ہلاک ہوئے۔ ۱۱ رجون ۱۹۹۱ء کو چوٹہ بازار کے قریب ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے سکیورٹی فورسز پر فائرنگ کی، جس سے سکیورٹی فورسز بے قابو ہو گئی اور اُس نے اندھا دھند فائرنگ کر کے چوٹہ بازار میں ۲۷، اور زینہ کدل میں پانچ شہریوں کو ہلاک کر دیا۔ فورسز کی فائرنگ میں زخمی ہونے والے ۳۲ شہری ہسپتال پہنچائے گئے۔ اس واردات کے خلاف پوری وادی میں غم و غصے اور احتجاج کی ایک لہر دوڑ گئی اور سرینگر کے علاقوں میں کہرام مچ گیا۔

حکومت نے حالات پر قابو پانے کے لیے ساری وادی میں فوج متعین کر دی اور کرفیو نافذ کر دیا۔ احتجاج میں سرکاری ملازم بھی شریک ہو گئے اور ۱۴، ۱۵ رجون ۱۹۹۱ء کو کوئی ملازم دفتر نہیں گیا۔ چوٹہ بازار کے خونچکاں واقعات کے خلاف شہر میں پانچ دن احتجاجی ہڑتال رہی۔ ۱۹ رجون ۱۹۹۱ء کو بٹہ مالو میں حزب اللہ کا سربراہ مشتاق الاسلام اپنے کئی ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا، جس کے خلاف وادی میں پھر

احتجاجی ہڑتال کی گئی۔ اسی دوران نئی دہلی میں مسٹر نرسمہا راؤ کو ملک کا نیا وزیر اعظم بنایا گیا۔

۲۱ر جون ۱۹۹۱ء کو العمر کمانڈوز نامی تنظیم نے بارڈر سکیورٹی فورس کے ترال کے انچارج
اور سیف الدین کو بموں سے اڑا کر ہلاک کر دیا اور بتایا گیا کہ ان دونوں اہلکاروں نے اغوا کیے
جانے کے بعد اپنے مبینہ جرائم کا اعتراف کیا تھا۔ مختلف علاقوں سے محاصروں کے دوران
حراست میں لیے گئے نوجوانوں میں سے تقریباً دو سو حراست کے دوران غائب کر دیئے
گئے۔

خانیار اور چوٹہ بازار میں خونریز وارداتوں کی جموں کشمیر کے ایک سابق چیف جسٹس
بہاؤالدین فاروقی نے باقاعدہ تحقیقات کے بعد ان دونوں وارداتوں میں سکیورٹی فورسز
کی اندھا دھند فائرنگ کو بلا جواز قرار دیا۔ لیکن سرکاری طور پر اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا اور
نہ مجرموں کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی۔

۲۸ر جون ۱۹۹۱ء کو انڈین آئیل کارپوریشن کا ایک ڈائرکٹر مسٹر سوامی کو اخوان المسلمین
نامی تنظیم کے ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے پان پور میں اغوا کر لیا، جبکہ ۶ر جولائی کو اوڑی ہائیڈل
پروجیکٹ میں کام کرنے والے سویڈن کے ان دو انجنیروں کو رہا کر دیا گیا۔ جن کو مسلم
جانباز فورس نے تین ماہ تک یرغمال بنا کر رکھا تھا۔

سکیورٹی فورسز نے مختلف علاقوں کو محاصرے میں لیے بغیر بھی شاہراہوں، سڑکوں اور
اہم پبلک مقامات پر راہ گیروں کی تلاشیاں لینے، ان کا سر راہ انٹروگیشن کرنے اور عام شہریوں
کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سرینگر اور وادی کے دوسرے
علاقوں میں آتشزنی کی وارداتیں بھی جاری رہیں۔

۱۳ر جولائی ۱۹۹۱ء کو یوم شہدائے کشمیر پر پھر سرینگر میں کرفیو نافذ کیا گیا، جس کے
خلاف ساری وادی میں ہڑتال ہوئی اور احتجاج کیا گیا۔

۱۹ر جولائی ۱۹۹۱ء کو اخوان المسلمین کے مطالبے پر انڈین آئل کارپوریشن کے
ایک افسر کی رہائی کے بدلے اخوان کے پانچ ممبر رہا کر دیئے گئے۔ ۲۳ر جولائی ۱۹۹۱ء کو سرینگر

میں یوم عاشورہ پر ذوالجناح کے جلوس پر کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ جس کے خلاف لوگوں نے ساری
وادی میں احتجاجی ہڑتال کی۔ ۷ر اگست ۱۹۹۱ء کو ترکی کے شہر استنبول میں اسلامی ملکوں
کے وزرائے خارجہ نے ایک متفقہ قرارداد میں مطالبہ کیا کہ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قرار
دادوں کے مطابق حل کیا جائے۔

۸ر اگست ۱۹۹۱ء کو برطانوی لیبر پارٹی کے لیڈر مسٹر کاف مین کشمیر کے دورے پر
آئے اور یہاں اپنے تین دن کے قیام کے دوران انھوں نے یہاں کے حالات کا جائزہ لینے
اور رائے عامہ کے نمائندوں کے ساتھ ملاقاتوں کے بعد کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں
پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور اعلان کر دیا کہ وہ کشمیر کا مسئلہ بین الاقوامی سطح پر اٹھائیں گے
۱۴ر اگست ۱۹۹۱ء کو پاکستان کے یوم آزادی پر سرینگر اور وادی کے تمام قصبہ جات میں
تقریبات منعقد کی گئیں۔

ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے مارچ پاسٹ میں پاکستان کے جھنڈے کو کئی مقامات پر
سلامی دی، سوپور میں حزب المجاہدین کی عسکری کارروائیوں کی بنا پر کرفیو نافذ کر دیا گیا اور
۲۴ ... زیادہ افراد ہلاک ہو گئے۔ کئی مقامات پر ۱۴ر اگست ۹۱ء کو کراس فائرنگ ہوئی
اور ہتھیار ... [illegible] ... فورسز میں جھڑپیں ہوئیں۔ ہتھیار بند کشمیری
... [illegible] ... احتجاجی ہڑتال کی گئی۔ ۱۵ر اور ۱۷ر اگست
... [illegible] ... نوجوان ہلاک کیے گئے۔ جبکہ فورسز کے
... [illegible] ... ۱۹ر اگست ۱۹۹۱ء کو مزید

... [illegible] ... ہتھیار بند

احتجاجی ہڑتال کی گئی۔ اسی دوران نئی دہلی میں مسٹر نرسمہا راؤ کو ملک کا نیا وزیر اعظم بنایا گیا۔

۲۱ رجون ۱۹۹۱ء کو العمر کمانڈوز نامی تنظیم نے بارڈر سکیورٹی فورس کے ترال کے اکبرخاں اور سیف الدین کو بموں سے اڑا کر ہلاک کر دیا اور بتایا گیا کہ ان دونوں اہلکاروں نے اغوا کیے جانے کے بعد اپنے مبینہ جرائم کا اعتراف کیا تھا۔ مختلف علاقوں سے محاصروں کے دوران حراست میں لیے گئے نوجوانوں میں سے تقریباً دو سو حراست کے دوران غائب کر دیئے گئے۔

خانیار اور چوٹہ بازار میں خونریز وارداتوں کی جموں کشمیر کے ایک سابق چیف جسٹس بہاؤالدین فاروقی نے باقاعدہ تحقیقات کے بعد ان دونوں وارداتوں میں سکیورٹی فورسز کی اندھا دھند فائرنگ کو بلا جواز قرار دیا۔ لیکن سرکاری طور پر اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا اور نہ مجرموں کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی۔

۲۸ رجون ۱۹۹۱ء کو انڈین آئیل کارپوریشن کا ایک ڈائرکٹر مسٹر سوامی کو اخوان المسلمین نامی تنظیم کے ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے پان پور میں اغوا کر لیا، جبکہ ۶ رجولائی کو اڑی ہائیڈل پروجیکٹ میں کام کرنے والے سوئیڈن کے ان دو انجنیئروں کو رہا کر دیا گیا۔ جن کو مسلم جانباز فورس نے تین ماہ تک یرغمال بنا کر رکھا تھا۔

سکیورٹی فورسز نے مختلف علاقوں کو محاصرے میں لیے بغیر بھی شاہراہوں، سڑکوں اور اہم پبلک مقامات پر راہ گیروں کی تلاشیاں لینے، ان کا سرِ راہ انٹروگیشن کرنے اور عام شہریوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں آتشزنی کی وارداتیں بھی جاری رہیں۔

۱۳ رجولائی ۱۹۹۱ء کو یوم شہدائے کشمیر پر پھر سرینگر میں کرفیو نافذ کیا گیا جس کے خلاف ساری وادی میں ہڑتال ہوئی اور احتجاج کیا گیا۔

۱۹ رجولائی ۱۹۹۱ء کو اخوان المسلمین کے مطالبے پر انڈین آئل کارپوریشن کے ایک افسر کی رہائی کے بدلے اخوان کے پانچ ممبر رہا کر دیئے گئے۔ ۲۳ رجولائی ۱۹۹۱ء کو سرینگر

میں یوم عاشورہ پر ذوالجناح کے جلوس پر کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ جس کے خلاف لوگوں نے ساری وادی میں احتجاجی ہڑتال کی۔ ۷ راگست ۱۹۹۱ء کو ترکی کے شہر استنبول میں اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ نے ایک متفقہ قرارداد میں مطالبہ کیا کہ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کیا جائے۔

۸ راگست ۱۹۹۱ء کو برطانوی لیبر پارٹی کے لیڈر مسٹر کاف مین کشمیر کے دورے پر آئے اور یہاں اپنے تین دن کے قیام کے دوران انھوں نے یہاں کے حالات کا جائزہ لینے اور رائے عامہ کے نمائندوں کے ساتھ ملاقاتوں کے بعد کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور اعلان کر دیا کہ وہ کشمیر کا مسئلہ بین الاقوامی سطح پر اٹھائیں گے

۱۴ راگست ۱۹۹۱ء کو پاکستان کے یوم آزادی پر سرینگر اور وادی کے تمام قصبہ جات میں تقریبات منعقد کی گئیں۔

ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے مارچ پاسٹ میں پاکستان کے جھنڈے کو کئی مقامات پر سلامی دی، سوپور میں حزب المجاہدین کی عسکری کارروائیوں کی بنا پر کرفیو نافذ کر دیا گیا اور ۲۶ رسے زیادہ افراد ہلاک ہو گئے۔ کئی مقامات پر ۱۴ راگست ۹۱ء کو کراس فائرنگ ہوئی اور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز میں جھڑپیں ہوئیں۔ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی اپیل پر ۱۵ راگست ۱۹۹۱ء کو ہمہ گیر احتجاجی ہڑتال کی گئی۔ ۱۵ ر اور ۱۷ راگست ۱۹۹۱ء کو ہڑتال کے دوران ۱۸ ر ہتھیار بند کشمیری نوجوان ہلاک کیے گئے۔ جبکہ فورسز کے جانی نقصان کے بارے میں سرکاری طور پر خاموشی اختیار کی گئی۔ ۱۹ راگست ۱۹۹۱ء کو مزید ۱۳ ر افراد ہلاک کیے گئے۔

سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں پے در پے بم دھماکے ہوئے اور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے کئی جگہ سکیورٹی فورسز پر حملے کیے۔ سکیورٹی کیمپوں پر راکٹ برسائے گئے اور کئی علاقے دھماکوں سے لرز اٹھے اور مختلف علاقوں میں مزید دس افراد ہلاک ہوئے ٹنگمرگ میں بھی ایک خونریز جھڑپ کے دوران مزید دس افراد ہلاک ہوئے۔

کشمیر پر اسلامی ممالک کا سربراہ اجلاس

۵ر ستمبر ۱۹۹۱ء کو نیشنل کانفرنس کی ایک سابق خاتون وزیر کھیم لتا وکھلو اور اس کے خاوند او مکار ناتھ وکھلو کو بوچھوارہ میں اغوا کر لیا گیا اور اُن کے بدلے حزب اللہ کے مشتاق الاسلام کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ درجنوں افراد کی ہلاکتوں کا سلسلہ بھی جاری ہے، گرفتاریاں بھی جاری ہیں۔ اور ظلم و جبر کی کارروائیاں بھی ہو رہی ہیں۔ احتجاجی ہڑتالوں کا سلسلہ بھی جاری ہے اور فورسز پر حملے بھی ہو رہے ہیں۔

سرینگر میں کئی دن تک ہڑتال کے بعد ۲۱ر ستمبر کو حضرت بل میں لبریشن فرنٹ کے جاوید احمد میر اور الطاف احمد قادری نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ان کے ہمہ گیر تعاون کے لیے عوام کو خراجِ تحسین ادا کیا۔

۲۶ر ستمبر ۱۹۹۱ء کو بیرونی ممالک میں رہنے والے کشمیریوں نے اقوام متحدہ کے ہیڈکوارٹر پر زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا، اور سکریٹری جنرل کو میمورنڈم پیش کیا گیا۔ ۲۷ر ستمبر ۱۹۹۱ء کو ٹیٹوال سیکٹر میں ایک خونریز تصادم کے دوران ۲۷ر افراد ہلاک کیے گئے اور وادی کے مختلف علاقے راکٹوں اور مارٹر توپوں کے گولوں سے لرز اُٹھے۔ ۳ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو مختلف علاقوں میں جھڑپوں کے دوران مزید بارہ افراد ہلاک ہوئے، جبکہ ۵ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ۲۹ ہلاک کیے گئے۔

۷ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو کشمیر یونیورسٹی، کالجوں اور سکولوں میں بطور احتجاج ہڑتال کی گئی۔ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو کانگریس کے ایک سابق وزیر غلام محمد میر کے بیٹے نصر اللہ کو لسجن میں اغوا کر لیا گیا۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو وادی میں فوج نے اوپریشن فلش آؤٹ کے تحت بڑے پیمانے پر کارروائی شروع کر دی۔

۱۷ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ہرارے میں ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم نے کشمیر پر مذاکرات کیے جو بے نتیجہ رہے۔ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو کشمیری ہتھیار بند نوجوان

کولگام ٹریژری سے سوا دو لاکھ روپے لے گئے۔ اُدھر بڈگام میں مزید ۱۳ر افراد ہلاک کیے گئے اور سرحد پر بھی گیارہ افراد ہلاک کیے گئے۔ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو بیروہ کے قریب فوج نے حزب المجاہدین کے ایک سرکردہ ہتھیار بند نوجوان محمد اشرف ڈار اور اُس کے دو ساتھیوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا، جس کے خلاف حزب المجاہدین کی اپیل پر وادی میں تین دن تک احتجاجی ہڑتال کی گئی۔ محمد اشرف ڈار کو اُس کے آبائی گاؤں سنور کلی پورہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ جہاں ہزاروں لوگوں نے اُس کے نمازِ جنازہ میں شرکت کی، اس کے اگلے دن بارہمولہ میں آٹھ افراد ہلاک کیے گئے۔

۲۶ر اکتوبر ۱۹۹۱ء کو اسلام آباد کے قریب میر کانلی گنڈ کی پوری بستی نذرِ آتش کر دی گئی۔

۱۱ر نومبر ۱۹۹۱ء کو پانپور میں دو بچوں کی ماں نسیمہ کو مسلح کشمیری نوجوانوں نے اغوا کر لیا، جس پر علاقے میں غم و غصہ پھیل گیا۔ نسیمہ کا جواں سال بھائی نثار احمد چھ ماہ پہلے فورسز کی گولیوں سے ہلاک ہوا تھا۔

۱۲ر نومبر ۱۹۹۱ء کو امریکی نائب وزیر خارجہ نے نئی دہلی اور اسلام آباد کا دورہ کیا اور کشمیر پر ہند پاک حکومتوں کے ساتھ مذاکرات کیے جو بے نتیجہ رہے۔ جبکہ کشمیر میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سیکیورٹی فورسز کے درمیان جگہ جگہ جھڑپیں ہو رہی ہیں اور وادی میں نوے سے زیادہ افراد کو ہلاک کر دیا گیا۔ مختلف علاقوں کو محاصرے میں لیکر گھر گھر تلاشیوں اور سیکیورٹی فورسز کے ساتھ جگہ جگہ جھڑپیں ہو رہی اور وادی میں نوّے سے زیادہ افراد کو ہلاک کر دیا گیا۔ مختلف علاقوں کو محاصرے میں لے کر گھر گھر تلاشیوں اور سیکیورٹی فورسز پر بم پھینکنے کی وارداتوں میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

۴ر دسمبر ۱۹۹۱ء کو سینیگال کے دارالحکومت ڈاکار میں اسلامی ملکوں کی سربراہ کانفرنس نے کشمیر پر ایک متفقہ قرارداد پاس کی۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کیا جائے۔ اسلامی ملکوں کی کانفرنس نے کشمیر پر مصالحت کروانے کی پیش کش کی اور اپنا ایک مشن کشمیر کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجنے کا اعلان کیا۔ اسی دوران البرق نامی تنظیم کے سربراہ ایڈوکیٹ بلال لودھی کو گرفتار کر لیا گیا۔

۱۰ دسمبر ۱۹۹۱ء کو انسانی حقوق کے عالمی دن پر کشمیری وکیلوں نے سرینگر میں احتجاجی مظاہرے کیے، جس پر تشدد ڈھایا گیا اور بہت سے وکیلوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۱ء کو امریکا کے ایوان نمائندگان میں کشمیری عوام کے لیے حق خود ارادیت کی حمایت کی گئی۔ کشمیری ہتھیار بند نوجوانوں کی طرف سے فورسز پر پے در پے حملے ہو رہے ہیں۔ اور فورسز کی طرف سے اندھا دھند فائرنگ میں درجنوں افراد ہلاک ہو رہے ہیں۔

۲۱ دسمبر ۱۹۹۱ء کو سری لنکا میں سارک کانفرنس کے سربراہ اجلاس کے دوران ہندوستان اور وزیر اعظم پاکستان کے درمیان کشمیر پر مذاکرات ہوئے جو ناکام رہے، جبکہ کشمیر میں دھماکے، سکیورٹی فورسز پر حملوں اور درجنوں افراد کی ہلاکتوں کے خلاف ہڑتالوں کا سلسلہ جاری ہے۔ عام شہری آبادی کے خلاف جبر و زیادتیوں میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔

۵ جنوری ۱۹۹۲ء کو سارے جموں و کشمیر میں پھر یوم قرار دادِ کشمیر منایا گیا اور لوگوں نے منظم مظاہرے کر کے مطالبہ کیا کہ ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں کشمیر پر پاس کی گئی قرار داد کو عملی جامہ پہنایا جائے تاکہ کشمیری عوام اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کر سکیں۔ اس دن ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں سکیورٹی فورسز کے خلاف بھرپور حملے کیے اور فائرنگ اور جوابی فائرنگ کے دوران ایک درجن سے زیادہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی وادی میں وسیع تر علاقوں کی ناکہ بندی، چھاپوں، تلاشیوں، اور گرفتاریوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا جا رہا ہے۔

جنوری ۱۹۹۲ء کے وسط میں برطانوی وزیر خارجہ ڈگلس ہرڈ نے نئی دہلی آکر ہندوستان کے لیڈروں کے ساتھ کشمیر پر مذاکرات کیے اور اس مسئلے کو حل کرنے پر زور دیا۔ کشمیر پر برطانوی وزیر خارجہ کی طرف سے کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کی ساری تجویزیں ہندوستان نے مسترد کر دیں۔ اسی دوران جب بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی نے اعلان کیا کہ وہ سرینگر آکر لال چوک میں ہندوستان کا قومی پرچم لہرائیں گے تو کشمیر میں اس کا شدید ردِ عمل ہوا۔ چنانچہ حزب المجاہدین کے سپریم کمانڈر سید صلاح الدین احمد کی اپیل پر

جنگجو تنظیموں نے ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا، تاکہ مرلی منوہر جوشی کا منصوبہ ناکام بنا دیا جائے مسلح کشمیری نوجوانوں کی طرف سے ۱۸ جنوری ۱۹۹۲ء سے ہی سرینگر، اسلام آباد، سرینگر جموں شاہراہ اور دوسرے علاقوں میں سکیورٹی فورسز پر زبردست حملے ہونے لگے۔ بم دھماکوں سے کئی علاقوں میں خوف و دہشت کی فضا پیدا ہو گئی۔ ان کارروائیوں سے حکومت اور فوجی حکام سخت گھبرا گئے۔ سرینگر میں فوج طلب کر لی گئی، کرفیو نافذ کر دیا گیا، اور ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی کو سرینگر لانے کے لیے بڑے پیمانے پر انتظامات کیے گئے۔ لیکن مسلح کشمیری نوجوانوں نے حکومت کی تمام تر کارروائیاں ناکام اور بے اثر بنا دیں، چنانچہ مرلی منوہر جوشی کو جموں سے ایک خصوصی طیارے میں لایا گیا سرینگر ایئر پورٹ سے لال چوک تک پندرہ ہزار سے زیادہ فوجی اور نیم فوجی دستے شاہراہ کے دونوں طرف متعین کیے گئے، اور ان کو ایک بند گاڑی میں لال چوک ایسے حالات میں پہنچایا گیا جبکہ اس پورے علاقے میں پے در پے راکٹ گرائے جا رہے تھے۔ اور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی گولیوں اور بم دھماکوں سے پورے علاقے میں بھونچال کی سی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کا صدر تھر تھر کانپتا ہوا فوج کی گاڑی میں جب لال چوک پہنچا تو چوک کے گھنٹہ گھر پر جھنڈا نصب کرتے ہوئے جھنڈا اُس کے ہاتھ سے گر گیا اور اُسے خوف کی حالت میں فوجی گاڑی میں لاد کر بادامی باغ کی فوجی چھاؤنی میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں سے وہ زبردست فوجی پہرے میں ائیرپورٹ لے جایا گیا اور طیارے میں سوار کر کے واپس جموں بھیجا گیا۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر کو لال چوک تک لانے کی کارروائی کے دوران ۲۸ سے زیادہ افراد کو ہلاک کیا گیا، جن میں نصف درجن ہتھیار بند کشمیری نوجوان اور باقی سب عام شہری شامل تھے۔

چنانچہ جب چار دن تک مسلسل کرفیو نافذ رکھنے کے بعد ۲۹ جنوری ۱۹۹۲ء کو کرفیو اُٹھایا گیا تو سرینگر اور قصبہ جات میں فورسز کی اندھا دھند فائرنگ سے درجنوں افراد کو ہلاک کیے جانے کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے گئے اور مکمل ہڑتال کی گئی۔ فورسز کی جبر و زیادتیوں، اندھا دھند طور پر لوگوں کو ہلاک کرنے کے خلاف ۴ فروری ۱۹۹۲ء کو کشمیر کے

تمام ڈاکٹروں، نرسوں اور طبی عملے نے بطور احتجاج شاہراہوں پر مظاہرے کرتے ہوئے سونہ وار علاقے میں اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین کے ہیڈ کوارٹر پر جا کر احتجاجی میمورنڈم پیش کیا جس کے فوراً بعد اس مظاہرے کو منتشر کرنے کے لیے لوگوں پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ فروری کے پہلے ہفتہ میں جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ کے سربراہ امان اللہ خاں نے آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد میں اعلان کیا کہ فرنٹ کے ہزارہا ممبر اور حامی مقبول بٹ کی برسی پر ۱۱ فروری ۱۹۹۲ء کو کشمیر کی لائن آف کنٹرول عبور کر کے کشمیر میں داخل ہو جائیں گے جس کی وجہ سے لائن آف کنٹرول پر صورت حال سنگین ہو گئی اور جب لبریشن فرنٹ کے ہزاروں حامی کنٹرول لائن کی طرف مارچ کر رہے تھے اور ان کے ساتھ ڈیڑھ سو بسوں کا قافلہ بھی تھا۔ پاکستانی فوج نے طاقت استعمال کر کے اُن سب کو لائن آف کنٹرول کی طرف جانے سے روک لیا۔

پاکستانی فوج کی اس کارروائی پر لوگوں نے اس شاہراہ پر تشدد آمیز مظاہرے کیے جس پر ہزارہا لوگ لائن آف کنٹرول توڑنے کے لیے آ چکے تھے۔ ان ہنگاموں میں لبریشن فرنٹ کے ۱۳، افراد ہلاک اور پچاس سے زیادہ زخمی ہوئے، فرنٹ کے سربراہ امان اللہ خاں اور دوسرے عہدیداروں کو گرفتار کر لیا گیا۔

ایسے حالات میں وادی میں تشدد کی وارداتیں ہوئیں، درجنوں افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔ احتجاجی مظاہرے کیے گئے اور ساری وادی میں حکام نے کرفیو نافذ کر دیا، سرینگر میں کرفیو کی خلاف ورزی کرتے ہوئے احتجاجی جلوس نکالے گئے۔ سوپور میں مظاہرین پر گولی چلا دی گئی اور آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد میں بھی احتجاجی مظاہرے کیے گئے اور پھر لبریشن فرنٹ نے دوبارہ اشفاق مجید وانی کے یوم شہادت پر ۳۰ مارچ ۱۹۹۲ء کو دوبارہ لائن آف کنٹرول توڑنے کے فیصلے کا اعلان کر دیا اور آزاد کشمیر اور پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں رہنے والے کشمیریوں نے اس اعلان کی حمایت کرتے ہوئے اس کے حق میں مظاہرے کیے۔ ۲، فروری ۱۹۹۲ء کو سرینگر کے پولیس ہیڈ کوارٹر میں ایک خوفناک بم دھماکا ہوا۔ یہ دھماکا ایسے موقع پر کیا گیا جب وہاں اعلیٰ پولیس افسر ڈائرکٹر جنرل پولیس

کے دفتر میں ایک اہم اجلاس کر رہے تھے۔ اس دھماکے میں ڈائرکٹر جنرل پولیس اس قدر زخمی ہو گیا کہ وہ ہمیشہ کے لیے ناکارہ بن گیا۔ دوسرے کئی پولیس افسر بھی زخمی ہو گئے۔ اور حزب المجاہدین نے اعلان کیا کہ پولیس ہیڈ کوارٹر کو اسی تنظیم نے دھماکے سے اُڑا دینے کی کوشش کی ہے۔

۸، مارچ ۱۹۹۲ء کو سمبل میں ایک جنگجو نوجوان بلال مصطفےٰ امیر کو فورسز نے گولی مار کر ہلاک کر دیا، بلال مصطفےٰ امرحوم میر مصطفےٰ کا بیٹا تھا، جسے جنگجو نوجوانوں نے دو سال پہلے اغوا کر کے ہلاک کیا تھا۔

۱۶، مارچ ۱۹۹۲ء کو پانڈی پور میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی کارروائی میں ایک ریٹائرڈ پروفیسر رشید نازکی کی بیوی اور اس کے تین بچوں سمیت آٹھ افراد ہلاک ہوئے اور سرینگر میں مہاراج گنج کے قریب غلام احمد کھنڈہ کشتی باش کو مزدوری کرتے ہوئے بندوق بردار کشمیری نوجوانوں نے گولی مار کر ہلاک کر دیا، اور سکیورٹی فورسز کی طرف سے بھی اندھا دھند فائرنگ میں ۲۵ سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے، جن میں وانگن پورہ عیدگاہ میں العمر مجاہدین کے پانچ جنگجو نوجوان بھی شامل تھے، اسی دوران اخوان المسلمین کے جاوید احمد شالہ سمیت کئی افراد دوبارہ گرفتار کیے گئے۔ جاوید احمد شالہ کو انڈین آئل کارپوریشن کے ڈائریکٹر مسٹر سوامی کی رہائی کے بدلے جیل سے چھوڑا گیا تھا۔ اُدھر ۳۰، مارچ ۹۲ء کو لائن آف کنٹرول کی طرف کیے جانے والے مارچ کے پیش نظر لبریشن فرنٹ کے چیرمین امان اللہ خاں اور راولپنڈی اور مظفر آباد میں ان کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کا صدر دفتر سربمہر کر دیا گیا، جس کے خلاف سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں لبریشن فرنٹ کی اپیل پر احتجاجی مظاہرے کیے گئے، جن کے دوران دس سے زیادہ افراد ہلاک ہو گئے۔ درجنوں گرفتار بھی کیے گئے۔

جاوید احمد شالہ اور محمد صدیق صوفی کے بارے میں جب سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ وہ حراست کے دوران بھاگ گئے ہیں تو اس اعلان کے خلاف سرینگر میں سینکڑوں خواتین اور ہزارہا مردوں نے احتجاجی مظاہرے کیے اور الزام لگایا کہ گرفتار کیے گئے دونوں نوجوانوں

کو زیرِ حراست ہلاک کر دیا گیا ہوگا، جس کی پردہ پوشی کے لیے اس طرح کا جعلی اعلان کیا جا رہا ہے۔

۳۰ مارچ ۱۹۹۲ء کو اشفاق مجید وانی کے دوسرے یومِ شہادت اور لائن آف کنٹرول عبور کرنے کے پیشِ نظر ساری وادی میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ اسی دن سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ سید علی گیلانی، عبدالغنی لون، مولوی عباس انصاری، ڈاکٹر قاضی نثار اور پروفیسر عبدالغنی جو ڈھائی سال سے جیلوں میں نظر بند تھے کو رہا کیا جا رہا ہے، چنانچہ ان سب کو ۳۱ مارچ ۱۹۹۲ء کو رہا کر دیا، اپنی رہائی کے بعد جب وہ یکم اپریل ۱۹۹۲ء کو سرینگر آئے تو انھوں نے ایک پریس کانفرنس میں اعلان کر دیا کہ وہ اپنے اس موقف پر قائم ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ حق خودارادیت کی بنیاد پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کیا جائے، ۶ مئی ۹۲ء کو جب ہندوستان کے اندرونی سلامتی کے وزیر راجیش پائیلٹ سرینگر کے دورے پر آئے تو خانیار کے علاقے میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے اُن کی گاڑی اور محافظوں کے کارواں پر حملہ کر کے راجیش پائیلٹ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔

راجیش پائیلٹ کو سیکیورٹی فورسز نے بچا لیا اور اس کے جواب میں سیکیورٹی فورسز نے شہریوں پر اندھا دھند گولیاں چلادیں، جس میں ایک خاتون اور دوسرے تین افراد موقع پر ہلاک کر دیئے گئے۔ ان میں ایک اخبار کا مدیر تاردبل کا ناصر شاہ بھی شامل تھا۔ اس واردات کے بعد فورسز نے جبر کی اپنی کارروائیوں میں ہولناک حد تک اضافہ کر دیا۔ سرینگر اور کچھ دوسرے علاقوں میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی طرف سے گنجان آباد علاقوں، بازاروں اور کاروباری مرکزوں میں گرینیڈ پھینکنے کا سلسلہ بھی ایک معمول بن گیا۔ جن میں سیکیورٹی عملے کے کچھ افراد بھی زخمی اور ہلاک ہو رہے ہیں۔ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی طرف سے بندوق کے غلط استعمال کی وارداتوں میں اضافہ ہو رہا ہے، جس کے خلاف لوگوں میں پائے جانے والے غم و غصے کی بنا پر سید علی گیلانی نے حضرت بل کے جلسے میں نہایت سخت الفاظ میں بندوق کے غلط استعمال شہریوں کے اغوا کی وارداتوں اور بار بار ہڑتال کی کال دینے کا سلسلہ بند کرنے کے لیے کہا۔ مختلف درجوں کے امتحانی مرکزوں میں بھی ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں

کی مداخلت کا سلسلہ چل پڑا، جس کی وجہ سے امتحانات کا تقدس بُری طرح متاثر ہوا۔ نت نئی تنظیموں کے قیام کا کام بھی جاری ہے اور تقریباً ہر روز کوئی نہ کوئی نئی تنظیم وجود میں آرہی ہے۔ جن کا تمام تر انحصار اُن بیانات پر ہے جو اخباروں میں چھپوائے جاتے ہیں اور ان میں متعدد ایسی تنظیمیں بھی شامل ہیں جن کا محض کاغذی وجود ہے۔

۱۵ مئی ۱۹۹۲ء کو سرینگر میں صراف کدل کے قریب العمر مجاہدین کے سربراہ مشتاق احمد زرگر کو سیکیورٹی فورسز نے ان کے ۹ ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا۔ اس کے خلاف العمر اور کچھ دوسری تنظیموں نے احتجاجی ہڑتال کروائی۔ اس ہڑتال کے دوران گولیاں چلنے سے کئی افراد ہلاک اور زخمی ہوئے جن میں خواتین اور کچھ بچے بھی شامل تھے۔

اِدھر کشمیر میں سیکیورٹی فورسز پر راکٹ گرانے، گرنیڈ پھینکنے اور مسلسل حملے کرنے کی وارداتیں روزانہ درجنوں افراد کے ہلاک ہو جانے، گرفتاریوں، دن رات کے چھاپوں، مسلسل ہڑتالوں اور احتجاجی مظاہروں کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا اور اُدھر بین الاقوامی سطح پر کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کا مطالبہ زور پکڑتا جا رہا تھا۔ چنانچہ جون ۹۲ء کے تیسرے ہفتے میں ترکی کے شہر استنبول میں اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کے اجلاس میں اتفاقِ رائے سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ کشمیری عوام کو حقِ خودارادیت دیا جائے اور کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں بند کی جائیں، جس کے بعد امریکی ایوانِ نمائندگان میں کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف ایک قرارداد پیش کی گئی۔ جسے ایوان کی اکثریت نے پاس کر دیا اور جس میں حکومتِ ہند کو سخت وارننگ دی گئی۔ اس کے پانچ دن بعد رابطہ عالمِ اسلامی نے اقوامِ متحدہ کے سیکریٹری جنرل کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں کشمیر کی سنگین صورتِ حال کے حوالے سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ اقوامِ متحدہ کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لیے فوری اقدام کرے، اس کے فوراً بعد نئی دہلی نے بڑھتے ہوئے بین الاقوامی دباؤ کے تحت کشمیر میں انتخابات کروانے کا اعلان کیا۔ تاہم کشمیری عوام اور مسلح کشمیری نوجوانوں نے اس اعلان کو مسترد کر دیا۔ جولائی ۱۹۹۲ء کے پہلے ہفتہ میں کشمیر میں پچاس سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے۔

جبکہ اسی مہینے کے دوسرے ہفتے میں نوّے سے زیادہ افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا، دریں اثنا جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ کے شیخ عبدالحمید نے جیل سے اپنی رہائی کے بعد اپنی تنظیم اور حزب المجاہدین کے درمیان اتحاد قائم کرنے کے لیے کئی اقدامات کیے، جس کا کچھ خاطر خواہ نتیجہ بھی نکلا۔ البتّہ وقفے وقفے سے ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے درمیان گروہی تصادم ہوتے رہے اور اس سے لوگوں میں بد دلی پھیلتی رہی۔

اگست ۱۹۹۲ء کے پہلے ہفتے میں ہتھیار بند کشمیری نوجوان جموں کشمیر بینک کی زینہ کدل شاخ سے پانچ لاکھ روپے لوٹ کر لے گئے۔ کشمیر میں کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا۔ جب درجن دو درجن افراد کو ہلاک نہ کیا جاتا ہو اور کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا جب سکیورٹی فورسز کی جبر و زیادتیوں، ناکہ بندی اور ہلاکتوں کے خلاف سیکڑوں خواتین شاہراہوں اور پبلک مقامات پر مظاہرے نہ کرتی ہوں۔

۴ر ستمبر ۱۹۹۲ء کو العمر مجاہدین کے ڈپٹی چیف اقبال زرگر کو سکیورٹی فورسز نے حراست میں لینے کے فوراً بعد گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس طرح کی وارداتیں تقریباً ہر دن رونما ہو رہی تھیں۔ جن کے بارے میں بعد میں سرکاری طور پر کہا جاتا تھا، کہ یہ لوگ کراس فائرنگ میں مارے گئے، حراست میں لینے کے بعد ہلاک کیے جانے والوں کی تعداد بھی سیکڑوں ہو گئی۔

۱۵ر ستمبر ۱۹۹۲ء کو سوپور میں حزب المجاہدین اور سکیورٹی فورسز کے درمیان زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس میں سکیورٹی فورسز کے کئی اہلکار ہلاک ہوئے۔ اس معرکے میں حزب المجاہدین کے چار اہم کمانڈر، اورنگ زیب، اختر عبدالرحمان دانش الٰہی اور عبدالشکور بھی ہلاک ہو گئے۔ یکم اکتوبر ۱۹۹۲ء کو کشمیر کے ہندوارہ قصبے سے دو میل دور باکی ہاکر گاؤں فورسز نے جلا دیا۔ اور بارہ افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اسی دوران سرینگر میں اخوان المسلمین کے چیف کمانڈر الطاف قریشی، العمر کمانڈوز کے منظور احمد خاں اور جمعیت المجاہدین کے خورشید احمد وانی، محمد صدیق بٹ،

مشتاق احمد اور غلام جیلانی کو سکیورٹی فورسز نے ہلاک کر دیا۔

ستمبر اور اکتوبر ۱۹۹۲ء کے دوران ڈیڑھ سو سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے۔ ۶ر اکتوبر ۹۲ء کو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے جموں وکشمیر بینک کی فتح کدل شاخ لوٹ لی اور وہاں سے ڈیڑھ لاکھ روپے کی رقم لے گئے، یہ بات تعجب خیز تھی کہ ایسی اور اس طرح کی دوسری وارداتوں کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا تھا۔

اکتوبر ۱۹۹۲ء کے مہینے میں مزید ڈیڑھ سو سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے۔ حزب المجاہدین کے سربراہ کی اپیل پر، ۲۷ر اکتوبر ۹۲ء کو سارے کشمیر میں احتجاجی ہڑتال کی گئی، جس دن ۱۹۴۷ء میں ہندوستانی فوج کشمیر لائی گئی تھی۔ دوسری عسکری تنظیموں نے بھی ہڑتال کی اپیل کے لیے حمایت کا اعلان کیا تھا۔ نومبر ۱۹۹۲ء کے پہلے ہفتہ میں ۴۵ سے زیادہ افراد کو ہلاک کیا گیا اس کے علاوہ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے حملوں میں سکیورٹی فورسز کے نصف درجن سے زیادہ اہلکار اور افسر بھی ہلاک ہو گئے۔

نومبر ۹۲ء کے پہلے ہفتے میں ہی جموں کشمیر بینک کی صراف کدل شاخ سے ہتھیار بند کشمیری نوجوان چھ لاکھ روپے لوٹ کر لے گئے۔ جبکہ ۵ر نومبر ۹۲ء کو ریذ کراس شاہراہ پر ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے اس ٹیکسی موٹر کار پر دھاوا بول دیا۔ جس میں نیو بینک آف انڈیا کے ۱۲ لاکھ روپے لے جائے جا رہے تھے ٹیکسی ڈرائیور نے جب مزاحمت کی تو اُسے گولی مار دی گئی۔ اِدھر برطانوی پارلیمنٹ میں ایک قرارداد پیش کی گئی۔ جس میں کشمیر کے حالات پر اظہارِ تشویش اقوام متحدہ کی قراردادوں اور کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا۔

۷ر نومبر ۱۹۹۲ء کو گورنر کشمیر کے مشیر حمید اللہ خاں کو ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی اس حملے میں وہ شدید زخمی ہو گیا۔ تاہم بچ نکلا۔ نومبر ۱۹۹۲ء میں بھی ہر روز درجنوں افراد کو کشمیر میں ہلاک کیا جاتا رہا، جس کے خلاف سرینگر اور دوسرے قصبوں میں زبردست احتجاجی مظاہرے کیے جاتے رہے، ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کو تلاش کرنے کے لیے

شہری علاقوں کی بڑے پیمانے پر ناکہ بندی کر کے سکیورٹی فورسز عام لوگوں پر تشدد ڈھا رہی ہیں۔ گرفتاریاں عمل میں لائی جا رہی ہیں اور گھر گھر تلاشیوں کے دوران توڑ پھوڑ بھی کی جا رہی ہے۔

۲۰ نومبر ۱۹۹۲ء کو سرینگر کے عالی کدل علاقے میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے ایک سرکردہ رکن اور نائب صدر شیخ عبدالحمید ہلاک ہو گئے، جس پر سرینگر میں کہرام مچ گیا۔ تمام کاروبار بند ہو گیا اور لوگوں میں شدید غم و غصہ پھیل گیا۔ سرینگر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا اور کرفیو کے دوران ہی ۲۲ نومبر ۱۹۹۲ء کو شیخ عبدالحمید کو عیدگاہ کے مزارِ شہداء میں سپردِ خاک کیا گیا۔

سرینگر میں چار دن تک تعزیتی ہڑتال رہی اور کئی مقامات پر ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے سکیورٹی فورسز پر حملے کیے۔ لاتعداد لوگوں کو بغیر مقدمہ چلائے جیلوں میں بند رکھنے اور زیرِ حراست ہلاکتوں کے بڑھتے ہوئے واقعات پر انسانی حقوق کے عالمی ادارے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے پھر زبردست احتجاج کیا اور اس کے ساتھ ہی پیپلز لیگ کے لیڈر شبیر احمد شاہ کو ضمیر کا قیدی قرار دیا۔ جس کے چند ماہ بعد جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے سربراہ محمد یاسین ملک کو بھی ضمیر کا قیدی قرار دیا گیا۔ ۲۸ نومبر ۱۹۹۲ء کو اسلام آباد کے قریب حزب المجاہدین کے ہتھیار بند نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز کے درمیان سولہ گھنٹے تک لڑائی ہوئی، جس میں حزب المجاہدین کے دس جنگجو ہلاک ہو گئے۔ جموں کے مختلف علاقوں میں مسلسل بم دھماکے ہو رہے ہیں، جن میں درجنوں افراد ہلاک کیے جاتے ہیں۔ ۳ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بیروہ کے قریب ایک گاؤں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ جس سے گاؤں کی ساری آبادی بے گھر ہو گئی۔

۵ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ہندوستان کے شہر ایودھیا میں تاریخی بابری مسجد مسمار کر دی گئی۔ جس کے خلاف ہندوستان میں مسلمانوں نے زبردست احتجاجی مظاہرے کیے، کشمیر کے طول و عرض میں بھی اس واردات پر غم و غصے کا اظہار کیا گیا اور سرینگر کی جامع مسجد میں میرواعظ مولانا عمر فاروق کی سربراہی میں ایک مشترکہ احتجاجی اجتماع ہوا۔

۱۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو سرینگر کے وانزہ پورہ علاقے میں تقریباً ایک درجن افراد کو سکیورٹی فورسز نے حراست میں لے لیا۔ جن میں سے ریاض احمد خان، اعجاز احمد شیخ، فاروق

احمد خان، فیاض احمد اور منظور احمد کی لاشیں ان کے وارثوں کے حوالے کی گئیں۔ جس کے خلاف سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں میں زبردست احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ ہڑتال کی گئی اور ہلاک کیے جانے والوں کا سوگ منایا گیا۔

دسمبر ۱۹۹۲ء کے مہینے میں بھی پانچ سو سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے اور درجنوں افراد کو انٹروگیشن سینٹروں میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جن میں سے کئی ایک معذور بنا دیئے گئے۔

۲ جنوری ۱۹۹۳ء کو سرینگر میں نصف درجن سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے۔ جن میں حزب المجاہدین کا جنرل شعیب بھی شامل تھا۔ ۶ جنوری ۱۹۹۳ء کو سوپور قصبے میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز کے درمیان خونریز تصادم کے بعد سکیورٹی فورسز نے درجنوں شہریوں کو گولیوں سے بھون ڈالا جس کے بعد مکانوں پر گن پاؤڈر چھڑک کر آگ لگا دی گئی جس میں تقریباً ایک سو افراد مکانوں کے اندر زندہ جلا دیئے گئے۔

اس واردات کے بعد سوپور میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ کرفیو کے نفاذ کے باوجود قصبے کی پوری آبادی سڑکوں پر آ گئی اور احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ اس واردات کے خلاف سرینگر اور دوسرے قصبوں میں بھی احتجاجی مظاہرے کیے گئے اور تعزیتی ہڑتال ہوئی اس المناک واردات کی صدائے بازگشت پوری دنیا میں سنائی دی سوپور میں کرفیو کے باوجود مسلسل احتجاجی مظاہرے کرنے والوں پر سکیورٹی فورسز نے بار بار گولی چلائی۔ ان واقعات میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کے علاوہ تین درجن سے زیادہ لوگ لاپتہ ہو گئے، اور کشمیر میں پوری زندگی سہم کر رہ گئی۔

سکیورٹی فورسز سرینگر اور قصبہ جات میں پیدل چلنے والوں کی جگہ جگہ تلاشی لیتی ہے شہریوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے والی گاڑیوں کو جگہ جگہ روک کر ان کی تلاشی لی جا رہی ہے۔ وسیع تر شہری علاقے محاصرے میں لے کر گھر گھر تلاشی لی جا رہی ہے اور ساری آبادی سخت ترین مصیبت میں مبتلا کر دی گئی ہے۔ احتجاجی مظاہرہ کرنے والوں پر بے تحاشا فائرنگ ہوتی ہے

کُل جماعتی حُریّت کانفرنس کا قیام

ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی کارروائیوں کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا ہے اور کشتواڑ اور بھدرواہ میں بھی سیکیورٹی فورسز پر حملے کیے جا رہے ہیں۔ امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے اپنے خطاب کے دوران کشمیر کا خاص طور پر ذکر کیا اور کشمیر کے مسئلے کو عالمی امن کے لیے خطرہ قرار دیا۔

۲۶ر جنوری ۱۹۹۳ء کو سرینگر کے بخشی اسٹیڈیم میں ہندوستان کے یوم جمہوریہ کی تقریب پر بخشی اسٹیڈیم پر راکٹ برسائے گئے۔ مختلف علاقوں میں لرزہ خیز دھماکے کیے گئے اور سارے کشمیر میں احتجاجی ہڑتال کی گئی۔

اسی دوران دخترانِ ملّت کی سربراہ آسیہ اندرابی اور اس کے خاوند محمد قاسم کو اُنکے شیرخوار بچے سمیت سرینگر کے ایرپورٹ پر اس وقت گرفتار کر لیا گیا جب وہ کچھ عرصہ کشمیر سے باہر گزارنے کے بعد واپس کشمیر آرہے تھے۔

ایک اندازے کے مطابق جنوری اور فروری ۱۹۹۳ء میں سات سو سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے۔

۸ر مارچ ۱۹۹۳ء کو کشمیر میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا، جب میرواعظ عمر فاروق کی قیادت میں ۳۲ مختلف جماعتوں نے "کل جماعتی حریت کانفرنس" کے نام سے ایک مشترکہ سیاسی پلیٹ فارم کا قیام عمل میں لایا۔ اس اقدام سے کشمیری عوام کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اور تمام طبقوں کی طرف سے اس کانفرنس کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا گیا۔ کل جماعتی حریت کانفرنس میں عوامی ایکشن کمیٹی، جماعت اسلامی، پیپلز کانفرنس، جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ پیپلز لیگ، انجمن اتحاد المسلمین، مسلم کانفرنس کے علاوہ دوسری سیاسی مذہبی اور عسکری جماعتیں شامل ہوگئیں۔ نئی دہلی نے کشمیر کے گورنر گریش چندر سکسینہ کو سبکدوش کر کے ایک ریٹائرڈ جنرل کرشنا راؤ کو کشمیر کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس تبدیلی کو ہندوستان مخالف

پارٹیوں نے مسترد کر دیا، دوسری طرف ہندوستان نواز پارٹیوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔

۱۳ر مارچ ۱۹۹۳ء کو مسلح جدوجہد کے ایک سرکردہ لیڈر اور جمعیت المجاہدین کے امیر اعلیٰ ناصر الاسلام کو نور باغ کے قریب سکیورٹی فورسز نے گرفتار کرنے کے فوراً بعد ناصر الاسلام اور ان کے ساتھ تبسم الاسلام کو گولی مار دی اور ان کی لاشیں ایک نالے میں پھینک دی گئیں۔ اس واردات کے خلاف سرینگر اور قصبہ جات میں احتجاجی ہڑتال کی گئی اسی دوران جماعتِ اسلامی کے لیڈر سید علی گیلانی کو صورہ ہسپتال سے جہاں وہ زیر علاج تھے کشمیر ہتھیار بند نوجوانوں نے زبردستی اٹھا لیا اور دو دن کے بعد اُن کو چھوڑ دیا گیا۔

۳۱ر مارچ ۱۹۹۳ء کو اونتی پورہ میں محمد مقبول گنائی، کپواڑہ میں غلام محی الدّین کمار ہندوارہ اور پٹن میں دو ایسے افراد کی لاشیں سڑک پر پائی گئیں جن کو مسلح کشمیری نوجوانوں نے اغوا کرنے کے بعد ہلاک کر دیا تھا، اور پھر یکم اپریل ۱۹۹۳ء کو صبح سویرے کشمیر کے ایک سرکردہ ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر عبدالاحد گورو کی سرینگر کے صورہ علاقے میں گولیوں سے چھلنی لاش پڑی ہوئی پائی گئی۔ جسے بعض مسلح کشمیری نوجوانوں نے ۳۱ر مارچ ۱۹۹۳ء شام کو صورہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ سے اپنی گاڑی میں نکلتے ہی اغوا کر لیا تھا۔

ڈاکٹر عبدالاحد گورو چونکہ ہندوستان کے خلاف جدوجہد کے ایک اہم اور شہرت یافتہ رُکن تھے اس لیے ان کے قتل کے خلاف سارے کشمیر میں زبردست غم و غصّے کا اظہار کیا گیا۔ البتہ ان کو قتل کرنے کی بھی کسی نے ذمّہ داری قبول نہیں کی۔

۳۱ر مارچ ۱۹۹۳ء شام سے پہلے ڈاکٹر عبدالاحد گورو سرینگر کے صورہ ہسپتال سے نکل کر جب اپنی گاڑی میں سوار ہوئے تو ان کے ساتھ ہسپتال کا ڈاکٹر خورشید عالم بھی گاڑی میں سوار ہوا۔ گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی تین نامعلوم لڑکے گاڑی کے قریب نمودار ہوئے اور انھوں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ وہ انھیں بھی حول تک اپنی گاڑی میں لے چلیں۔ ڈاکٹر عبدالاحد گورو نے ان تینوں کو گاڑی میں بٹھا لیا۔ گاڑی جب نوشہرہ پہنچی تو ایک لڑکے نے ڈاکٹر صاحب سے گاڑی روکنے کے لیے کہا اور اس کے ساتھ ہی

ریوالور دکھاکر ڈاکٹر خورشید عالم کو گاڑی سے نیچے اُتار دیا اور گاڑی سمیت ریوالور کی نوک پر ڈاکٹر عبدالاحد گورو کو اغوا کرلیا اور دوسرے دن صبح سویرے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان کو سرینگر کے صورہ علاقے میں لے جاکر ان پر گولیوں کے پے درپے راؤنڈ چلائے گئے جہاں وہ موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے۔

جب ڈاکٹر عبدالاحد گورو کا جنازہ سرینگر کے برزلہ علاقے میں اُن کی قیام گاہ سے اُٹھایا گیا۔ تو جنازے کے جلوس میں ہزاروں لوگ شامل تھے اور جب جنازہ ان کے گھر سے نکل رہا تھا تو سیکورٹی فورسز نے جنازہ اُٹھائے ہوئے لوگوں پر گولی چلادی جس میں ڈاکٹر عبدالاحد گورو کا جواں سال برادرِ نسبتی میاں عاشق حسین ہلاک کیا گیا اور دوسرے کئی افراد زخمی ہوگئے۔ اس سے پہلے بھی جب ڈاکٹر عبدالاحد گورو کا جنازہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ سے اُٹھایا گیا تھا اور اسے برزلہ ڈاکٹر موصوف کی قیام گاہ کی طرف لے جایا جارہا تھا تو سیکورٹی فورسز نے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے گیٹ پر جنازے کے جلوس کو روکنے کی کوشش کی اور لاش فورسز کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن مشتعل ہجوم نے سیکورٹی فورسز کا مطالبہ مسترد کردیا۔ جس پر سیکورٹی فورسز نے جنازے کے جلوس پر لاٹھی چارج کیا اور فائرنگ بھی کی۔

۲ر اور ۳ر اپریل ۱۹۹۳ء کو سارے کشمیر میں ڈاکٹر عبدالاحد گورو کا ماتم منایا گیا۔ اور سارے کشمیر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اس سے تقریباً تین ہفتے قبل برزلہ کے قریب ہی سیکورٹی فورسز نے کشمیر کے ایک ممتاز ڈاکٹر فاروق عشائی کی ماروتی کار پر اندھا دھند فائرنگ کرکے ان کو ہلاک کردیا تھا۔

ڈاکٹر عبدالاحد گورو اس سے پہلے ڈاکٹر فاروق عشائی کے قتل سے کشمیری ڈاکٹر سخت خوف زدہ ہوگئے۔ اور کئی بڑے ڈاکٹروں نے کشمیر سے باہر چلے جانے کے ارادے سے بستر باندھ لیے۔

ڈاکٹر عبدالاحد گورو کے چہارم کی تقریب پر عیدگاہ کے مزارِ شہداء میں ہزارہا سوگوار

عوام نے ان کی فاتحہ خوانی میں حصّہ لیا، ۱۹۹۳ء کے پہلے چار ماہ کے دوران بھی ڈیڑھ سو سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے اور سرینگر اور قصبہ جات میں وسیع علاقوں کی ناکہ بندی، جبر وتشدد اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں بھی جاری رکھی گئیں اور اس دوران بھی حزب المجاہدین، لبریشن فرنٹ اور دوسری عسکری تنظیموں کے درجنوں کمانڈر اور دوسرے کشمیری ہتھیار بند نوجوان ہلاک کئے گئے، جس پر انسانی حقوق کے عالمی ادارے نے پھر ایک بار ہندوستان سے احتجاج کیا۔

اپریل ۹۳ء کے پہلے ہفتہ میں ہی حزب المجاہدین کے ایک سرکردہ ڈویژنل کمانڈر مقبول الٰہی اپنے چار ساتھیوں سمیت سیکورٹی فورسز کے ساتھ ایک معرکہ میں سرینگر کے قریب جاں بحق ہوگئے، ۱۰ر اپریل ۹۳ء کو لال چوک، بڈشاہ چوک، کوکر بازار، مائسمہ کا پورا علاقہ سیکورٹی فورسز نے نذرِ آتش کردیا۔ اسی علاقے میں اندھادھند فائرنگ سے کئی افراد ہلاک اور زخمی ہوئے اور تین انسانی جانیں آتشزنی کی واردات میں زندہ جلادی گئیں۔ ۱۵ر اپریل ۹۳ء کو سوپور میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سیکورٹی فورسز کے درمیان خونریز معرکہ آرائی ہوئی۔ اس معرکہ آرائی میں حزب المجاہدین، تحریک المجاہدین اور دوسری عسکری تنظیموں نے حصّہ لیا اور پانچ سے زیادہ سیکورٹی فورسز کے اہلکار ہلاک کیے گئے۔

۱۷ر اپریل ۱۹۹۳ء کو کپواڑہ کے قریب فوجی محاصرے کے دوران چھ دیہاتیوں کو گولی ماردی گئی اور دوسرے علاقوں میں ۲۵ سے زیادہ افراد ہلاک کئے گئے۔ اس کے چار دن بعد کشمیر پولیس نے بغاوت کردی اور سرینگر میں پولیس کنٹرول روم پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ جس پر سرینگر میں فوج طلب کرلی گئی۔ اور پولیس اور فوج میں تصادم کے بعد پولیس کو کنٹرول روم سے نکال دیا گیا۔

پولیس فورس نے سرینگر میں احتجاجی جلوس نکالا اور سونہ وار جاکر اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین کو ایک احتجاجی میمورنڈم پیش کیا۔ چنانچہ سیکورٹی فورسز نے پولیس فورس کے سینکڑوں افراد گرفتار کرلیے۔ اپریل ۹۳ء میں دوسرے دو ہفتوں کے دوران ڈھائی سو سے

زیادہ لوگ ہلاک کیے گئے، جن میں حزب المجاہدین، لبریشن فرنٹ اور دوسری عسکری تنظیموں کے ہتھیار بند کشمیری نوجوان شامل تھے۔ مئی ۹۳ء کے پہلے ہفتے میں ڈیڑھ سو سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے اور اس دوران بھی بارودی سرنگوں کے دھماکے، سکیورٹی فورسز پر حملے، گرینیڈ پھینکنے، شہری آبادی پر تشدد ڈھانے، چھاپے مارنے اور تلاشیاں لینے کا عمل برابر جاری رکھا گیا۔ فوج نے اوپریشن فلش آؤٹ کے تحت درجنوں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کو ہلاک کر دیا۔

اسی دوران امریکی صدر نے نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیا رابن رافیل اور ایک دوسرے نائب وزیر خارجہ جان میلوٹ کو نئی دہلی بھیجا تاکہ کشمیر کا مسئلہ پُرامن طور پر حل کروانے کے لیے ہندوستان اور پاکستان میں مذاکرات شروع کروائے جا سکیں۔

مئی ۹۳ء کے دوسرے پندرھواڑے میں بھی دو سو سے زیادہ افراد ہلاک کئے گئے۔ زیر حراست ہلاکتوں کے خلاف تقریباً ہر روز سرینگر میں بھاری تعداد میں خواتین مظاہرے کر رہی ہیں ہڑتالوں کا سلسلہ بھی جاری ہے،

جون ۱۹۹۳ء کے مہینے کے دوران بھی تین سو سے زیادہ افراد کو ہلاک کر دیا گیا۔ ان میں سکیورٹی فورسز کے بہت سے اہلکار بھی شامل بتائے گئے۔ سرینگر میں جب سول سکریٹریٹ پر دن دہاڑے راکٹ برسائے گئے، تو گورنر انتظامیہ اور سکیورٹی فورسز میں سراسیمگی پھیل گئی۔ جس پر فوج نے اوپریشن ہنٹ ڈاؤن شروع کر دیا اور بلا امتیاز لوگ قتل کیے جانے لگے۔

یکم جولائی ۹۳ء کو سرینگر میں پھر محرم کے جلوس پر پابندی عائد کی گئی اور کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ جولائی ۱۹۹۳ء کے پہلے ہفتے میں تقریباً دو سو سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے جن میں زیادہ تر ہتھیار بند کشمیری نوجوان تھے۔ ان میں سکیورٹی فورسز کے پانچ اہلکار اور ایک افسر بھی شامل تھے۔ ان بے دریغ ہلاکتوں پر انسانی حقوق کے عالمی ادارے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ہندوستان سے پھر احتجاج کیا اور کہا کہ روزانہ درجنوں افراد کو زیر حراست ہلاک کیا جا رہا ہے۔ ۱۳ جولائی ۹۳ء کو یوم شہدائے کشمیر پر سرینگر میں پھر کرفیو نافذ کر دیا گیا

اور سرحد پر ایک خونریز جھڑپ میں سولہ ہتھیار بند کشمیری نوجوان ہلاک کئے گئے۔

۱۷ جولائی ۹۳ء کو بانڈی پور کے قریب ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز کے درمیان چھ گھنٹے تک لڑائی ہوئی، جس میں کئی سکیورٹی اہلکاروں سمیت ۲۲ افراد ہلاک ہو گئے۔ اسی دوران سرینگر اور وادی کے مختلف علاقوں میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے درمیان گروہی تصادم بھی ہو رہے ہیں، جن کے خلاف لوگ شدید ردِ عمل کا اظہار کر رہے ہیں۔

۲۱ جولائی ۹۳ء کو جھڑپوں کے دوران ایک درجن افراد ہلاک ہوئے جن میں دس ہتھیار بند کشمیری نوجوان شامل تھے۔ کشمیر میں احتجاجی ہڑتالوں کا سلسلہ اور ہلاکتوں اور جبر و زیادتیوں کے خلاف خواتین کے احتجاجی مظاہرے جاری ہیں۔ ۲۴ جولائی ۹۳ء کو مزید دس افراد ہلاک کیے گئے۔ اور ڈوڈہ میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے سولہ فوجیوں کو اغوا کر لیا اور اسلحہ خانہ لوٹ لیا گیا۔

۲۹ جولائی ۹۳ء کو گیارہ افراد ہلاک کیے گئے۔ ان میں تحریک المجاہدین کا چیف کمانڈر محمد سلیم وانی بھی شامل تھا۔ جسے سرینگر میں پولوگراؤنڈ کے قریب سکیورٹی فورسز نے حراست میں لیا اور فوجی گاڑی میں سرینگر کے شہید گنج علاقے میں لے جا کر ہلاک کر دیا۔ یکم اگست ۱۹۹۳ء کو مختلف علاقوں میں پندرہ افراد ہلاک کیے گئے۔

۳ اگست ۹۳ء کو سرینگر میں دوبارہ کرفیو نافذ کیا گیا، جب کہ لوگ سرینگر کے دری بل علاقے میں ایک شہری عبدالرشید ڈار، اُس کی جواں سال بیوی اور سات سالہ بچّے کو ہلاک کرنے کے خلاف احتجاجی مظاہروں پر اتر آئے۔ اُن کو سکیورٹی فورسز نے ان کے گھر میں زبردستی گھس کر گولی مار دی تھی۔ اس کے خلاف خانیار، بٹہ مالو اور دوسرے بہت سے علاقوں میں ہزارہا خواتین نے سڑکوں پر آکر احتجاج کیا۔ سارا سرینگر کئی دن تک سراپا احتجاج اور مظاہروں کے مناظر پیش کرتا رہا۔ اسی دوران سرینگر اور دوسرے علاقوں میں بارہ سے زیادہ لوگ ہلاک ہوئے اور سرحد پر ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز

میں جھڑپوں کے درمیان ۲۵ ہلاک کیے گئے، ۱۷ر اگست کو وادی کے مختلف علاقوں میں ۲۲ر افراد ہلاک کیے گئے۔ ۲۲ر اگست ۹۳ء کو دس افراد ہلاک کیے گئے۔ ۲۴ر اگست ۹۳ء کو ۱۴، افراد ہلاک کئے گئے۔ ۲۸ر اگست ۹۳ء کو سولہ افراد ہلاک کیے گئے۔ جبکہ ۳۱ر اگست ۹۳ء کو صرف سوپور کے قریب سنگرامہ میں آٹھ افراد ہلاک کیے گئے۔ ۴ر ستمبر ۹۳ء کو ۲۸ سے زیادہ افراد ہلاک کئے گئے اور پچاس گرفتار کیے گئے۔ بے تحاشا ہلاکتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ سرینگر اور قصبہ جات میں احتجاجی مظاہرے ہو رہے ہیں جن میں خواتین بڑھ چڑھ کر حصّہ لے رہی ہیں اور مختلف علاقوں کی ناکہ بندی، گھر گھر تلاشی، جبر و تشدد اور گرفتاریوں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

ستمبر ۹۳ء کے آخری دو ہفتوں میں لاتعداد لوگ ہلاک کیے گئے۔ ۱۰ر اکتوبر ۹۳ء کو درگاہ حضرت بل کا محاصرہ کر لیا گیا۔ کشمیر یونیورسٹی اور انجنیئرنگ کالج بھی اس دائرے میں لائے گئے اور حضرت بل کے دھوبی گھاٹ محلے کے تین افراد لالہ ڈار، غلام محمد ڈار اور عبدالرشید کی لاشیں برآمد ہوئیں۔ درگاہ کے محاصرے کے خلاف لوگوں میں زبردست غم و غصہ پیدا ہو گیا۔ اسی دوران حضرت بل کے احاطے میں آگ کی پُراسرار واردات ہوئی اور ۱۶ر اکتوبر کو فوج نے درگاہ کے محاصرے کا چارج خود سنبھال لیا۔

**

درگاہِ حضرت بل محاصرے میں

البرق کا چیف کمانڈر خالد جبران ساتھیوں سمیت ہندوارہ میں ہلاک کئے گئے درگاہ حضرت بل کے محاصرے پر کشمیری عوام کے جذبات قابو سے باہر ہو گئے اور اس کے خلاف زبردست مظاہرے شروع ہو گئے۔

درگاہ حضرت بل کے محاصرے پر بین الاقوامی سطح پر بھی شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا۔ سرکاری طور پر بتایا گیا کہ درگاہ کے اندر جنگجو نوجوان ہیں اس لیے درگاہ کا محاصرہ کر لیا گیا ہے۔ درگاہ حضرت بل کے مسلسل محاصرے کے خلاف ۱۹ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو حریت کانفرنس کے خواجہ عبدالغنی لون کی قیادت میں ایک احتجاجی جلوس نکالا گیا، جس میں پروفیسر عبدالغنی نعیم احمد خاں اور دوسرے کئی زعماء بھی شامل تھے۔ یہ جلوس جو بڑہ مالو سے نکالا گیا تھا، جب سرینگر کے بڈشاہ پل کے قریب پہنچا تو سکیورٹی فورسز نے اس جلوس پر بے تحاشا لاٹھی چارج کیا۔ گولیاں بھی چلائی گئیں اور زبردست مار دھاڑ کی گئی۔

لاٹھی چارج میں خواجہ عبدالغنی لون شدید زخمی ہوئے، ان کو اسی حالت میں گرفتار کرکے بڈشاہ چوک کی اکھاڑہ بلڈنگ میں پہنچایا گیا۔ جہاں سے اُن کو زخمی حالت میں نئی دہلی بھیجا گیا اور وہاں آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں داخل کر دیا گیا۔ اس تشدد پر بیرونی ممالک میں بھی شدید ردّ عمل ہوا۔ چنانچہ واشنگٹن سے ہدایت ملنے پر نئی دہلی میں متعین امریکی سفیر ہسپتال میں خواجہ عبدالغنی لون کی عیادت کو گئے۔ واشنگٹن میں امریکی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیا رابن رافیل نے اپنے ایک بیان میں درگاہ حضرت بل کے محاصرے کو انتہائی غیر پسندیدہ اور سنگین کارروائی قرار دیا، اور حکومتِ ہندوستان سے کہا کہ درگاہ

کا تقدس ہر قیمت پر بحال رکھا جائے۔ انھوں نے ۱۹ر اکتوبر کو احتجاجی جلوس پر تشدّد ڈھانے اور بون صاحب کے زخمی ہونے پر بھی تشویش کا اظہار کیا۔

۲۱ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو حریت کانفرنس نے جب درگاہ تک مارچ کرنے کا اعلان کیا، تو حکومت نے حریت کانفرنس کے سربراہ میرواعظ مولوی عمر فاروق کے گھر پر فوجی پہرہ بٹھا دیا تاکہ وہ گھر سے نہ نکل سکیں اور درگاہ کی طرف جانے والے تمام راستوں کو بند کر دیا گیا۔

۲۲ر اکتوبر ۱۹۹۳ء جمعہ کو حریت کانفرنس نے دوبارہ درگاہ تک مارچ کرنے کا اعلان کیا تو سرینگر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

۲۴ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو کشمیر کے بیجبہاڑہ قصبے میں حضرت بل کے محاصرے کے خلاف ایک پُر امن جلوس نکالا گیا، جس پر سکیورٹی فورسز نے بلا کسی اشتعال کے اندھا دھند فائرنگ کی جس سے پچاس سے زیادہ افراد ہلاک اور ۷۰ زخمی ہو گئے۔ اسی دن سرینگر کی شاہی مسجد سے ایک احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ جب یہ جلوس سرینگر میں فتح کدل کے قریب پہنچا تو سکیورٹی فورسز نے اس پر بے تحاشا گولیاں چلائیں جس میں ۱۶ افراد ہلاک اور ۲۲ شدید زخمی ہو گئے۔ سرینگر کے مختلف علاقوں سے بھی کرفیو کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہزاروں لوگوں پر مشتمل احتجاجی جلوس نکالے گئے۔ جن پر لاٹھی چارج اور ٹیر گیس استعمال کی گئی اور درجنوں افراد کو زخمی کر دیا گیا۔

سرینگر میں پورے دس دن تک مسلسل کرفیو نافذ رکھا گیا اور پچاس ہزار سے زیادہ فوجی اور نیم فوجی دستے متعین رکھے گئے، درگاہ حضرت بل کے تمام راستوں کی سخت ترین ناکہ بندی کر لی گئی۔ اسلام آباد میں جب خواتین نے احتجاجی جلوس نکالا تو اس پر گولی چلا دی گئی۔ جس سے ایک خاتون ہلاک اور چار زخمی ہو گئیں۔

سارے کشمیر میں ایک طوفان بپا تھا بین الاقوامی سطح پر بھی درگاہ حضرت بل کے محاصرے کے خلاف تشویش کا اظہار کیا جانے لگا۔ اسلامی ملکوں کی تنظیم اور رابطۂ عالم اسلامی نے بھی محاصرے کے خلاف شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا اور ہندوستان پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ

مسلمانوں کے اس مقدّس مقام کے تقدّس کو نقصان پہنچانے سے گُریز کرے۔ پاکستان میں بھی عوامی اور سرکاری سطح پر درگاہ کے محاصرے کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا۔ کشمیر میں ۳۶۴ گھنٹے تک مسلسل احتجاجی ہڑتال رہی اور جگہ جگہ احتجاجی مظاہرے ہوتے رہے، زبردست دباؤ کے تحت فوجی حکام نے درگاہ حضرت بل کے محاصرے پر مذاکرات شروع کیے۔ تاہم کسی اہم فریق نے اِن مذاکرات میں حصّہ نہیں لیا۔

کشمیر میں ۲۳ دن کی مسلسل ہڑتال کے بعد چند گھنٹے کے لیے ضروری چیزیں فروخت کرنے والی دُکانیں کھولی گئیں۔ اُدھر درگاہ حضرت بل کے محاصرے پر تشویش کا اظہار کرنے کے لیے برطانوی پارلیمنٹ کے ممبروں کے ایک گروہ نے اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل سے ملاقات کی اور ان سے اس معاملے میں مداخلت کے لیے کہا گیا۔ اسی دوران بلجیم میں کشمیر پر طلب کی گئی ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے جب لبریشن فرنٹ کے چیرمین امان اللہ خاں کراچی سے بلجیم پہنچے تو ہندوستانی حکومت کے ایما پر انٹر پول نے ان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ کشمیر میں درگاہ حضرت بل کے محاصرے کے خلاف مسلسل احتجاجی مظاہرے ہو رہے ہیں۔

۱۲ر نومبر ۱۹۹۳ء کو سرینگر میں پھر کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ جس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لوگوں نے شاہراہوں اور سڑکوں پر آ کر احتجاجی مظاہرے کیے۔ اِس دوران درگاہ حضرت بل کی مسجد ویران رہی جہاں کوئی نماز ادا نہیں کی جا سکی اور نہ اذان دی جا سکی۔ کشمیر کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا، جب حکمران فوج نے درگاہ حضرت بل کو محاصرے میں لیا، جہاں پیغمبرؐ اسلام کے موئے مبارک بھی ہیں اور جن کے ساتھ کشمیری مسلمانوں کو زبردست عقیدت ہے۔ جس وقت درگاہ حضرت بل کا محاصرہ کیا گیا۔ وہاں کچھ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے علاوہ تقریباً ایک سو شہری بھی موجود تھے۔ وہ بھی محصور لوگ فاقہ کشی پر مجبور ہو گئے۔ فوجی حکام نے مسلم اوقاف ٹرسٹ جو درگاہ کے انتظامات کا ذمّہ دار ہے، درگاہ کے اندر غذائی اجناس یا ادویات بھیجنے کی اجازت نہیں دی، دوسرے کسی ادارے کو بھی ایسا کرنے سے روکا۔

گیا، اس سخت ترین ناکہ بندی کے بعد سرکاری افسروں نے لاؤڈ سپیکر کے ذریعے محصور لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم کر کے بات چیت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن درگاہ کے اندر ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور دوسرے شہریوں نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے یا درگاہ خالی کرنے سے بار بار انکار کر دیا، بعد میں پینے کے پانی اور بجلی کی سپلائی بحال کی گئی اور معمولی سی غذائی اجناس اندر لے جانے کی اجازت بھی دی گئی۔ چونکہ کشمیری عوام اور بین الاقوامی سطح پر ہندوستان کے خلاف دباؤ بڑھ رہا تھا، اس لیے فوجی حکام اور حکومت کے اعلیٰ افسروں نے محصور افراد کے ساتھ مذاکرات کے لیے پے در پے کوششیں کیں۔ ایک ماہ کے طویل محاصرے اور غذا اور ضروری ادویات سے محرومی نے محصور لوگوں کو تقریباً موت کے منہ میں دھکیل دیا تاہم اُن کو کشمیری عوام کی مکمل حمایت اور ہمدردی حاصل رہی اور لوگ درگاہ حضرت بل کا محاصرہ اُٹھانے کے لیے کرفیو کی پابندیوں کے باوجود ہر روز احتجاجی مظاہرے کرتے رہے۔ جانی اور مالی قربانیاں پیش کرتے رہے۔

حکومت نے حریت کانفرنس کے لیڈروں کے گھروں پر پہرے بٹھائے رکھے۔ تاکہ وہ باہر نہ آسکیں۔ حریت کانفرنس کے سید علی گیلانی کو درگاہ حضرت بل کے محاصرے کے خلاف ایک احتجاجی جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار کیا جاچکا تھا اور ان کو بھی دلی تہاڑ جیل پہنچا دیا گیا تھا۔ جہاں خواجہ عبدالغنی لون پہلے ہی نظر بند رکھے گئے تھے۔ زبردست عوامی اور بین الاقوامی دباؤ کے تحت حکومت نے درگاہ حضرت بل میں محصور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کو یہ پیشکش کی کہ اگر وہ درگاہ سے باہر آجائیں تو اُن کو کوئی گزند نہیں پہنچائی جائے گی اور نہ ان کو گرفتار کر کے نظر بند رکھا جائے گا جس پر طویل صلاح مشورے اور غور خوض کے بعد ۱۵/ اور ۱۶/ نومبر ۹۳ء کی نصف شب فوجی حکام کی یقین دہانی پر درگاہ حضرت بل کے اندر محصور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے ہتھیار ڈال کر خود کو قانون کے حوالے کر دیا اور وہ درگاہ کے اندر محصور شہریوں کے ساتھ گروپوں کی صورت میں درگاہ حضرت بل سے باہر آگئے۔ جس پر ان کو گرفتار کر کے زکورہ کے

فوجی کیمپ میں پہنچا دیا گیا۔ حکومت نے بتایا کہ ہتھیار بند کشمیری نوجوان درگاہ سے اس شرط پر باہر آئے کہ ان سب کو رہا کر دیا جائے گا اور نظر بند نہیں رکھا جائے گا۔

تاہم حریت کانفرنس نے اعلان کیا کہ جب تک ۱۵/ اکتوبر کی پوزیشن بحال کر کے درگاہ حضرت بل کا محاصرہ اُٹھا نہیں لیا جاتا، ایجی ٹیشن جاری رہے گا۔ اور احتجاجی ہڑتال بھی جاری رکھی جائے گی۔ اسی دوران کشمیر کے مختلف علاقوں میں سیکورٹی فورسز اور مسلح کشمیری نوجوانوں کے درمیان جھڑپوں میں مزید لاتعداد لوگ ہلاک کیے گئے۔

حُریت کانفرنس نے درگاہ حضرت بل کا محاصرہ جاری رکھنے کے خلاف ۷/ دسمبر ۱۹۹۳ء کو کفن بردوش ہو کر درگاہ تک مارچ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اسی دوران حزب المجاہدین کے ہتھیار بند نوجوانوں نے سوپور قصبے کا محاصرہ کر لیا، جس پر سیکورٹی فورسز اور اُن کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں سیکورٹی فورسز کے کئی آفیسر اور اہلکار ہلاک ہوئے اور گیارہ ہتھیار بند کشمیری جاں بحق ہو گئے۔ سیکورٹی فورسز نے قصبے میں انتقامی کارروائی کے طور پر کئی افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا۔ متعدد عوام بیگناہ شہریوں کو ہلاک کیا گیا اور سوپور کے ایک علاقے کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

۴/ دسمبر ۱۹۹۳ء کو سرینگر کے شالیمار علاقے میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سیکورٹی فورسز کے درمیان خونریز تصادم ہوا۔ جس میں دو سیکورٹی اہلکار اور دس کشمیری ہلاک ہو گئے جبکہ دوسرے علاقوں میں ۳۲، افراد کو فوج نے ہلاک کیا۔ ۴/ دسمبر کو ہی سرینگر کے ناؤپورہ علاقے میں سیکورٹی فورسز نے ایک خاتون اور دو شہریوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

۷/ دسمبر ۱۹۹۳ء کو جب حریت کانفرنس کے اہتمام سے "کفن پوش مردوں اور خواتین" نے درگاہ حضرت بل کی طرف مارچ کیا تو پورے سرینگر کو فوجی محاصرے میں لے لیا گیا اور مارچ کرنے والوں پر لاٹھی چارج اور ٹیئر گیس کے گولے پھینکے گئے۔ اس کارروائی میں حریت کانفرنس کے سربراہ میرواعظ عمر فاروق زخمی ہو گئے اور مولانا عباس اور پروفیسر عبدالغنی کو گرفتار کر لیا گیا۔ جو سب کے سب کفن پوش حضرت بل کی طرف مارچ کر رہے تھے۔

۹ر دسمبر ۱۹۹۳ء کو ڈوڈہ میں سرکاری خزانے سے ۳۰ لاکھ روپے لوٹ لیے گئے اور ہتھیار بند کشمیری نوجوان ہتھیار بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

۱۷ر دسمبر ۱۹۹۳ء کو پانچ سکیورٹی اہلکاروں سمیت ۲۲، افراد ہلاک کیے گئے جن میں حزب المجاہدین کے ایک سرکردہ کمانڈر شمس الحق اور ان کا ساتھی عبدالقیوم بھی شامل تھے، ۲۱ر دسمبر ۹۳ء کو مسلم مجاہدین نامی تنظیم کا سربراہ ماسٹر محمد احسن ڈار گرفتار کر لیا گیا، اور اُسی دن آٹھ سکیورٹی اہلکاروں سمیت سولہ افراد ہلاک ہوئے۔ ایک اندازے کے مطابق دسمبر ۹۳ء میں بھی دوسو سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے۔

۳۱ر دسمبر ۱۹۹۳ء کو بعض ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے کشمیر یونیورسٹی کے ایک سرکردہ دانشور پروفیسر عبدالاحد وانی کو یونیورسٹی میں ان کے کمرے سے بندوق کی نوک پر اغوا کر لیا اور اُن کو ایک قریبی علاقے میں لے جا کر اُن کے جسم پر پے درپے گولیاں چلائیں اور ہلاک کر دیا۔ اس قتل کی بھی کسی نے ذمّہ داری قبول نہیں کی۔

پروفیسر وانی ایک ممتاز ماہر قانون تھے، شالیمار کی اگریکلچر یونیورسٹی سے دو پروفیسر عبدالرشید اور سراج الدین کو بعض ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے اغوا کر لیا، اس کی بھی کسی نے ذمّہ داری قبول نہیں کی۔

۳ر جنوری ۱۹۹۴ء کو بعض نامعلوم بندوق برداروں نے غلام احمد وانی اور محمد امین ڈار کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ لال پورہ علاقے میں حبیب اللہ بٹ کو اور کپوارہ میں ایک دیہاتی کو بھی گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تو ۶ر جنوری ۱۹۹۴ء کو مختلف علاقوں میں آٹھ افراد ہلاک کر دیئے گئے۔ اس دوران کشمیر میں درجنوں مقامات پر چھاپے مارے گئے۔ کئی جگہ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز کے درمیان تصادم ہوئے اور بہت سے علاقے محاصرے میں لے کر عام آبادی کو عذاب میں مبتلا کیا گیا۔

سرینگر میں تقریبًا ہر دن خواتین احتجاجی مظاہرے کر رہی ہیں اور ہر دوسرے تیسرے دن بطور احتجاج ہڑتال بھی کی جا رہی ہے۔ ۱۳ر جنوری ۱۹۹۴ء کو کشمیر کے جڈورہ پلوامہ علاقے

میں حزب المجاہدین نے ائیر فورس کے راڈار سٹیشن پر حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں فوج کے ۱۹، اہلکار ہو گئے اور راڈار سٹیشن تباہ ہو گیا۔

۱۵ر جنوری ۱۹۹۴ء کو سرینگر کے الٰہی باغ علاقے میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور فوج کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی، جس میں درجنوں راکٹ برسائے گئے۔ فریقین میں ۳۲ گھنٹے تک لڑائی جاری رہی، جس میں فوج کو بھاری نقصان پہنچایا گیا۔ اور حرکت الانصار نامی عسکری تنظیم کے تین افراد بھی جاں بحق ہو گئے۔ اس دوران بہت سے مقامات پر ہتھیار بند نوجوانوں کے سکیورٹی فورسز پر حملے جاری رہے، جن میں ایک درجن سے زیادہ سکیورٹی فورسز کے اہلکاروں سمیت بہت سے افراد ہلاک ہو گئے، جن میں دو اعلیٰ افسر بھی شامل تھے، ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے پے درپے حملوں اور یلغار کے جواب میں فوج اور نیم فوجی دستوں نے اوپریشن ٹائیگر کے تحت بڑے پیمانے پر کارروائی شروع کر دی اور درجنوں افراد کو ہلاک کیا گیا۔

۲۶ر جنوری ۹۴ء کو ہندوستان کے یوم جمہوریہ کے سلسلہ میں سرینگر کے بخشی سٹیڈیم میں فوجی پریڈ کے دوران سٹیڈیم پر میزائل اور راکٹ برسائے گئے۔ جن سے اسٹیڈیم میں افراتفری مچ گئی، اس کے بعد سرینگر میں مارشل لا کی سی کیفیت طاری کر دی گئی۔ ۲۷ر جنوری ۱۹۹۴ء کو کشمیر کے کپوارہ قصبے میں مرکزی بازار پر سکیورٹی فورسز نے بے تحاشا فائرنگ کر کے ۱۸ سے زیادہ افراد کو ہلاک کر دیا جبکہ پچیس شدید زخمی ہو گئے۔ اِس خونچکاں واردات کے خلاف سارے کشمیر میں احتجاجی ہڑتال کی گئی۔ اسی دوران انکشاف کیا گیا کہ مختلف علاقوں کی ناکہ بندی کے دوران جن لوگوں کو سکیورٹی فورسز حراست میں لیتی ہیں ان میں سے بہت سے افراد لاپتہ ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ اِن سب کو حراست میں لینے کے بعد ہلاک کر دیا گیا ہو گا۔ یکم فروری ۹۴ء کو سرینگر کے بٹہ مالو علاقے میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز کے درمیان خونریز تصادم کے بعد اس پورے علاقے کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ جنوری ۹۴ء کے مہینے میں بھی کشمیر کے مختلف علاقوں میں سیکڑوں افراد ہلاک کیے گئے۔ اس دوران درگاہ حضرت بل سے فوج ہٹا لینے کے بعد درگاہ کے اِرد گرد

نیم فوجی دستے بٹھا دیئے گئے اور درگاہ کے اندر مسجد میں کوئی نماز نہیں ادا کی جارہی ہے اور نہ وہاں اذان بلند ہو رہی ہے کشمیر کے بارے میں بین الاقوامی سطح پر پھیلی ہوئی تشویش کی بنا پر انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس کے کچھ ممبر بھی کشمیر کے حالات کا جائزہ لینے آئے اور یورپی ممالک نے نئی دہلی میں متعین اپنے سفیروں کو کشمیر میں موقع پر صورت حال کا جائزہ لینے کی ہدایت دی۔ چنانچہ ۷ فروری ۱۹۹۴ء کو کئی یورپی ملکوں کے سفیر کشمیر آئے اور یہاں آکر حالات کا جائزہ لیا۔ یورپی ملکوں کے سفیروں کی سرینگر میں آمد کے موقع پر سرینگر کے بیشتر علاقے محاصرے میں رکھے گئے اور احتجاجی مظاہرے کرنے والوں کو سڑکوں اور شاہراہوں پر آنے سے روک دیا گیا۔

اس دوران ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے درمیان باہمی تصادم بھی ہوتے رہے جن پر عام لوگ مایوسی کا اظہار کرتے رہے اور سکیورٹی فورسز بھی سرینگر اور کشمیر کے دوسرے علاقوں میں اندھا دھند فائرنگ میں لوگوں کو ہلاک کرتی رہیں۔

۳ مارچ ۱۹۹۴ء کو بارہ مولہ میں نقاب پوش ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے لوئر جہلم ہائیڈل پروجیکٹ کی ایک گاڑی پر دھاوا بول کر ساڑھے چار لاکھ روپے لوٹ لیے، اور فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

۶ مارچ ۱۹۹۴ء کو بارہ مولہ کے ایک گاؤں میں بعض نقاب پوش ہتھیار بند کشمیری نوجوان ایک دیہاتی عزیز ملک کے گھر میں گھس گئے اور گولیاں چلا کر عزیز ملک اور اس کے بیٹے منظور ملک کو ہلاک کر دیا۔ اس کی بھی کسی نے ذمّہ داری قبول نہیں کی۔

۷ مارچ ۱۹۹۴ء کو نئی دہلی میں مقیم مزید کئی غیر ملکی سفیر کشمیر میں حالات کا جائزہ لینے آئے اور جب کشمیر بار ایسوسی ایشن کے اہتمام سے وکیلوں نے ایک جلوس کی شکل میں ان غیر ملکی سفیروں کے ساتھ ملاقات کی کوشش کی تو اُن پر زبردست لاٹھی چارج کرکے اُن کو تتّر بتّر کر دیا گیا۔ مارچ ۹۴ء کے پہلے ہفتہ میں کشمیر کے مختلف علاقوں میں بارودی سرنگوں کے کئی دھماکے ہوئے۔ کئی جگہ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز کے درمیان

تصادم ہوئے، جن میں ۲۳ سے زیادہ افراد ہلاک ہوگئے اور جن میں زیادہ تعداد حزب المجاہدین کے نوجوانوں کی تھی۔ ۱۲ مارچ ۱۹۹۴ء کو صرف ایک دن میں سولہ[16] افراد ہلاک کیے گئے۔

۱۳ مارچ ۹۴ء کو جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے قائم مقام صدر جاوید احمد میر کو سرینگر کے ایک بارونق علاقے میں عین اس وقت گرفتار کر لیا گیا، جب وہ ایک ماروتی کار میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ جا رہے تھے۔ اس چند دن پہلے جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے پبلسٹی چیف شبیر صدیقی کو بھی اسی طرح کے حالات میں گرفتار کیا گیا تھا۔

۱۸ مارچ ۱۹۹۴ء کو جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے ایک سرکردہ لیڈر اور کشمیر اسمبلی کے سابق سپیکر ولی محمد ہتو کو جموں میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

۱۹ مارچ ۱۹۹۴ء کو بیجبہاڑہ قصبے میں سکیورٹی فورسز نے قصبے کے قریب ایک مکان کو آگ لگا دی، جس میں پانچ افراد زندہ جل کر ہلاک ہوگئے۔ سکیورٹی فورسز کو بتایا گیا تھا کہ اس مکان میں ہتھیار بند کشمیری نوجوان بیٹھے ہیں۔ ۲۱ مارچ ۱۹۹۴ء کو عالمی ریڈ کراس کا ایک وفد کشمیر آیا، جس نے یہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور اس خطّے کی صورتِ حال کو انتہائی سنگین بتایا۔ ۲۴ مارچ ۹۴ء کو برطانوی لیبر پارٹی کے لیڈر کننگھم کشمیر کے دورے پر آئے اور انھوں نے کشمیر کے حالات کو انتہائی تشویشناک قرار دیا۔

۲۶ مارچ ۱۹۹۴ء کو جب اسلام آباد میں تین افراد کو سکیورٹی فورسز نے حراست میں لینے کے بعد ہلاک کر دیا۔ تو قصبے میں زبردست غم و غصّہ پھیل گیا اور بطور احتجاج ہڑتال کی گئی۔ اِدھر سرینگر میں درگاہ حضرت بل کے مسلسل محاصرے کے خلاف جمعیت المجاہدین نامی ایک عسکری تنظیم نے سرکاری املاک پر دھاوا بول دیا اور کئی عمارتیں اور درجنوں گاڑیاں نذرِ آتش کر دیں۔

اپریل ۱۹۹۴ء کے پہلے ہفتے میں کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۱۳۸ سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے۔ ان میں کئی سکیورٹی اہلکار اور آفیسر بھی شامل تھے۔ اسی ہفتے میں امریکہ کے ایک نائب وزیر خارجہ مسٹر ٹالبوٹ کشمیر پر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان

مصالحت کے مشن پر نئی دہلی اور اسلام آباد گئے، لیکن ان کا مشن ناکام رہا اور ہندوستان نے اس مسئلے میں امریکا کی مصالحت کروانے کی پیشکش مسترد کردی۔ اس دوران فوج اور نیم فوجی دستوں نے سرینگر اور دوسرے علاقوں میں بڑے پیمانے پر ناکہ بندیوں کا عمل تیز کردیا۔ ان علاقوں میں گھر گھر تلاشیوں کے علاوہ عام شہریوں پر مظالم ڈھائے جاتے رہے اور بہت سے علاقوں میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز کے درمیان تصادموں کے دوران درجنوں افراد ہلاک ہوئے۔ گرفتاریوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا جا رہا ہے، جن کے خلاف درجنوں علاقوں میں احتجاجی مظاہرے کیے جا رہے ہیں۔

۲۴ر اپریل ۹۴ء کو نئی دہلی میں متعین آٹھ اسلامی ملکوں کے سفیروں اور جنوبی امریکہ کے تین سفیروں نے کشمیر آکر حالات کا جائزہ لینا چاہا۔ لیکن حکومت نے اُن کو سرکاری مہمان خانوں میں ٹھہرا کر عملی طور پر سکیورٹی فورسز کے محاصرے میں رکھا اور ان کو نہ تو عوام سے ملنے دیا گیا اور نہ رائے عامہ کے ترجمان ان سے ملاقات کرسکے۔ مئی ۹۴ء کے پہلے ہفتے میں ۴۵ سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے۔ ادھر درگاہ حضرت بل آٹھ مہینے سے مسلسل محاصرے میں ہے جس کے خلاف لوگ احتجاجی مظاہرے میں ہے۔ جس کے خلاف لوگ احتجاجی مظاہرے کررہے ہیں۔ چنانچہ ۱۰ر مئی ۹۴ء کو درگاہ حضرت بل کے محاصرے کے خلاف ۲۶ گھنٹے کی احتجاجی ہڑتال بھی گئی۔

اس دوران ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے درمیان پے در پے گروہی تصادم بھی ہورہے ہیں، جس پر عوام میں غم و غصّہ پھیل رہا ہے۔ مئی ۹۴ء کے دوسرے ہفتے میں ۵۵ سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے، جن میں اکثریت حزب المجاہدین کے ہتھیار بند نوجوان شامل تھے ۱۷ر مئی ۹۴ء کو جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے سربراہ محمد یٰسین ملک کو نئی دہلی کی ٹاڈا کورٹ نے رہا کردیا، جو پچھلے چار سال سے نظربند تھے چنانچہ جب محمد یٰسین ملک کے وکیل محمد طفیل نے اُن کی رہائی کے احکامات جیل حکام کو پہنچائے تو ان کو رہا کردیا گیا۔ جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے سربراہ اپنی رہائی کے بعد ۱۸ر مئی ۹۴ء کو نئی دہلی سے بذریعہ طیارہ سرینگر آئے۔

ہوائی اڈّے پر ان کا پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا اور اُن کو موٹر کاروں کے ایک جلوس میں ایئرپورٹ سے عیدگاہ کے مزارِ شہدا پر لے جایا گیا۔ عیدگاہ سے اُن کو ایک جلوس کی شکل میں شہر کے مختلف علاقوں سے گذارتے ہوئے مائسمہ میں ان کی قیامگاہ پر پہنچایا گیا۔

محمد یٰسین ملک نے جلوس کی صورت میں آتے ہوئے میرواعظ منزل پر حریت کانفرنس کے سربراہ میرواعظ مولوی عمر فاروق سے بھی ملاقات کی جنھوں نے ان کی رہائی کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ وہاں سے مائسمہ تک ہزاروں لوگ ان کے جلوس میں شامل تھے اور کئی کلومیٹر کی گزرگاہ پر کھڑکیوں اور مکانوں کی چھتوں سے لوگوں نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان پر پھول برسائے۔

۱۹ر مئی کو ہندوستان کے وزیراعظم اور امریکی صدر بل کلنٹن نے واشنگٹن میں اپنی ملاقات کے دوران کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لیے مختلف تجویزوں پر تبادلۂ خیال کیا اور اس دوران کشمیر میں ۷۰ سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے جن میں حزب المجاہدین اور جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے کئی قابلِ ذکر کمانڈر بھی شامل تھے اور جس کے خلاف ساری وادی میں بطور احتجاج ہڑتال کی گئی۔

۲ر جون ۱۹۹۴ء کو بعض ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے سرینگر کے صدر ہسپتال پر دھاوا بول دیا، جہاں کشمیر لبریشن فرنٹ کے سربراہ زیرِ علاج تھے۔ اس کارروائی میں محمد یٰسین ملک کو اغوا کرلینے یا جان سے مار ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن وہاں ہسپتال کا عملہ، ہسپتال میں داخل مریضوں کے تیماردار اور ہسپتال کے باہر موجود لوگوں کا یکایک اجتماع ہوگیا، جس پر ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے گولی چلادی اور جس کے بعد وہ خوفزدہ ہوکر وہاں سے فرار ہوگئے۔ یہ کارروائی اُن کی طرف سے اُس تین نکاتی اعلان کے بعد کی گئی۔ جس میں انھوں نے کہا تھا کہ جدوجہد کرنے والی تمام تنظیموں کو فقط تین نظریاتی تنظیموں میں مدغم کردیا جائے۔ اس کے علاوہ بے گناہ لوگوں کو ہلاک اور اغوا کرنے کی کارروائیاں ختم کی جائیں اور اب تک عام شہریوں کو ہلاک کرنے کی جو وارداتیں ہوئی ہیں، انکی تحقیقات کے لیے ایک مشترکہ کمیشن قائم کیا جائے۔ ۳ر جون ۱۹۹۴ء کو بعض ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں

نے ایک منی بس پر دھاوا بول دیا۔ جس میں محکمۂ تعلیم کے کچھ آفیسر سوار تھے اور اُن سے
بندوق کی نوک پر پچاس ہزار کی وہ رقم لوٹ لی گئی۔ جو وہ اساتذہ کو تنخواہیں دینے کے لیے لے
جا رہے تھے۔ ۴ جون ۱۹۹۴ء کو کشمیر کے کپوارہ علاقے میں سولہ افراد کو ہلاک کر دیا گیا اور
اسی دن جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے محمد یٰسین ملک جب ایک جلوس کی شکل میں احتجاجی
بھوک ہڑتال کرنے عیدگاہ کی طرف جا رہے تھے۔ تو بعض نامعلوم ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں
نے اس جلوس پر فائرنگ کی اور جلوس کو تتر بتر کرنے کی کوشش کی گئی، جس پر لبریشن فرنٹ
نے لوگوں کے خلاف بندوق کے ناجائز استعمال پر عوام سے تین دن تک احتجاجی ہڑتال کے لیے
کہا اور خود سرکاری فورسز کی دہشت گردی اور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی طرف سے عام
لوگوں کے ساتھ زیادتیوں کے خلاف بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ اس پر حریت کانفرنس کے
لیڈروں نے محمد یاسین ملک کو یقین دلایا کہ اگر تین ہفتے کے اندر اندر صورتِ حال بہتر نہیں
ہوتی تو حریت کانفرنس کے لیڈر بھی حالات میں بہتری کے لیے اُن کے ساتھ بھوک ہڑتال
میں شامل ہو جائیں گے۔ جس پر بھوک ہڑتال ختم کر دی گئی۔

اس دوران ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز کے درمیان بہت سے
مقامات پر پے در پے تصادم ہوتے رہے، جن میں حزب المجاہدین کے درجنوں ہتھیار بند
نوجوان ہلاک ہوئے اور سکیورٹی فورسز نے ڈیڑھ سو افراد کو گرفتار کیا۔

۹ جون ۱۹۹۴ء کو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے جموں و کشمیر بینک کی صفا کدل
شاخ پر دھاوا بول دیا اور وہاں سے ایک لاکھ سے زیادہ رقم لوٹ کر لے گئے۔ ۱۱ جون ۱۹۹۴ء کو
جموں میں پولیس ہیڈ کوارٹر کو بم دھماکوں سے اُڑانے کی واردات ہوئی۔

۱۲ جون ۱۹۹۴ء کو کشمیر کی آزادی کے لیے جدوجہد کے ایک سرکردہ رہنما شکیل احمد
بخشی جموں جیل سے رہا ہونے کے بعد سرینگر آئے، جہاں اُن کا پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ اُن کی
آمد پر ایک جلوس نکالا گیا، اور ان کو جلوس کی شکل میں عیدگاہ کے مزارِ شہدا سے ان کی قیامگاہ
تک لے جایا گیا۔ کشمیر کے مختلف علاقوں میں سکیورٹی فورسز پر حملوں، ہلاکتوں، بم دھماکوں

اور بارودی سرنگیں پھٹنے کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ ۱۵ جون ۱۹۹۴ء کو سرینگر کے بمنہ علاقے میں
جہاد فورس نامی عسکری تنظیم کا چیف کمانڈر نذیر احمد شاہ اور اس کے ایک ساتھی ظہور احمد
گرڈھا کو حراست میں لینے کے بعد سکیورٹی فورسز نے ہلاک کر دیا۔ ۱۸ جون ۱۹۹۴ء کو کشمیر
کے مختلف علاقوں میں ۲۸ افراد ہلاک کیے گئے۔ ۲۰ جون ۱۹۹۴ء کو جنوبی کشمیر کے میرواعظ
ڈاکٹر قاضی نثار کے قتل کی پُراسرار واردات سے سارے جنوبی کشمیر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔
اسلام آباد قصبے میں ہزارہا لوگوں نے احتجاجی جلوس نکالا اور اس قتل کے بارے میں غم و غصّے کا اظہار
کیا گیا۔ اور حریت کانفرنس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ قتل کی اس واردات کی تحقیقات کرے۔
میرواعظ جنوبی کشمیر قاضی نثار کے قریبی رشتے داروں نے بتایا کہ ۱۹ جون ۱۹۹۴ء شام کے
کے بعد چند نوجوان ڈاکٹر قاضی نثار کے پاس آئے اور اُن سے درخواست کی کہ وہ دیالگام
میں ہونے والی میٹنگ میں شرکت کے لیے اُن کے ساتھ چلیں۔ چنانچہ ہتھیار بند نوجوان
ڈاکٹر قاضی نثار کو ایک گاڑی میں اپنے ساتھ لے گئے اور سوموار ۲۰ جون ۱۹۹۴ء صبح سویرے
مومن آباد اور دیالگام کے درمیان سڑک پر ان کی لاش دیکھی گئی۔

میرواعظ جنوبی کشمیر کے اس قتل کے خلاف سارے کشمیر میں احتجاجی ہڑتال کی گئی اور
اسلام آباد میں پورے پندرہ دن تک تعزیتی ہڑتال رہی۔ ڈاکٹر قاضی نثار کے اس پُراسرار
قتل پر کشمیر میں تشویش اور خوف کی فضا میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا اور ان کے قتل پر گہرے
رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ قاضی نثار کے قتل کی واردات کی بھی ایسی ہی قتل کی دوسری بہت سی
وارداتوں کی طرح نہ تو کوئی تحقیقات ہی کی جا سکی اور نہ ان وارداتوں کے اصل مجرم اور
حقائق عوام کے سامنے آ سکے۔ البتہ اسلام آباد میں ڈاکٹر نثار کے قتل کے لیے اعلانیہ طور پر کشمیر کے
ہتھیار بند نوجوانوں کو ذمہ دار قرار دیا گیا اور اس کے خلاف مسلسل مظاہروں نے سارے کشمیر کو
ہلا کے رکھ دیا۔ اس واردات کے چند دن بعد اسلام آباد اترسو کے نمبردار فتح رشیی کو ہلاک کر کے
اس کی لاش سرِ راہ پھینک دی گئی۔ اسے بعض مسلح کشمیری نوجوانوں نے کچھ دن پہلے اغوا کر لیا
تھا۔ اسی دوران واتھورہ، بڈگام میں حرکت الانصار کے پانچ اور کپوارہ میں چار مسلح کشمیری نوجوان ہلاک کیے گئے۔

**

درگاہِ حضرت بل کا تقدّس بحال

جون ۹۴ء کے مہینے میں حزب المجاہدین کے ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز کے درمیان جھڑپوں میں آٹھ افسروں سمیت تقریباً تین سو فوجی اہلکاروں کو ہلاک کیا گیا ان میں ۶۹ ہتھیار بند کشمیری نوجوان ہلاک ہوئے۔ جولائی ۹۴ء کے پہلے پندرواڑے میں ۱۹۲ افراد ہلاک کیے گئے۔ ۲۵ جولائی ۹۴ء کو سرکاری ملازمین کی ایمپلائز کانفرنس کے سربراہ اشتیاق قادری کی اپیل پر درگاہ حضرت بل کے مسلسل محاصرے کے خلاف سرکاری ملازمین نے بطورِ احتجاج ہڑتال کر دی، جس سے سرکاری نظام کا پہیہ جام ہو گیا۔

درگاہ حضرت کے مسلسل محاصرے پر حرکت الانصار نامی تنظیم نے اپنی جوابی کارروائی میں کشمیر میں ہندوؤں کے امرناتھ یاترا پر پابندی عائد کر دی تھی۔ امرناتھ یاترا پہلگام سے آگے ایک پہاڑی مقام پر کی جاتی ہے جس میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ہزاروں لوگ حصّہ لیتے ہیں۔ ۲۸ جولائی ۹۴ء کو جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے صدر محمد یاسین ملک اپنے رفقاء اور سینکڑوں لوگوں کے ساتھ درگاہ حضرت بل میں داخل ہو گئے اور درگاہ کے محاصرے کے خلاف احتجاجی بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ سکیورٹی فورسز نے ان لوگوں پر لاٹھیاں برسائیں، جس میں لبریشن فرنٹ کا صدر اور دوسرے کئی افراد شدید زخمی ہو گئے۔ زخمی ہونیوالوں میں اسلامک اسٹوڈنٹس لیگ کے سربراہ شکیل احمد بخشی بھی شامل تھے، جن کو دوسرے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔

۳۰ جولائی ۱۹۹۴ء کو سوپور کے محاصرے کے دوران حزب المجاہدین نے سکیورٹی فورسز پر فائرنگ شروع کر دی، کئی گھنٹے کی لڑائی کے دوران حزب المجاہدین کے چھ ہتھیار بند نوجوان

ہلاک اور درجنوں زخمی ہو گئے، سکیورٹی فورسز نے مکانوں میں آگ لگا دی، جس میں ۳۵ مکان جل کر خاکستر ہو گئے۔

درگاہ حضرت بل کے محاصرے کے خلاف لبریشن فرنٹ کے صدر نے احتجاجی بھوک ہڑتال جاری رکھی اور جب اُن کی حالت تشویشناک ہو گئی تو صورہ ہسپتال کے ڈاکٹروں کے مشورے پر ان کو ایک ایمبولنس گاڑی میں ڈال کر ائرپورٹ پہنچایا گیا، جہاں سے وہ دِلّی لے جائے گئے، جہاں اُن کو آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں داخل کیا گیا لیکن وہ دوسرے دن نئی دہلی سے سرینگر واپس پہنچے اور اسی اثنا میں حکومت نے اعلان کر دیا کہ درگاہ حضرت بل سے بارڈر سکیورٹی فورس ہٹائی جا رہی ہے۔ حکومت کے اس اعلان کے بعد لبریشن فرنٹ کے صدر اور اسلامک اسٹوڈنٹس لیگ کے سربراہ اور ان کے دوسرے رفقاء نے احتجاجی بھوک ہڑتال ختم کر دی، بعد میں نیم فوجی دستے درگاہ سے ہٹا لیے گئے اور اوقاف ٹرسٹ کی طرف سے ضروری اقدامات کے بعد پورے دس ماہ بعد درگاہ حضرت بل میں اذان دی گئی اور نماز ادا کی گئی۔

جولائی ۹۴ء کے مہینے میں کشمیر میں مختلف مقامات پر تصادموں اور دوسری کارروائیوں کے دوران سینکڑوں افراد ہلاک کیے گئے، کشمیر میں بے پناہ ہلاکتوں کی مسلسل اطلاعات پر اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل نے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر کا تنازعہ حل کروانے کے لیے اپنی طرف سے ثالثی کی پھر تجویز پیش کی، جسے پاکستان نے قبول کر لیا اور ہندوستان نے مسترد کر دیا۔

۱۴ اگست ۱۹۹۴ء کو کشمیر میں بڑے پیمانے پر پاکستان کے یوم آزادی کی تقریبات منعقد کی گئیں اور ۱۵ اگست ۱۹۹۴ء کو ہندوستان کے یوم آزادی پر سارے کشمیر میں احتجاجی ہڑتال کی گئی اور عین اُس وقت جبکہ سرینگر کے بخشی اسٹیڈیم میں ہندوستان کے یوم آزادی کی تقریب پر گورنر مسٹر کرشنا راؤ تقریر کر رہے تھے، تو بخشی اسٹیڈیم پر راکٹ پھینکے گئے جس میں دو افراد ہلاک ہوئے، اُسی روز ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے کشمیر کے مختلف علاقوں میں فوج پر حملے کیے

حزب المجاہدین کی طرف سے بخشی سٹیڈیم پر میزائیل بھی پھینکا گیا۔ اسی دوران ۲۲ سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے جن میں الجہاد نامی تنظیم کے بارہ ہتھیار بند نوجوان بھی شامل تھے۔ زیر حراست ہلاکتوں، ناکہ بندیوں، تلاشیوں اور گرفتاریوں کے خلاف خواتین نے سرینگر میں مسلسل مظاہرے کئے۔ ایک اندازے کے مطابق اگست ۹۴ء کے پہلے پندرھواڑے میں تقریباً ڈیڑھ سو افراد ہلاک کیے گئے، جن میں زیادہ تر حزب المجاہدین کے ہتھیار بند نوجوان شامل تھے ۲۴ر اگست ۹۴ء کو لبریشن فرنٹ کے پانچ اعلیٰ کمانڈروں سمیت دس ہتھیار بند نوجوان ہلاک کیے گئے۔ دوسرے ہلاک ہونے والے چار افراد حزب المجاہدین کے تھے۔

اگست ۱۹۹۴ء کے دوسرے پندرھواڑے میں ۱۳۵، افراد ہلاک کیے گئے، جن میں کنگن کا نیوز پیپر ایجنٹ غلام محمد لون اور اس کا کمسن بچہ بھی شامل تھا۔ جن کو سکیورٹی فورسز نے رات کے اندھیرے میں ان کے گھر میں زبردستی گھس کر گولی مار دی تھی۔ ستمبر ۱۹۹۴ء کے پہلے ہفتہ میں سرینگر اور دوسرے بہت سے علاقوں میں بڑے پیمانے پر شہری آبادی کو محاصرے میں لینے، گھر گھر تلاشیوں اور گرفتاریوں کے خلاف خواتین نے مسلسل احتجاجی مظاہرے کیے۔ ۵ر ستمبر ۹۴ء کو اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بطروس غالی ہندوستان اور پاکستان میں کشمیر پر مفاہمت کروانے کے لیے اس برصغیر کے دورے پر آئے، پاکستان میں اعلیٰ حکام کے ساتھ طویل مذاکرات کے بعد بطروس غالی نے اسلام آباد کی اخباری کانفرنس میں اعلان کیا کہ وہ اس تنازعے کو حل کروانے کے لیے ثالث کا رول ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جس کے بعد وہ نئی دہلی آئے اور کشمیر کے مسئلہ پر ہندوستانی حکام کے ساتھ بھی طویل بات چیت کی۔ بعد میں انھوں نے بتایا کہ ہندوستان نے اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل کی طرف سے کشمیر پر ثالثی کروانے کی پیش کش مسترد کر دی ہے۔

اسی دوران پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں پچاس سے زیادہ اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کے اجلاس میں ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے کشمیری عوام کو حق خود ارادیت دینے اور کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کروانے کا مطالبہ کیا۔

دریں اثناء کشمیر میں صرف تین دن کے دوران ۲۴، افراد ہلاک ہوگئے جن میں سکیورٹی فورسز کے ۲۵، اہلکار بھی شامل تھے، کشمیر میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے گروہی تصادموں اور ہلاکتوں کے خلاف عوام اور کل جماعتی حریّت کانفرنس نے سخت ردِّ عمل کا اظہار کیا۔ ستمبر ۹۴ء کے دوسرے ہفتے میں ۲۴ر افراد ہلاک کیے گئے، ستمبر ۹۴ء کے دوسرے دو ہفتوں کے دوران کشمیر میں ۱۲۲، افراد ہلاک کیے گئے۔ اسی دوران حرّیت کانفرنس کے سید علی گیلانی اور خواجہ عبدالغنی لون کو جموں جیل سے رہا کر دیا گیا۔ سرینگر آنے کے فوراً بعد حریت کانفرنس کے دونوں لیڈر مولوی عمر فاروق کے ہمراہ سرینگر کے چھانہ پورہ علاقے میں گئے۔ جہاں حزب المجاہدین کے ہتھیار بند دو نوجوانوں عبدالرحمان راتھر اور جاوید احمد وازہ نے ایک مکان میں محصور ہو جانے کے بعد سکیورٹی فورسز کے ہزاروں اہلکاروں کے ساتھ پورے ۲، گھنٹے تک معرکہ آرائی کی تھی۔

۳ر اکتوبر ۱۹۹۴ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۲۱، افراد ہلاک کیے گئے۔ اسی دن نیویارک میں اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر پر بیرونی ممالک میں رہنے والے کشمیریوں نے اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ ۶ر اکتوبر کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۱۸، افراد ہلاک کیے گئے جبکہ اگلے ایک ہفتہ کے دوران ۱۹ر افراد ہلاک کیے گئے۔

۱۴ر اکتوبر ۹۴ء کو پیپلز لیگ کے لیڈر شبیر احمد شاہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے اپنی اسیری کے ۲۰ سال مکمل کرنے کے بعد چھٹی بار رہا کیے گئے اور جب وہ اپنی رہائی کے بعد کشمیر آئے تو اسلام آباد سے عیدگاہ سرینگر تک کئی لاکھ لوگوں نے ان کا خیر مقدم کیا۔ ان کو ایک کھلی گاڑی میں سوار کیا گیا اور تمام راستے پر لوگوں کے ہجوم دیکھے گئے۔ شبیر احمد شاہ شام کو سرینگر کے مرکزی علاقے لال چوک پہنچے، جہاں لوگوں کا ایک جم غفیر کئی گھنٹے سے ان کا انتظار کر رہا تھا اور رات کے اندھیرے میں بھی ان کی گزرگاہ پر ہزارہا لوگ دیکھے گئے۔ عیدگاہ کے مزارِ شہداء پر انھوں نے فاتحہ خوانی کی۔

اکتوبر ۱۹۹۴ء کے مہینے میں بھی کشمیر کے مختلف علاقوں میں لاتعداد لوگ ہلاک

کیے گئے ۔ ۱۶ نومبر ۱۹۹۴ء کو امریکی کانگریس کے ممبروں کا ایک ڈیلی گیشن کشمیر میں حالات کا جائزہ
لینے آیا اور کل جماعتی حریت کانفرنس کے لیڈروں سے بات چیت کی انھوں نے سرینگر میں جگہ
جگہ شاہراہوں، سڑکوں اور آمدورفت کے دوسرے راستوں پر سکیورٹی فورسز کو مورچہ بند دیکھا۔

۲۲ نومبر ۱۹۹۴ء کو کشمیر کے بیروہ علاقے میں حزب المجاہدین اور سکیورٹی فورسز کے
درمیان کئی گھنٹے تک لڑائی کے دوران کئی سکیورٹی اہلکار، حزب المجاہدین کے پانچ جنگجو اور
چھ شہری ہلاک ہو گئے۔

۲۸ نومبر ۹۴ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں بارہ افراد ہلاک کیے گئے ۔ ۳۰ نومبر ۹۴ء
کو جموں اور لداخ میں خوفناک دھماکے ہوئے، جن میں آٹھ افراد ہلاک ہو گئے ۴ دسمبر ۹۴ء
کو کشمیر میں ہندواڑہ کے راجوار علاقے میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز
کے درمیان لڑائی میں پانچ سکیورٹی اہلکار اور چار ہتھیار بند کشمیری نوجوان ہلاک ہوئے
اس دوران کپواڑہ میں ایک درجن ہتھیار بند کشمیری نوجوان ہلاک ہوئے، جبکہ فورسز کے
جانی نقصان کے بارے میں سرکاری طور پر خاموشی اختیار کی گئی۔

دسمبر ۱۹۹۴ء کے پہلے ہفتے میں ہی امریکی افسروں کی ایک ٹیم نے نئی دہلی اور سرینگر کا دورہ
کیا اور یہاں حریت کانفرنس کے لیڈروں اور جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے سربراہ سے ملاقات
کی ۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۹۴ء کو سارے کشمیر میں انسانی حقوق کے عالمی دن پر احتجاجی مظاہرے کیے
گئے۔ اسی دوران مراکش کے شہر کاسابلانکا میں اسلامی ملکوں کی سربراہ کانفرنس کے سلسلے
میں کشمیر کی کل جماعتی حریت کانفرنس کے لیڈروں کو کاسابلانکا آنے کی دعوت دی گئی۔ جس پر
حریت کانفرنس کے سربراہ میرواعظ مولوی عمر فاروق اور مولوی عباس انصاری مراکش
روانہ ہو گئے ۔ یہ پہلا موقع تھا جب کشمیر کے نمائندوں کو اسلامی ملکوں کی سربراہ کانفرنس
میں اپنا مسئلہ پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔

اسلامی ملکوں کی سربراہ کانفرنس کے دوران حریت کانفرنس کے لیڈر کاسابلانکا
میں قیام پذیر رہے اور انھوں نے کئی اسلامی ملکوں کے لیڈروں سے الگ الگ بھی ملاقات کی۔

کشمیری نمائندوں کا وفد کاسابلانکا سے سعودی عرب گیا اور وہاں سے لندن جانے کے بعد
واپس نئی دہلی آگیا۔ اس دوران فورسز کشمیر میں بڑے پیمانے پر مختلف علاقوں کی ناکہ بندی
کر کے تلاشیاں لینے اور گرفتاریاں عمل میں لانے کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں اور درجنوں افراد
کو زیر حراست ہلاک کیا گیا۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۹۴ء کو سرینگر کے بربرشاہ علاقے میں جموں و کشمیر بینک
سے دو لاکھ روپے لوٹ لیے گئے۔

۲۳ دسمبر ۹۴ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں دس افراد ہلاک ہو گئے۔ جبکہ ۲۴ دسمبر
کو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے حملوں میں بارہ سے زیادہ فوجی ہلاک کر دیئے گئے۔

۲۶ دسمبر ۹۴ء کو کشمیر کے ڈوڈہ علاقے میں سکیورٹی فورسز کے ساتھ ایک خونریز
تصادم میں ۱۴ ہتھیار بند کشمیری نوجوان ہلاک کیے گئے ۔

جنوری ۱۹۹۵ء کے پہلے ہفتے میں آٹھ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کو زیر حراست
ہلاک کر دیا گیا۔ سکیورٹی فورسز کے کئی اہلکار بھی ہلاک کیے گئے۔ اور بعض ہتھیار بند کشمیری
نوجوانوں نے سمبل میں دلشادہ نامی ایک لڑکی، اس کے باپ محمد یوسف اور دوسرے
دو افراد غلام محمد ڈار اور محمد ابراہیم ڈار کو ہلاک کر دیا، یہ سب لوگ ایک ہی کنبے کے افراد تھے۔

جنوری ۹۵ء کے دوسرے ہفتے میں سکیورٹی فورسز کے کئی اہلکار اور ۲۲ ہتھیار بند
کشمیری نوجوان ہلاک کیے گئے۔ کئی علاقوں میں بارودی سرنگوں کے پے درپے کئی دھماکے
ہوئے اور کشمیر کے بھدرواہ علاقے میں حالات ابتر ہو جانے کی وجہ سے پھر کرفیو نافذ
کر دیا گیا۔

۱۴ جنوری ۹۴ء کو اسلام آباد کے قریب ڈانگر پورہ کی پوری بستی کو آتشزنی کی
واردات میں خاکستر کر دیا گیا۔

۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء کو ہندوستان کے یوم جمہوریہ پر سارے کشمیر میں احتجاجی
ہڑتال کی گئی۔ سرینگر کے بخشی اسٹیڈیم میں پریڈ کے موقع پر چار زوردار دھماکے ہوئے اور
سٹیڈیم پر چار راکٹ بھی پھینکے گئے۔ یہ ساری کارروائیاں حزب المجاہدین نے کی ہیں۔ جبکہ جموں

کے مولانا آزاد اسٹیڈیم میں ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء کی پریڈ پر سلامی لیتے ہوئے گورنر کے، دی کرشنا راؤ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس میں وہ بڑی مشکل سے بچ نکلے۔ تاہم ان کے آس پاس دس افراد ہلاک اور ساٹھ سے زیادہ زخمی ہو گئے۔ سٹیڈیم میں جو فوج کے کڑے پہرے میں تھا اور جس کی دو ہفتے پہلے ناکہ بندی کر لی گئی تھی، پے در پے دھماکے ہوئے جن کی گونج نہ صرف ہندوستان بھر میں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی سنی گئی۔ اسی دن کشمیر کے اسلام آباد علاقے میں سکیورٹی فورسز نے ۴ شہریوں کو ہلاک کر دیا۔

جنوری ۹۵ء کے دوسرے پندھواڑے میں کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۳۶ سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے، فروری ۹۵ء میں انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنی سالانہ رپورٹ میں انکشاف کیا کہ کشمیر میں ۱۹۹۴ء کے دوران سات سو سے زیادہ افراد کو زیر حراست ہلاک کر دیا گیا۔ اس رپورٹ کے کچھ دن بعد ہندوستان کی حکومت نے اعلان کیا کہ وہ کشمیر میں انتخابات کروا کر ایک اسمبلی قائم کرنا چاہتی ہے۔

فروری کے پہلے ہفتے میں ایک فوجی میجر سمیت چھ افراد کو ہلاک کیا گیا۔ ہلاک ہونیوالوں میں حزب المجاہدین کا ایک کمپنی کمانڈر بھی شامل تھا۔ ۶ فروری ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں نصف درجن سکیورٹی اہلکاروں سمیت پندرہ افراد ہلاک کیے گئے۔ جبکہ ۸ فروری کو دس افراد ہلاک کیے گئے اور ۲۳ گرفتار کر لیے گئے۔

۱۰ فروری ۱۹۹۵ء کو سرینگر کے زینہ کدل علاقے میں حرکت الانصار نامی عسکری تنظیم کے سکیورٹی فورسز کے کیمپ پر فائرنگ کے بعد سکیورٹی فورسز نے بازار کے پانچ دوکانداروں کو ان کی دوکانوں سے نیچے اتار کر گولیوں سے بھون ڈالا۔ اس واردات کے خلاف کشمیر کے طول و عرض میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور بطور احتجاج ہڑتال کر دی گئی۔ اسی اثنا میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے درمیان گروہی تصادموں میں کئی جنگجو ہلاک کیے گئے۔ جن میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کا ایک کمانڈر ادریس خان بھی شامل تھا۔ مختلف علاقوں کی ناکہ بندیوں گرفتاریوں اور زیر حراست ہلاکتوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا گیا ہے۔

۱۵ فروری ۹۵ء کو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی طرف سے کپوارہ میں بچھائی گئی ایک بارودی سرنگ کے دھماکے میں ۱۰ فوجی ہلاک کیے گئے اور ۷ فروری ۹۵ء کو ہندوستان کے وزیر داخلہ نے ہندوستانی پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ امریکہ کشمیر کا مسئلہ حل کروانے کے سلسلے میں ہندوستان پر دباؤ ڈال رہا ہے اور اس مسئلے کو حل کروانے کے سلسلے میں ہندوستان پر دباؤ ڈال رہا ہے اور اس مسئلے کو حل کرنے کے سلسلے میں خفیہ کوششیں بھی کی جا رہی ہیں۔ ۱۸ فروری ۹۵ء کو ہندوستان کے وزیر داخلہ نے ہندوستانی پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ امریکا کشمیر کا مسئلہ حل کروانے کے سلسلے میں ہندوستان پر دباؤ ڈال رہا ہے اور اس مسئلے کو حل کرنے کے سلسلے میں خفیہ کوششیں بھی کی جا رہی ہیں۔

۱۸ فروری ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں خونریز تصادموں کے دوران ۲۵ افراد ہلاک ہوئے، جن میں دس حزب المجاہدین کے نوجوان شامل تھے۔ اسی دوران چرار شریف کے قریب کنہ دجن میں سکیورٹی فورسز نے آتش زنی کی ایک واردات میں ۱۴ مکان جلا دیئے اور تین افراد کو زندہ جلا دیا گیا۔

کشمیر کے ہندوارہ علاقے میں تین افراد کو گرفتار کرنے کے بعد زیر حراست ہلاک کیا گیا۔ کشمیر کے ڈوڈہ علاقے میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے سکیورٹی فورسز کے آٹھ سپاہی ہلاک کیے۔ ۲۴ فروری ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۱۴، افراد ہلاک کیے گئے۔ ۲۵ فروری ۹۵ء کو سرینگر میں کشمیر ہائی کورٹ کے احاطے میں ان لوگوں نے مظاہرے کیے جن کے بیان کے مطابق ان کے عزیز سکیورٹی فورسز کے ہاتھوں گرفتار ہونے کے بعد لاپتہ ہو گئے ہیں۔ جن کی تعداد سینکڑوں بتائی گئی۔ اسی دن پٹن میں دو سکیورٹی اہلکاروں سمیت بارہ افراد ہلاک کیے گئے۔

۲۷ فروری ۱۹۹۵ء کو اسلام آباد، کیلر اور ترال میں حزب المجاہدین کے سات نوجوان ہلاک کیے گئے۔ ۷ مارچ ۱۹۹۵ء کو ڈوڈہ سمیت کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۱۳، افراد ہلاک ہوئے، جبکہ اسی روز بعض ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے قاضی گنڈ کے قریب ممتازہ

نامی ایک دوشیزہ اور امتیاز احمد اور کشمیر کے میر بحری علاقے میں بشیر احمد صوفی اور وا تھورہ میں شوکت علی گنائی کو ہلاک دیا۔ پلوامہ اور ویری ناگ میں دو افراد کو زیر حراست ہلاک کر دیا گیا۔

۸ر مارچ ۱۹۹۵ء کو چرار شریف میں سکیورٹی فورسز نے منیر احمد اور ایک خاتون کو ہلاک کر دیا۔ ۸ر مارچ ۱۹۹۵ء ہی کو سکیورٹی فورسز نے چرار شریف کے قصبے کو محاصرے میں لے لیا۔ جہاں چرار شریف کی زیارت کے گردونواح میں ہتھیار بند کشمیری نوجوان قیام پذیر تھے، جن کی تعداد تقریباً دوسو بتائی گئی۔ ۱۰ر مارچ ۱۹۹۵ء کو سرینگر کے درجنوں علاقے محاصرے میں لیے گئے اور گھر گھر تلاشیاں اور گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔

۱۳ر مارچ ۹۵ء کو سارے کشمیر میں چرار شریف کو محاصرے میں لینے کے خلاف احتجاجی ہڑتال کی گئی۔ ۱۴ر مارچ ۱۹۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں دس افراد ہلاک کیے گئے، جبکہ ۱۵ر مارچ ۹۵ء کو ۱۴ افراد ہلاک ہوئے اور ۱۶ر مارچ ۹۵ء کو پندرہ افراد ہلاک ہوئے، جن میں زیادہ تر حزب المجاہدین کے نوجوان تھے۔ کُل جماعتی حریت کانفرنس نے چرار شریف کو محاصرے میں لینے اور کشمیر میں بے دریغ ہلاکتوں کو نسل کشی کے مترادف قرار دیتے ہوئے زبردست احتجاج کیا گیا۔

۱۸ر مارچ ۱۹۹۵ء کو کشمیر کے دردپورہ علاقے میں حزب المجاہدین، حرکت الانصار اور البرق نے اپنی مشترکہ کارروائی کے دوران قابض سکیورٹی فورسز کے بتیس ۳۲ اہلکاروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس کارروائی کے دوران چار ہتھیار بند کشمیری نوجوان اور پانچ بے گناہ معصوم شہری بھی ہلاک ہوئے۔ کشمیر کے دوسرے علاقوں میں ۲۲ سے زیادہ افراد ہلاک کیے گئے۔

۲۱ر مارچ ۱۹۹۵ء کو کپوارہ کے کرالہ پورہ علاقے میں تین افراد کو زیر حراست ہلاک کیا گیا۔ اس دوران سرینگر اور دوسرے علاقوں میں گھر گھر تلاشیوں اور گرفتاریوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا گیا۔

۲۲ر مارچ ۱۹۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں دس افراد ہلاک کیے گئے۔

۲۴ر مارچ ۱۹۹۵ء کو جموں میں پے در پے سات بم دھماکے ہوئے، جن میں ایک پاور اسٹیشن اور الیکٹرک ٹاور تباہ کر دیا گیا۔

۲۷ر مارچ ۱۹۹۵ء کو سرکاری ملازمین کی ایمپلائز کانفرنس کی اپیل پر حکومت کی طرف سے ۲۲ سرکاری ملازمین کو ہندوستان مخالف سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی بناء پر نوکری سے برطرف کرنے کے خلاف سرکاری ملازمین نے دو دن بطور احتجاج ہڑتال کر دی۔

۲۸ر مارچ ۱۹۹۵ء کو جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے سربراہ محمد یاسین ملک نے اعلان کیا کہ اگر بھارتی حکومت نے کشمیر میں الیکشن کروائے اور بین الاقوامی رائے عامہ نے ہندوستان کو اس سے باز نہیں رکھا تو محمد یاسین ملک بطور احتجاج خود سوزی کا اقدام کریں گے۔

**

کشمیر پر بین الاقوامی ثالثی کی پیشکش

اپریل ۱۹۹۵ء کے پہلے ہفتے میں وادی کے مختلف علاقوں میں ۵۴ر افراد ہلاک کئے گئے اور اس کے ساتھ ہی چرار شریف کے فوجی محاصرے کے خلاف احتجاجی مہم بھی جاری ہے اور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور فورسز کے درمیان باہمی مسلح تصادم بھی ہو رہے ہیں، جن میں ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کی کارروائیاں کی جا رہی ہیں۔ چرار شریف قصبے کے محاصرے کے بعد اب فوج اور قصبے میں موجود ہتھیار بند نوجوانوں کے درمیان گولیوں کے تبادلے ہونے لگے ہیں۔ جس کی وجہ سے قصبے کی آبادی کا ایک بڑا حصّہ ترکِ سکونت کر کے سرینگر کے نواحی علاقوں میں پناہ گزین ہو رہا ہے۔ دریں اثنار امریکہ نے اعلان کیا ہے کہ وہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر کا تنازعہ حل کروانے کے لئے ثالث کا کردار کرنے کو تیار ہے جس کا پاکستان کی وزیرِاعظم بے نظیر بھٹو نے خیر مقدم کیا اور ثالثی کی پیشکش قبول کر لی، کشمیر کے اندر بھی امریکہ کی پیشکش کا موافق ردِّعمل ہوا اور جب گورنر کشمیر نے ۲۲ر سرکاری ملازمین کو اس بنا پر برطرف کرنے کا اعلان کیا کہ اُن میں سے کچھ تو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے ساتھی ہیں اور کچھ سیکورٹی فورسز کے خلاف عسکری کارروائیوں میں ملوّث ہیں تو وادی کے تمام سرکاری ملازمین نے بطور احتجاج ہڑتال کر دی اور ۱۴ر اپریل ۹۵ء کو تمام کاروباری حلقوں نے سرکاری ملازمین کے حق میں ہڑتال کر کے اُن کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ ۱۶ر اپریل ۹۵ء کو سرکاری ملازمین کے لیڈر اشتیاق قادری کو گرفتار کر لیا گیا اور بعد میں رہا کر دیا گیا۔ اسی دوران غلام نبی ریشی نامی اُس شخص کو پُر اسرار طور پر گولی مار دی گئی، جو جنوبی کشمیر کے میر واعظ ڈاکٹر قاضی نثار کو قتل کرنے کی واردات کا عینی گواہ تھا، جس پر اس قتل

کی اس واردات کے بارے میں شبہات تقویت پکڑ گئے۔ اپریل ۹۵ء کے دوسرے ہفتے میں بھی درجنوں کشمیری نوجوان ہلاک کئے گئے، جن میں وہ ۲۵ر ہتھیار بند کشمیری نوجوان بھی شامل تھے، جن کو ۲۲ر اپریل ۱۹۹۵ء کو ایک ہی دِن ہلاک کیا گیا۔ ۲۲ر اپریل ۹۵ء ہی کو بعض کشمیری ہتھیار بند نوجوانوں نے کشمیری وکیلوں کے صدر میاں عبدالقیوم ایڈوکیٹ کو اُن کے گھر کے باہر گولی مار دی۔ تاہم وہ بچ نکلے۔ ۲۴ر اپریل ۹۵ء کو شمالی کشمیر کے ایک علاقے میں فوج نے ۵۵ ہتھیار بند نوجوانوں کو ہلاک کر دیا۔ اُسی دِن سرینگر کے ایک نواحی علاقے میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے دو سرکردہ ہتھیار بند نوجوانوں کو حراست میں لینے کے بعد ہلاک کر دیا۔ گیا۔ جبکہ ۲۹ر اپریل ۹۵ء کو حزب المجاھدین کے تین ہتھیار بند نوجوانوں کو ایک تصادم کے دوران ہلاک کیا گیا۔ مئی ۱۹۹۵ء کے پہلے ہفتے میں ۶۲ر افراد ہلاک کئے گئے، اسی ہفتے میں اقوامِ متحدہ نے کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا جائزہ لینے کے لئے اپنے ایک نمائندے کو کشمیر بھیجا۔ جس نے کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر تشویش کا اظہار کیا۔ اسی دوران کشمیر کے مختلف علاقوں میں دھماکوں سے ۱۳ر شہری ہلاک کئے گئے۔ جب محاصرے میں لئے گئے چرار شریف قصبے کے ایک سو مکان نذرِ آتش ہو گئے۔ تو کُل جماعتی حُریّت کانفرنس کے لیڈر چرار شریف کی طرف چل پڑے، لیکن اُن کو راستے ہی میں حراست میں لیا گیا اور بعد میں رہا کر دیا گیا۔

چرار شریف نذرِ آتش

چرار شریف کے مولوی امیر الدّین نے انکشاف کیا کہ ہتھیار بند کشمیری نوجوان دسمبر ۱۹۹۴ء کے تیسرے ہفتے میں قصبے میں آئے اور وہ بعض مکانوں میں قیام پذیر ہو گئے، مارچ ۹۵ء میں فوج نے اس قصبے کا محاصرہ کر لیا، جس کے بعد وقفے وقفے سے ہتھیار بند نوجوانوں اور فوج کے درمیان گولیوں کے تبادلے ہوتے رہے۔ اُنہوں نے بتایا کہ قصبے میں محصور ہتھیار بند نوجوانوں کی تعداد تقریباً پچاس تھی، جبکہ ایک دوسرے شخص نے

بتایا کہ ہتھیار بند نوجوان صرف ۳۵ تھے۔ ۶۵ دن تک محاصرے کے بعد کچھ مقامی کشمیریوں نے فوج کے مقامی کمانڈر اور ہتھیار بند نوجوانوں کے کمانڈر کے درمیان رابطے کی کوشش کی تاکہ آستانہ عالیہ کو بچایا جا سکے اور مولوی امیر الدین کے مطابق فوج کا مقامی کمانڈر بظاہر بات چیت پر آمادہ ہو گیا اور پھر فوج نے اپنی ایک چوکی سے آستانہ عالیہ تک ٹیلی فون لائن بھی بچھا دی، چنانچہ ٹیلی فون پر بات چیت کا وقت بھی مقرر کیا گیا اور ہتھیار بند نوجوانوں کا کمانڈر ٹیلی فون پر بات چیت کے لئے آمادہ بھی ہو گیا لیکن فوج کے مقامی کمانڈر نے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا اور پھر بچھائی گئی ٹیلی فون لائن بھی اٹھائی گئی۔ جب ۸ مئی کو دوبارہ ٹیلی فون لائن بچھا کر ہتھیار بند نوجوانوں اور کمانڈر کے درمیان بات چیت ہوئی تو فوجی کمانڈر نے بات چیت کے دوران اس بات پر اصرار کیا کہ مجاہدین ہتھیار ڈال دیں اور اس کے بعد قصبے سے چلے جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فوج نے چرارِ شریف میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ وزیرِ اعظم مسٹر نرسیمہا راؤ نے جن کے پاس دفاع کا محکمہ بھی تھا، ۹ مئی ۱۹۹۵ء کو اپنی کابینہ کے ایک وزیر غلام نبی آزاد جو کشمیر کے ضلع ڈوڈہ کے رہنے والے تھے، سرینگر بھیجا، تاکہ وہ فوج کی کارروائی کے دوران کشمیر میں موجود رہے۔ جس کے بعد عید الاضحیٰ کی رات ۱۰ مئی ۱۹۹۵ء کو فوج چرارِ شریف میں داخل ہو گئی۔ جس کے دوران چرارِ شریف کا پورا قصبہ جس میں صوفی شاعر شیخ نور الدین ولیؒ کا مقبرہ بھی تھا۔ نذرِ آتش کر کے خاکستر کر دیا گیا۔ رات کے دوران اس کارروائی کے بعد ۱۱ مئی ۹۵ء کو پوری وادی میں کرفیو نافذ کر دیا گیا اور دیکھتے ہی گولی مار دینے کا اعلان نشر کیا گیا۔ کرفیو اور دیکھتے ہی گولی مار دینے کے اعلان کے باوجود سارے کشمیر میں لوگوں نے تشدد آمیز مظاہرے کئے اس واردات پر پاکستان نے اسلامی ممالک کی کانفرنس اور اقوامِ متحدہ کو متحرک کر دیا۔ ۵۲ اسلامی ممالک نے اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے مطالبہ کیا کہ سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس طلب کر کے کشمیر کی سنگین صورتِ حال پر غور کیا جائے۔ تاہم سلامتی کونسل کا اجلاس

طلب نہیں کیا گیا۔ چرارِ شریف کی واردات کے خلاف پورے بارہ دن تک کشمیر میں احتجاجی ہڑتال کی گئی اور لوگ مظاہرے بھی کرتے رہے، بلا کسی وقفے کے مسلسل کرفیو نافذ رکھا گیا اور لوگوں کے احتجاجی مظاہروں پر قابو پانے کے لئے گولیوں، آنسو لانے والی گیس کے گولوں اور لاٹھیوں کا اندھا دھند استعمال کیا گیا۔ اس دوران بھی لوگوں کو ہلاک کرنے کا سلسلہ جاری رہا اور مئی کے دوسرے ہفتے میں ۲۸ سے زیادہ افراد ہلاک کئے گئے۔ چرارِ شریف کو نذرِ آتش کرنے کی واردات سے حکومت کے ان منصوبوں کو سخت دھکا لگا جن کے مطابق وہ کشمیر میں اسمبلی کے انتخابات کروانا چاہتی تھی۔ اس زبردست اتھل پتھل لوگوں میں غم و غصے ہلاکتوں اور تباہ کاریوں کے حالات میں حکومت ہندوستان نے اپنے چیف الیکشن کمشنر کو ۲۷ مئی ۱۹۹۵ء کو انتخابات کے سلسلے میں کشمیر بھیجا۔ ہندوستان کے چیف الیکشن کمشنر کی کشمیر میں آمد کے خلاف ایک ہمہ گیر احتجاجی ہڑتال کی گئی جس سے ہندوستان کے چیف الیکشن کمشنر کو سخت مایوسی ہوئی۔ اسمبلی کے لئے انتخابات کروانے کے ارادے تبدیل ہوئے۔ چرارِ شریف میں ۱۰ اور ۱۱ مئی ۹۵ء کی درمیانی رات فوج کی یلغار اس وقت بے معنی ہو کر رہ گئی، جب چرارِ شریف میں موجود ہتھیار بند نوجوانوں میں سے بیشتر وہاں سے محاصرہ توڑ کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو اس سے حکومت اور فوجی قیادت کو سخت خفت اٹھانا پڑی

کشمیر میں پوری زندگی خوف و دہشت میں مبتلا ہے اور خاک و خون میں لتھڑ رہی ہے اور فی الحال اطمینان یا امن و سکون کی بحالی کا بظاہر کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا اور صورتِ حال ایسی مخدوش ہے کہ مستقبل کے بارے میں کوئی بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی اور صدیوں کے ظلم و جبر کے بعد بھی یہی کہا جا سکتا ہے

چرار شریف کا آستانہ

یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ چرار شریف میں شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ عالیہ جسے نذرِ آتش کیا گیا ہے۔ ۸۴۲ھ میں سلطان زین العابدین نے تعمیر کروایا تھا۔

سلطان زین العابدین شیخ نورالدین ولیؒ کا بڑا احترام کرتا تھا اور اُن کے نفس کی پاکیزگی اور سادہ زندگی سے بہت متاثر تھا۔ شمس العارفین نے شیخ نورالدین ولیؒ کی رحلت کا سال ۸۴۲ھ لکھا ہے اور بتایا ہے کہ جب سلطان زین العابدین کو شیخ نورالدین ولیؒ کے انتقال کر جانے کی اطلاع ملی تو وہ خود چرار شریف پہنچے جو سلطان کے دارالحکومت سے ۱۵ میل کے فاصلے پر تھا۔

سلطان زین العابدین شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کے جلوس اور نمازِ جنازہ میں شریک بھی ہوئے اور جنازے کے ساتھ خود اُس جگہ تک گئے۔ جہاں شیخ صاحبؒ کو اُن کی آخری آرامگاہ میں اُتارا گیا۔ شمس العارفین کے بیان کے مطابق شیخ نورالدین ولیؒ کا آستانہ عالیہ تین سال میں مکمل کیا گیا۔ اس میں زیادہ تر دیودار کی لکڑی کا استعمال کیا گیا۔ اِسکی نقاشی پر بھاری رقومات خرچ کی گئیں اور اس کے اندر ایک مخصوص جگہ شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریریں محفوظ رکھی گئیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ان تحریروں میں وہ مراسلے بھی تھے جو حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ نے شیخ نورالدین ولیؒ کے نام لکھے تھے۔

اس کے علاوہ آستانۂ عالیہ میں شیخ نورالدین ولیؒ کے ہمعصر بزرگوں اور

مبلّغوں کے تحریر کردہ نسخے بھی تھے جو سب کے سب ۱۰ اور ۱۱ مئی ۱۹۹۵ء کی آتشزنی میں خاکستر ہوگئے۔ اِن نوادرات کے تلف ہوجانے سے آستانۂ عالیہ کا وہ سات سو سال پرانا اثاثہ اب باقی نہیں رہا۔

شیخ نورالدین ولیؒ جنوبی کشمیر کے ایک گاؤں کیموہ میں ۷۷۹ھ میں عیدالاضحیٰ کے دن پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام شیخ سالارالدین اور والدہ کا نام صدرہ تھا جنہیں لوگ صدرموج یا صدر رید کے نام سے پکارتے تھے۔

شیخ سالارالدین کشتواڑ کے ایک راجپوت خاندان سے تھے، اُن کا نام سالارِ جنگ تھا اور اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا نام شیخ سالارالدین رکھا گیا۔ شیخ نورالدین ولیؒ کے دو سوتیلے بھائی بھی تھے۔ اُن کی والدہ اور شیخ سالارالدین کی نکاح خوانی یاسمین ریشی نے انجام دی تھی۔

جب شیخ نورالدین ولیؒ جوان ہوئے تو اُن کے سوتیلے بھائیوں نے ان کو تکلیف دینے کی کوشش کی۔ جس پر وہ اپنا آبائی گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ بتایا گیا ہے کہ وہ تقریباً بارہ سال تنہائی میں رہے۔ ان کی تعلیمات نے سارے کشمیر میں شہرت حاصل کی۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ کبھی کبھی باغات کی سیر بھی کرتے تھے، البتہ زیادہ تر عبادت اور ریاضت میں وقت گزارتے تھے، وہ کشمیر میں پھیلی ہوئی بدعتوں کے سخت خلاف تھے، جس کا انھوں نے اپنی شاعری میں بھی ذکر کیا ہے۔

آپ کے ہم عصر صوفیوں کا بیان ہے کہ شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ سادہ لباس پہنتے تھے اور سادہ اور معمولی غذا پر گذر اوقات کرتے تھے۔ شاہ ہمدانؒ بھی شیخ نورالدین ولیؒ کے عہد میں کشمیر آئے اور وہ بھی شیخ نورالدین ولیؒ سے ملتے رہتے تھے۔

کشمیر میں لوگ شیخ نورالدین ولیؒ کو علمدارِ کشمیر کہتے ہیں اور زندگی کے مختلف شعبوں

کے بارے میں علمدارِ کشمیر کے ارشادات زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ ہر روز کشمیر کے طُول وعرض سے لوگ چرارِ شریف میں آستانۂ عالیہ پر حاضری دیا کرتے تھے اور آستانۂ عالیہ کے نذرِ آتش کیے جانے کے بعد ہزارہا لوگ چرارِ شریف پہنچتے رہے اور وہاں لوگوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری تھا۔

آتش زدہ قصبے کو دوبارہ تعمیر کرنے کے منصوبے ہاتھ میں لیے گئے۔ حکومت نے آتش زدگی کا شکار لوگوں کو اُن کی جائیدادوں کا معاوضہ دینے کی پیش کش کی اور عوامی سطح پر مذہبی لیڈروں نے آستانۂ عالیہ کی تعمیرِ نو کی منصوبہ بندی بھی کی اور اس عزم کا اظہار کیا کہ آستانۂ عالیہ کی تعمیرِ نو شیخ نورالدین ولیؒ کی تعلیمات کی عکاس ہوگی۔

چرارِ شریف سانحہ کے بعد

جون ۱۹۹۵ء میں بھی کشمیر میں بڑے لرزہ خیز واقعات رونما ہوئے اور تشدد آمیز واقعات میں ڈیڑھ سو سے زیادہ افراد ہلاک کئے گئے۔ ۲ر جون ۹۵ء کو بیج بہاڑہ علاقے میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی طرف سے بچھائی گئی ایک بارودی سرنگ کے دھماکے میں فوج کا ایک کرنل اور نصف درجن سپاہی ہلاک ہوگئے۔ پُراسرار ہلاکتوں کا سلسلہ بھی جاری ہے اور حبہ بٹہ مالو کے محمد جمال بٹ کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا تو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی کوارڈی نیشن کمیٹی نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس کے قتل کو افسوسناک واردات قرار دیا۔ خونریز وارداتوں کے خلاف خواتین کے مُظاہرے بھی جاری ہیں اور مختلف علاقوں کی ناکہ بندی، تلاشیاں اور گرفتاریاں بھی جاری ہیں اور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے باہمی اور گروہی تصادم بھی ہو رہے ہیں۔ جن میں متعدد افراد ہلاک ہوتے ہیں، ۴ر جون ۱۹۹۵ء کو الجہاد نامی تنظیم کے ہتھیار بند نوجوانوں نے سرینگر کی مولانا آزاد شاہراہ پر چلتی گاڑی سے سیکورٹی فورسز پر گولی چلا دی۔ جس میں چار سکیورٹی اہلکار ہلاک ہوگئے ۶ر جون ۹۵ کو بادامی باغ کی فوجی چھاونی میں بچھائی گئی بارودی سُرنگ کا دھماکہ ہوا جس میں کئی فوجی اہلکار ہلاک اور زخمی ہوگئے۔ ۸ر جون ۹۵ء کو مولانا عباس انصاری کی قیادت میں نکالے گئے مُحرم کے تعزیتی جلوس پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ جس کے بعد سرینگر کے کئی علاقوں میں تین گھنٹے تک کشمیری ہتھیار بند نوجوانوں اور نیم فوجی دستوں کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی۔ اُسی روز کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۲۲ افراد ہلاک کئے گئے۔ حکومت نے ذوالجناح کے جُلوس پر پابندی کر دی، تو کشمیری لبریشن فرنٹ کے اہتمام سے اِس پابندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک تعزیتی جلوس نکالا گیا۔ جس پر تشدد ڈھا کر جلوس میں شامل لوگوں کو منتشر کر دیا گیا۔ اسی دن برطانوی پارلیمنٹ کے ۲۷ ممبروں نے اپنے ایک مُشترکہ بیان میں اِس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ کشمیر کے سوال پر ہندوستان اور

پاکستان برسرِ جنگ ہیں اور دونوں ملکوں کے درمیان ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کا امکان بڑھ گیا ہے۔ 11، جون ۱۹۹۵ء کو کشمیر میں بارہ افراد ہلاک کئے گئے اور ۱۲، جون ۹۵ء کو بھی پندرہ افراد ہلاک کئے گئے۔ ہندوستان کی وزارتِ دفاع کے اعلان کے مطابق ۱۵، جون ۹۵ء کو کشمیر میں لائن آف کنٹرول پر ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور فوج کے درمیان خونریز تصادم میں دس ہتھیار بند کشمیری نوجوان ہلاک کئے گئے البتہ فوج کے جانی نقصان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔ ۱۶، جون ۱۹۹۵ء کو کشمیر کے کھرم سرہامہ علاقے میں فوج نے ۲۲، شہریوں کو ہلاک کر دیا اور بہت سے مکان نذر آتش کئے گئے اور اُسی دن سرینگر کے رعناواری علاقے میں ہتھیار بند نوجوانوں نے نیم فوجی دستے کے متعدد اہلکاروں کو ہلاک کر دیا۔ ۱۸، جون ۹۵ء کو اٹھارہ افراد ہلاک کئے گئے جن میں سکیورٹی فورسز کے تین سپاہی بھی شامل تھے۔ ۲۰، جون ۹۵ء کو بھی کشمیر میں ۱۹، افراد ہلاک کئے گئے۔ کشمیر کے مختلف علاقوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں، نوجوانوں کو گرفتار کرنے کے بعد گولی مار دینے اور کشمیری خواتین کے خلاف دراز دستیوں کی وارداتوں پر بہت سے علاقوں میں احتجاجی مظاہرے کئے گئے۔ ۲۴، جون ۹۵ء کو واشنگٹن میں امریکی سینٹ کے اجلاس میں کشمیر پر ایک قرار داد پیش کی گئی جس میں امریکا کے صدر سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر کا مسئلہ حل کروانے کے لئے فوری اقدامات کریں۔ اس کے اگلے دن گورنر کشمیر کے ایک مشیر لیفٹننٹ جنرل ایم۔ اے۔ زکی نے چرار شریف میں فوج کی کاروائی کے خلاف بطور احتجاج مستعفی ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ دریں اثنا کشمیر میں خونریزی جاری ہے اور ۲۵، جون ۹۵ء کو مزید ۱۶، افراد ہلاک کئے گئے اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں متعین امریکا کے سفیر کو کشمیر کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا گیا جو پورے چار دن تک کشمیر میں ٹھہرے اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد کشمیر کا مسئلہ

بلاتاخیر حل کرنے پر زور دیا۔ ۲۶، جون ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں حزب المجاہدین کے بارہ اراکین ہلاک کئے گئے جن میں ایک کمپنی کمانڈر بھی شامل تھا۔ جو سرینگر کے قرہ فلی محلے کا رہنے والا تھا۔ اس دوران سرینگر کے مختلف علاقوں میں ایسے گرینیڈ دھماکے بھی ہوتے رہے جن سے زیادہ تر شہری نشانہ بن جاتے ہیں اور پھر ۲۸، جون ۹۵ء کو کشمیر میں ۲۷، افراد ہلاک ہوئے جن میں وہ ۱۳، ہتھیار بند کشمیری نوجوان بھی شامل تھے جو کشمیر میں لائن آف کنٹرول کے کپواڑہ علاقے میں ہلاک کئے گئے۔ یکم جولائی ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں تین خواتین سمیت ۲۲، افراد ہلاک کئے گئے اِن میں وہ پانچ ہتھیار بند کشمیری نوجوان بھی شامل تھے جن کو پٹن میں ایک مکان پر چھاپے کے دوران ہلاک کر دیا گیا۔ یکم جولائی ۹۵ء کو کشمیر یونیورسٹی کے کنٹرولر امتحانات ڈاکٹر معراج الدین کو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے اغوا کر لیا اور تشدد کی کچھ دوسری وارداتیں بھی رونما ہوئیں۔ ۳، جولائی ۹۵ء کو سرینگر میں تشدد آمیز واقعات کے دوران کئی افراد ہلاک ہو گئے اور وادی کے دوسرے علاقوں میں سات ہتھیار بند نوجوانوں سمیت ۱۳، افراد ہلاک کئے گئے۔ دریں اثنا انسانی حقوق کے عالمی اِدارے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے کشمیر میں گرفتار کرنے کے بعد ہلاک کرنے کی بڑھتی ہوئی وارداتوں پر حکومت ہند سے احتجاج کیا۔ ہتھیار بند نوجوانوں کے مختلف گروہوں کے درمیان تصادموں میں چار افراد ہلاک کئے گئے۔ ۷، جولائی ۹۵ء کو کشمیر کے پہلگام علاقے میں چار امریکی اور برطانوی سیاح اِغوا کر لئے گئے جس سے نئی دہلی میں غیر ملکی سفارتخانوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور بہت سے سفارتی اہلکار حالات کا جائزہ لینے کشمیر پہنچے۔ ۸، جولائی ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۲۸، افراد ہلاک کئے گئے اور سرینگر میں ہتھیار بند نوجوانوں کے گرینیڈ دھماکوں سے پانپور کی ایک دوشیزہ سمیت دو شہری ہلاک ہو گئے، ۸، جولائی ۹۵ء کو ہی ملائشیا کے وزیر اعظم مہاتیر محمد نے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر کا مسئلہ حل کروانے

کے لئے ثالثی کی پیش کش کردی۔ ۹؍ جولائی ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۱۸؍ سے زیادہ افراد ہلاک کئے گئے۔ مختلف عسکری تنظیموں کی طرف سے پریس پر غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے سرینگر سے شایع ہونے والے تمام اخبارات نے اپنی اشاعت بطور احتجاج غیر معینہ عرصے کے لئے بند کردی اور اُسی دن کشمیر کے پہلگام علاقے میں ناروے کے ایک سیاح کو بھی اغوا کرلیا گیا اور جرمنی کا ایک سیاح بھی غائب ہوگیا۔ ناروے کے سیاح کو اغوا کرنے والوں نے بعد میں ہلاک کردیا۔ جس پر بین الاقوامی حلقوں نے شدید ردِعمل کا اظہار کیا۔ جولائی ۹۵ء کے مہینے میں بھی کشمیر کے مختلف علاقوں میں تین سو سے زیادہ افراد ہلاک کئے گئے۔ سرینگر اور دوسرے علاقوں میں پے درپے دھماکے بھی ہوتے رہے اور حرکت الانصار عسکری تنظیم کی طرف سے کشمیر میں امرناتھ یاترا پر دوبارہ پابندی عائد کردی گئی۔ جس کی بنا پر کشمیر کے پہلگام علاقے سے امرناتھ کے مقام تک فوج متعین کردی گئی اور امرناتھ یاترا پر آنے والے لوگوں کے لئے زبردست حفاظتی اِنتظامات کرلئے گئے۔ ۴؍ اگست ۹۵ء کو سولہ افراد ہلاک کئے گئے اور اُسی دن کُل جماعتی حریت کانفرنس کی مُداخلت پر سرینگر سے شایع ہونے والے اخبارات نے دوبارہ اپنی اشاعت بحال کردی۔ ۴؍ اگست ۹۵ء کو ہی پانپور میں ایک ناخوشگوار واردات رونما ہوئی جب کشمیر کے ایڈیشنل چیف سیکرٹری محمد شفیع پنڈت پر گولی چلادی گئی، وہ خود تو بال بال بچ گئے البتہ اُن کا ڈرائیور ہلاک ہوگیا۔ اِس واردات کے خلاف عوام اور بعض عسکری تنظیموں نے احتجاج کیا۔ اِسی دوران حکومت نے کشمیر پولیس کو دوبارہ مُنتظم کرکے ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے خلاف کارروائیوں پر آمادہ کرلیا۔ اِس مقصد کے لئے کشمیر پولیس کی ٹاسک فورس قائم کی گئی جسے ہتھیار بھی فراہم کئے گئے اور جو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے خلاف سرگرم ہوگئی، ۵؍ اگست ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں آٹھ سے زیادہ افراد ہلاک کئے گئے، اُسی دن ناؤپورہ اور چاڈورہ میں تین شہریوں کی لاشیں برآمد ہوئیں۔ جن کو ایسے

افراد نے ہلاک کیا تھا۔ جن کو نامعلوم کشمیری بندوق بردار بتایا گیا۔ ۵؍ اگست ۹۵ء ہی کو جب سری نگر میں صورتِ حال تشویشناک ہوگئی تو سری نگر کے بیشتر علاقے فوج کے حوالے کردیئے گئے جس نے درجنوں علاقوں کی ناکہ بندی کے بعد بہت سے جنگجو نوجوانوں اور دوسرے لوگوں کو گرفتار کرلیا۔ اُسی روز کشمیر کے بعض علاقوں میں آتشزنی کی وارداتیں بھی رُونما ہوئیں۔ جن میں بہت سے مکان جل کر خاکستر ہوگئے، ۷؍ اور ۸؍ اگست ۹۵ء کو بھی کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۱۷؍ افراد ہلاک کئے گئے اور دس ہتھیار بند کشمیری نوجوان گرفتار کئے گئے۔ ۹؍ اگست ۹۵ء کو کشمیر کے پہلگام علاقے میں پے درپے دھماکے ہوئے اور اسی دن گیارہ افراد کو ہلاک کیا گیا جبکہ ۱۰؍ اگست ۹۵ء کو ۱۴؍ سے زیادہ افراد ہلاک کئے گئے جن میں حرکتہ الانصار نامی ہتھیار بند نوجوانوں کے چھ افراد بھی شامل تھے اُسی دن یعنی ۱۰؍ اگست ۹۵ء کو بعض نقاب پوش ہتھیار بند نوجوانوں نے بارہمولہ میں ایک فیکٹری کے چوکیدار کو پھانسی پر لٹکا کر ہلاک کردیا۔ ۱۰؍ اگست ۹۵ء سے ہی کشمیر کے دارالحکومت سرینگر میں یومِ اِستقلالِ پاکستان اور ہندوستان کے یومِ آزادی کے پیشِ نظر بڑے پیمانے پر فوج اور نیم فوجی دستے متعین کردیئے گئے اور بڑے پیمانے پر گرفتاریاں بھی عمل میں لائی گئیں۔ ۱۱؍ اگست ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۱۳؍ افراد ہلاک کئے گئے۔ کچُھ علاقوں میں بارودی سرنگوں کے دھماکے بھی ہوئے اور کشمیری بندوق بردار نوجوانوں نے تین افراد کو گولی مار کر ہلاک کردیا۔ جن کو نامعلوم کشمیری بندوق بردار بتایا گیا۔ ۱۲؍ اگست ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۳۲؍ افراد ہلاک کئے گئے جن میں آٹھ کشمیری ہتھیار بند نوجوان بھی شامل تھے۔ ۱۳؍ اگست ۹۵ء کو ۱۰؍ افراد ہلاک کئے گئے۔ ۱۴؍ اگست ۹۵ء کو دالحکومت سرینگر، سکیورٹی فورسز نے محاصرے میں لے لیا۔ اس کے باوجود ۱۴؍ اگست ۱۹۹۵ء کو سرینگر اور وادی کے قصبہ جات میں یوم استقلالِ پاکستان کی تقریبات منعقد کی گئیں اور سبز ہلالی پرچم لہرائے گئے، جبکہ ۱۵؍ اگست ۹۵ء کو

ہندوستان کے یوم آزادی پر سارے کشمیر میں یوم سیاہ منایا گیا اور سرینگر کے بخشی سٹیڈیم میں سرکاری تقریب فوج کے پہرے میں منعقد کی گئی اور عین ہندوستان کے یوم آزادی پر جموں میں ایک ہوٹل عمارت کے اندر بم دھماکے سے آٹھ افراد ہلاک کئے گئے۔ اسی دوران کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۲۶ افراد ہلاک کئے گئے، کچھ علاقوں سے ایسی لاشیں بھی برآمد کی گئیں، جن کو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے اغوا کرنے کے بعد ہلاک کردیا تھا۔ کشمیر کے بانڈی پور علاقے میں بھی تین شہریوں کی لاشیں برآمد ہوئیں، جن کو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے اغوا کرنے کے بعد ہلاک کیا تھا۔ ۲۳ اگست ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۱۷ افراد ہلاک کئے گئے۔ ۲۴ اگست ۹۵ء کو حکومت نے ایک بیان جاری کیا جس میں یہ بتایا گیا کہ تین ہفتے کے دوران کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۴۸ سکیورٹی اہلکار ہلاک کئے گئے۔ ۲۵ اگست ۹۵ء کو ناگام چاڈورہ میں تین سکیورٹی اہلکاروں سمیت آٹھ افراد ہلاک کئے گئے۔ کشمیر کے کچھ دوسرے علاقوں میں بھی ہلاکتوں کی وارداتیں ہوئیں۔ ۲۶ اگست ۹۵ء کو ناؤ پورہ میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے تین افراد کو گولی مار کر ہلاک کردیا اُسی دن کشمیر کے مختلف علاقوں میں سکیورٹی فورسز نے ۲۳، افراد کو ہلاک کیا۔ ۲۹ اگست ۹۵ء کو دارالحکومت سرینگر کے مختلف علاقوں میں پانچ افراد ہلاک کئے گئے جبکہ کشمیر کے دوسرے علاقوں میں ۲۵ افراد ہلاک کئے گئے۔ ۳۰ اگست ۹۵ء کو سولہ افراد ہلاک کئے گئے جن میں وہ پانچ افراد بھی شامل تھے جن کو بندوق برداروں نے ہلاک کیا، اس دوران سرینگر اور قصبوں میں سکیورٹی فورسز نے مختلف علاقوں کو محاصرے میں لے کر گھر گھر تلاشیوں اور گرفتاریوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ یکم ستمبر ۹۵ء کو سرینگر کے آبی گذر علاقے میں ٹائم بم کا دھماکہ ہوا جس سے درجنوں دکانیں تباہ ہوگئیں ۲ ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ایسے افراد کی لاشیں برآمد ہوئیں جن کو ہتھیار بند

کشمیری نوجوانوں نے اغوا کرنے کے بعد ہلاک کیا تھا۔ ان میں ایک ٹیچر کی لاش بھی شامل تھی۔ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں اور سکیورٹی فورسز کے درمیان جھڑپوں اور گرینیڈ حملوں کے بعد ضلع اسلام آباد کے اہم قصبوں میں کرفیو نافذ کیا گیا، ۴ ستمبر ۹۵ء کو سرینگر کے کوٹھی باغ علاقے میں سٹیٹ بینک آف انڈیا کے قریب حزب المجاہدین نے کار بم کا ایسا دھماکہ کیا جس میں پندرہ سے زیادہ افراد ہلاک اور ۳۲ زخمی ہوگئے۔ ہلاک ہونے والوں میں راج باغ سرینگر کی ایک خاتون بھی شامل تھی۔ اس دھماکے میں سکیورٹی فورس کے سات اہلکار بھی ہلاک ہوگئے اس کے علاوہ کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۳۴ افراد ہلاک کئے گئے، ۵ ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں آٹھ افراد ہلاک کئے گئے۔ ان میں ریشی پورہ کولگام کا پندرہ سالہ ایک لڑکا بھی شامل تھا جس کو گھر کے صحن میں گولی مار کر ہلاک کیا گیا۔ ۶ ستمبر ۹۵ء کو سرینگر کے کئی علاقوں میں زبردست احتجاجی مظاہرے کئے گئے، اُسی دن بعض ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے ایک دوشیزہ سمیت پانچ افراد کو ہلاک کردیا۔ دوسرے کئی علاقوں میں بھی سات افراد ہلاک کئے گئے، ۷ ستمبر ۹۵ء کو سرینگر کے بی بی سی دفتر میں پارسل بم کا پُراسرار دھماکہ ہوا جس میں بی بی سی کا مقامی نمائندہ یوسف جمیل، فوٹو جرنلسٹ مشتاق علی اور حبیب اللہ نقاش شدید زخمی ہوگئے ان میں سے مشتاق علی بعد میں زخموں کی تاب نہ لاکر جاں بحق ہوگیا۔ کشمیر کے دوسرے علاقوں میں بھی دس افراد ہلاک کئے گئے۔ صحافیوں پر پارسل بم دھماکے کے خلاف پورے کشمیر میں تین دن تک احتجاجی ہڑتال رہی۔ اس ہڑتال کے دوران پندرہ افراد ہلاک کئے گئے۔ ۹ ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۱۸ افراد ہلاک کئے گئے ان میں سرینگر کے سعیدہ کدل علاقے کا مولانا محمد صدیق ڈار بھی شامل تھا جو جماعت اسلامی کا سرگرم رُکن تھا اور جسے ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے عین

اُس وقت ہلاک کر دیا جب وہ مسجد میں نمازِ عشا ادا کر کے واپس گھر جا رہا تھا۔ ۱۱ستمبر ۹۵ء کو فوٹو جرنلسٹ مشتاق علی جب ہسپتال میں زخموں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گیا تو کشمیر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اُس کے جلوسِ جنازہ میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے ۱۲ اور ۱۳ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۲۲ افراد ہلاک کئے گئے، ۱۴ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں سات افراد ہلاک کئے گئے جن میں اسلام آباد کے سپرانٹنڈنٹ پولیس محمد امین شاہ کے والد بھی شامل تھے جن کو بعض ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے گھر میں داخل ہو کر گولی مار دی۔ ۱۵ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں سولہ افراد ہلاک کئے گئے اِن میں سیکورٹی فورسز کے وہ پانچ اہلکار بھی شامل تھے جو کشمیری ہتھیار بند نوجوانوں کی طرف سے بچھائی گئی ایک بارودی سرنگ میں ہلاک ہو گئے۔ سرینگر کے نارہ بل علاقے میں بھی نذیر احمد لون' جسے کشمیری ہتھیار بند نوجوانوں نے اغوا کیا تھا' ہلاک کر دیا گیا۔ اس سے پہلے نذیر احمد لون کی والدہ اور بھائی کو بھی اسی طرح ہلاک کیا گیا تھا۔ ۱۶ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں آٹھ افراد ہلاک کئے گئے۔ جن میں وہ پانچ افراد بھی شامل تھے جن کو بعض ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے ہلاک کیا۔ ۱۸ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں پے در پے دھماکے ہوئے اور مختلف مقامات پر ۱۴ افراد ہلاک کئے گئے ان میں وہ دو افراد بھی شامل تھے جن کو کھرم کے علاقے میں اُن کے مکان کے اندر زندہ جلا دیا گیا۔ ۱۹ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے بیج بہاڑہ علاقے میں ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے تین افراد کو اغوا کرنے کے بعد ہلاک کر دیا ۔ ۲۳ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۱۳ افراد کو ہلاک کیا گیا۔ اِن میں لال بازار کے وہ تین ہتھیار بند کشمیری نوجوان اور دو شہری بھی شامل تھے، جو اُس مکان میں ہلاک ہو گئے جس پر سیکورٹی فورسز نے مارٹر توپ کے گولے برسائے تھے جن سے مکان بھسم ہو گیا اور پانچ افراد ہلاک ہو گئے

اِسی دوران جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے ایک سابق پبلسٹی چیف شبیر احمد صدیقی نے اپنے حامیوں سمیت لبریشن فرنٹ سے الگ ہو کر لبریشن فرنٹ کے نام پر ہی اپنی الگ تنظیم قائم کر لی۔ شبیر احمد صدیقی کو لبریشن فرنٹ کے چیئرمین امان اللہ خان مقیم اسلام آباد پاکستان کی حمایت حاصل تھی۔ چنانچہ لبریشن فرنٹ کے صدر محمد یاسین ملک نے امان اللہ خان کو چیئرمین کے عہدے سے برطرف کر دیا اور لبریشن فرنٹ کی کمانڈ کونسل نے محمد یٰسین ملک کو چیئرمین منتخب کر لیا۔ کُل جماعتی حُریت کانفرنس نے متفقہ طور پر محمد یاسین ملک کی حمایت کا اعلان کر دیا اور اُن کو ہی لبریشن فرنٹ کا سربراہ تسلیم کیا۔ ۲۶ستمبر ۹۵ء کو حُریت کانفرنس کے چیئرمین میر واعظ مولوی عمر فاروق اسلامی کانفرنس کی دعوت پر نیویارک گئے جہاں انہوں نے اسلامی کانفرنس کے ممبر ملکوں کے وزرائے خارجہ کے اجلاس سے خطاب کیا اور ان کو کشمیر کی صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اسی دوران کشمیر کے آلوچہ باغ اور بارہمولہ علاقوں میں نصف درجن ایسے مکان مارٹر توپوں سے تباہ کر دیئے گئے جن پر سیکورٹی فورسز کو شبہ تھا کہ اِن مکانوں میں ہتھیار بند کشمیری نوجوان موجود ہیں۔ بارہمولہ میں جس مکان کو توپوں کے گولوں سے تباہ کیا گیا اُس میں آٹھ ہتھیار بند کشمیری نوجوان موجود تھے۔ اسی دوران تھوڑے تھوڑے وقفے سے کشمیر میں احتجاجی ہڑتالوں کا سلسلہ بھی جاری ہے اور ہلاکتوں اور دوسری بربادیوں کے خلاف احتجاجی مظاہرے بھی ہو رہے ہیں۔ جمعیت المجاہدین نامی عسکری تنظیم کی اپیل پر ۲۹ستمبر ۹۵ء کو کشمیر میں احتجاجی ہڑتال کی گئی۔ اِس عسکری تنظیم نے بتایا کہ اس کے پندرہ ہتھیار بند نوجوان ہلاک کئے گئے۔ ۲۹ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے ترہگام علاقے میں بعض ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے کوآپریٹیو بینک کے جنرل منیجر کو اغوا کرنے کے بعد ہلاک کر دیا۔ دریں اثناء ۵۲ اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ نے نیویارک میں اپنے ایک اجلاس کے بعد اعلان کیا کہ وہ کشمیر میں سنگین صورتِ حال کے بارے میں اقوام متحدہ

کے سیکرٹری جنرل کو ایک میمورنڈم پیش کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اسلامی ملکوں کی تنظیم نے ہندوستان سے اپیل کی کہ وہ اسلامی ملکوں کے ایک وفد کو کشمیر جانے کی اجازت دے تاکہ کشمیر میں حالات کا جائزہ لیا جاسکے۔ ۳۰ ستمبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں دس افراد ہلاک کئے گئے اس کے ساتھ ہی سکیورٹی فورسز نے بہت سے علاقوں میں چھاپے مارے اور ۲۴ افراد گرفتار کئے گئے۔ اسی دوران تین مکانوں پر سکیورٹی فورسز نے مارٹر توپوں کے گولے برسائے جن سے تینوں مکان خاکستر ہوگئے اور جو لوگ ان مکانوں میں موجود تھے وہ بھی ہلاک کئے گئے۔ ہندوستان کی حکومت نے اپنے ایک الیکشن کمشنر کو کشمیر میں حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ جس نے کشمیر کے دورے سے اپنی واپسی پر یکم اکتوبر ۹۵ء کو اپنی رپورٹ پیش کی جس میں الیکشن کمشنر نے کہا کہ کشمیر میں انتخابات ممکن نہیں ہیں اور عوام اس میں شمولیت کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یکم اکتوبر کو کپواڑہ میں پانچ ہتھیار بند کشمیری نوجوان ہلاک کئے گئے۔ اُسی دن کشمیر کے شادی پورہ واکورہ علاقے میں بعض ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے چھ افراد کو ہلاک کردیا۔ ۲ اکتوبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں چھ افراد ہلاک کئے گئے' ان میں مختار احمد شیخ نامی ایک طالب علم بھی شامل تھا جسے سکیورٹی فورسز نے گرفتار کرنے کے بعد گولی ماردی۔ ۴ اکتوبر ۹۵ء کو برطانوی لیبر پارٹی نے اپنے ایک خصوصی کنونشن میں کشمیر پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کی حمایت کا اعلان کردیا۔ ۴ اکتوبر ۹۵ء کو ہی کشمیر کے ترہگام علاقے میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے بانی مقبول بٹ کا بھائی منظور احمد بٹ سکیورٹی فورسز نے ہلاک کردیا۔ اس کے علاوہ کشمیر کے مختلف علاقوں میں دس افراد ہلاک کئے گئے۔ ۵ اکتوبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں مزید پانچ افراد ہلاک کئے گئے۔ ان میں سے تین ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کو حراست میں لینے کے بعد ہلاک کیا گیا۔ اس دوران وادی کے مختلف علاقوں

میں درجنوں مکان مارٹر توپوں کے گولوں سے تباہ کر دیئے گئے۔ کشمیر کے دیہاتی علاقوں میں ہلاکتوں' جبر و زیادتیوں اور گرفتاریوں کے خلاف لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا اور بہت سے دیہاتی علاقوں کے لوگ ترکِ سکونت پر مجبور کر دیئے گئے۔ ۱۰ اکتوبر ۹۵ء کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے جنرل اسمبلی کو جو سالانہ رپورٹ پیش کی، اُس میں کشمیر کے تنازعے پر اظہار تشویش کیا گیا۔ واشنگٹن میں انسانی حقوق کے ایک ادارے نے کشمیر پر ایک ایسی کانفرنس طلب کرنے کا اعلان کردیا۔ جس میں کشمیر کی کنٹرول لائن کے دونوں طرف کے سیاسی لیڈروں کو بلانے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ کشمیر کے مسئلے کا کوئی حل تلاش کیا جاسکے۔ 11 اکتوبر کو سکیورٹی فورسز نے سرینگر کے عیدگاہ علاقے میں بہت سے مکان نذرِ آتش کر دیئے۔ اُسی دن کشمیر کے مختلف علاقوں میں سولہ افراد ہلاک کئے گئے۔ ۱۲ اکتوبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں آٹھ افراد ہلاک کئے گئے اس دوران ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کے درمیان گروہی تصادم بھی ہوئے جن میں پانچ افراد ہلاک ہو گئے۔ کشمیر میں احتجاجی ہڑتالوں کا سلسلہ بھی جاری ہے اور ہلاکتوں کے خلاف احتجاجی مظاہرے بھی ہو رہے ہیں۔ ۱۳ اکتوبر ۹۵ء کو کشمیر میں حالات کا جائزہ لینے کے لئے بین الاقوامی ریڈ کراس کی ایک ٹیم سرینگر آئی ۱۴ اکتوبر ۹۵ء کو حریت کانفرنس کے چیئرمین میر واعظ مولوی عمر فاروق نے امریکا میں اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کے اجلاس میں کشمیر کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ ۱۴ اکتوبر ۹۵ء ہی کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں چھ افراد ہلاک کئے گئے۔ جن میں دو خواتین بھی شامل تھیں اور بتایا گیا کہ ان دونوں خواتین کو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے ہلاک کردیا ہے اُسی دن سرینگر کے پادشاہی باغ علاقے میں تین ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کو حراست میں لینے کے بعد ہلاک کر دیا گیا۔ ۱۵ اکتوبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں سات افراد کو ہلاک کر دیا گیا۔ ۱۷ اکتوبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں گیارہ افراد

ہلاک کیے گئے، ان میں سکیورٹی فورسز کے تین اہلکار بھی شامل تھے جو بارودی سرنگ کے ایک دھماکے میں ہلاک ہوگئے۔ صورہ کے قریب کشمیر کے ۴۵ سالہ ایک سرکردہ وکیل ڈگیٹ کے غلام قادر کو سکیورٹی فورسز نے سرِراہ گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ ۱۸ اکتوبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۳۲ افراد ہلاک کیے گئے اور کئی مکان نذرِ آتش کئے گئے۔ ۱۹ اکتوبر ۹۵ء کو سرینگر میڈیکل کالج کے ایک سٹوڈنٹ شبیر احمد کو سرِراہ گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا اُسی دن بڈگام کے بعض علاقوں میں چار افراد ہلاک کیے گئے اور چھ مکان نذرِ آتش کردیئے گئے۔ ۲۰ اکتوبر ۹۵ء کو سرینگر کے مختلف علاقوں میں زبردست ہنگامے ہوئے ایک بارودی سرنگ پھٹنے سے چار سکیورٹی اہلکار ہلاک ہوگئے اور ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں کی طرف سے گرینیڈ پھینکنے کے نتیجے میں ایک شہری ہلاک اور آٹھ بُری طرح زخمی ہوگئے۔
ادھر جنوبی امریکا کے مُلک کولمبیا میں غیر جانبدار ممالک کے سربراہ اجلاس میں پاکستان نے کشمیر کے مسئلے پر بین الاقوامی رائے عامہ مبذول کروائی اور اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ہندوستان پر دباؤ ڈالنے کا مطالبہ کیا جبکہ کشمیر میں آتشزنی کی وارداتوں کے علاوہ بارہ نوجوان ہلاک کئے گئے، ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو بھی دس افراد ہلاک کئے گئے اور اُسی دن پاکستان نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کشمیر کا مسئلہ اُبھارا۔ ۲۴ اکتوبر ۹۵ء کو کشمیر کا مسئلہ حل کرنے میں اقوام متحدہ کی ناکامی کے خلاف حُرّیت کانفرنس نے سرینگر میں احتجاجی مُظاہرے کیے جن کو حکومت نے طاقت کے بے تحاشا استعمال سے ناکام بنا دیا مظاہروں کی قیادت کے سلسلے میں سید علی گیلانی، محمد یٰسین ملک، خواجہ عبدالغنی لون اور دوسرے کئی لیڈر گرفتار کیے گئے اور ان پر تشدد ڈھایا گیا۔ ۲۵ اکتوبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں پندرہ افراد ہلاک کیے گئے، جن میں حزب المجاہدین کے آٹھ عسکری نوجوان بھی شامل تھے۔ دریں اثنا کشمیر کے مختلف علاقوں میں احتجاجی مظاہروں اور ہڑتالوں کا

کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ مختلف علاقے محاصرے میں لینے، گھر گھر تلاشیاں اور گرفتاریاں بھی عمل میں لائی جارہی ہیں۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو کشمیر کے طول و عرض میں ہمہ گیر احتجاجی ہڑتال کی گئی۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے دِن ہندوستانی فوج طیاروں کے ذریعے سرینگر میں اُتاری گئی تھی۔ احتجاجی ہڑتال کے دوران کشمیر کے مختلف علاقوں میں مظاہرے ہوئے اور مظاہروں پر قابو پانے کے لئے گولی چلادی گئی، آنسو لانے والی گیس استعمال کی گئی اور لاٹھی چارج بھی کیا گیا۔ جبکہ مختلف علاقوں میں دس افراد ہلاک کیے گئے جن میں چار ایسے افراد بھی شامل تھے، جن کے بارے میں بتایا گیا کہ اُن کو ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے ہلاک کردیا۔ اِسی اثنا میں ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں نے امریکا کے اِنسٹی ٹیوٹ برائے امن کی وہ تجویز مُسترد کردی کہ کشمیر کی کنٹرول لائن کے دونوں طرف کے سیاسی لیڈروں کی امریکا میں ایک نمایندہ کانفرنس منعقد کی جائے جس میں کشمیر کے مسئلے کا کوئی خاطر خواہ حل نِکالا جاسکے۔ ۲۸ اکتوبر ۹۵ء کے دن مختلف علاقوں میں سات افراد ہلاک کئے گئے اور بتایا گیا کہ ہتھیار بند کشمیری نوجوانوں نے اُن کو ہلاک کیا ہے۔ ۳۰ اکتوبر ۹۵ء کو کشمیر کے مختلف علاقوں میں ۱۴ افراد ہلاک کیے گئے۔ اُسی روز حُرّیت کانفرنس کے سرکردہ رہنما سید علی گیلانی کی سرینگر میں رہائش گاہ پر گولے برسائے گئے اور سید علی گیلانی کو ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ اِس کے علاوہ چھ ایسے افراد مختلف علاقوں میں ہلاک کئے گئے اور بتایا گیا کہ اِن افراد کو ہلاک کرنے کے لئے ہتھیار بند کشمیری نوجوان ذمہ دار تھے، کچھ علاقوں میں بعض افراد کو گرفتار کرنے کے بعد سیکورٹی فورسز نے زیر حراست ہلاک کردیا جن میں سرینگر کے گوجوارہ علاقے کا لطیف احمد خان بھی شامل تھا۔